حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی رح

کی

مشہور معرکۃ الآراء کتاب

صراطِ مستقیم

مترجم اردو

ناشر

۲۴۷۵۵۴

دارالکتاب دیوبند۔ یوپی

www.abulhasanalinadwi.org

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حمد و ثنا جو بے نیازِ مطلق کی بارگاہ کے شایانِ شان ہے۔ وہ اُسی کی ذاتِ پاک کے بیان کے سوا کسی کے بیان میں نہیں آسکتی اور اس دعوے کی دلیل فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ[1] سے روشن ہے اور ایسا شکر جو اس کی اَن گنت اور بے شمار نعمتوں کا حق ادا کرے کسی مخلوق سے نہیں ہو سکتا کیونکہ خود شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اور کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر تمام عالم "خلق و امر" جس کا نام دوسرے لفظوں میں "شخصِ اکبر" ہے اپنے جیسے ہزاروں عالموں کو ہمراہ لے کر شکر کے اس میدان کے درمیان تنہا جد و جہد سے دوڑ دھوپ کرے اور پھر نعمائے الٰہی کا پورا شکر بجالانے کا خیال تک اس کے دل میں گذرے تو شرمندگی کے پسینے کے سوا اور کوئی اپنی پیشانی کا زیور نہ دیکھے اور ہزاروں زبان سے اپنی بے زبانی کا اقرار و اعتراف کر کے بندگی کے محکمہ میں اپنے عجز و ناتوانی کا شاہدِ عدل (گواہِ راست کو) اس فرمان واجب الاذعان پیش کرے کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[2] پس مشتِ خاک سے اس کے حمد و شکر کا کچھ حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی عام مہربانی سے حکم فرمادے ناچار اس بے چارہ کا یہی چارہ ہے کہ اپنی قوت و طاقت سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل

---

[1] یعنی تیری حمد و ثنا کا شمار احصاء میں نہیں کر سکتا۔ تیری ذاتِ پاک ایسی ہے جیسے خود تو نے اپنی ذات پر ثنا کہی ہے۔

[2] یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کو گن نہ سکو گے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[1] کہہ کر کبھی قصور کے گریبان سے سر نہ نکالے اور اس حکم حقیقی کی وکالت اور ولایت کے حکم سے جس نے اس ناچیز محض کو خود حمد و شکر کی تعلیم کی، ہمیشہ اس نعمتِ عظمیٰ کی لذتِ مذاق جان میں پہنچاتا رہے اور کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ[2]، اور کلمۂ تمجید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[3] کو اپنا ہمدرد و ہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درود نامحدود صاحبِ مقامِ محمود پر نازل ہو یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ وارثیہ و نوابہ الیٰ یوم الدین وعلینا معہم وفیہم برحمتک یا ارحم الراحمین[4] اما بعد عاجزِ ذلیل خداوندِ جلیل کی رحمت کا امیدوار بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل عرض کرتا ہے، کہ اس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں، اور سب سے بڑی نعمت ہادیِ زمانہ مرشدِ یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفلِ ہدایت منزل میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے۔ اور آپ کے اقوال و افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ قربِ الٰہی کو نفع پہنچاوے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلسِ عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلماتِ ہدایت آیات کے سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ

---

[1] یعنی سب طرح کی حمد (اور تعریف) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ [2] یعنی گواہی دیتا ہوں میں اس امر کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ [3] یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ برتر بزرگ کے سوا کسی (نیکی کی طاقت

[4] یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام نازل ہوں اُن پر اور ان کی تمام اولاد اور سب اصحابوں پر اور روزِ قیامت تک جتنے انکے وارثانِ (علم) اور نائبانِ دین ہیں اُن پر اور ان کے ساتھ اور ان کے زمرہ میں (داخل کر کے) ہم پر بھی نازل ہوں تیری رحمت سے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

www.abulhasanalinadwi.org

شریک ہوں اور اس کا طریق بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ اُن بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کر دیا جاوے، اگرچہ بحکم ع

شنیدہ کے بُوَد مانندِ دیدہ

حضور اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث اَلشَّاھِدُ یَرٰی مَالَا یَرَاہُ الْغَائِبُ[1] اس مدعا پر شاہدِ عدل ہے لیکن تاہم مقولہ[2] مَالَا یُدْرَكُ كُلُّہٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّہٗ کے اس امر کے تمام کرنے میں کمرِ ہمت کو چُست باندھ کر تہہ دل بازگشت سے نیت خالص کر کے پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کے اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت (فائدہ رسانی) مآب قدرہ فضلائے زمان زبدۂ (برگزیدہ) علماء دوران (زمانہ) مولانا عبدالحیٔ دام اللہ برکاتہ[3] جو حضرت سید صاحب بارگاہ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامینِ ہدایت آگیں حضرت سید صاحب کی زبان سے سُن کر مولانا صاحب نے تحریر کئے تھے ملے پس اُن اوراق کو حلوای بے دود اور غنیمتِ بے مشقت سمجھ کر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہٖ درج کر دیا اگرچہ اس کتاب کی تالیف میں مناسب بھی تھا کہ جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے میں صرف جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ ہی پر اکتفا کیا اسی طرح تمام کتاب کے مضامین میں یہی طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذاتِ والاصفات ابتدائے فطرت سے رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوحِ فطرت علوم رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرارِ غامضہ کا سمجھنا تو تمہید مقدمات اور تمثیلات کے وارد کرنے کے سوا اور سلف متقدمین کی اصطلاح سے ان مضامین کے مطابق کئے بغیر اہلِ زمان کے اذہان پر "جو کہ علوم رسمیہ کے عادی ہو گئے ہیں" محض آپ کی زبانِ بابرکت نشان سے صادر ہوئے

---

[1] یعنی حاضر ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنھیں غائب نہیں دیکھتا ۱۲ [2] جو شئے بتمامہ حاصل نہ ہو سکے وہ ساری کی ساری چھوڑی بھی نہیں جا سکتی ۱۲ [3] اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہمیشہ رکھے ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

کلمات کے ترجمہ سے نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا سامعین کے سمجھانے کی سہولت کے لئے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقامات کی تمہید اور تمثیلات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قطب المحققین فخر العرفاء المکمّلین اعلمہم باللہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ مع ہٰذا اس عاجز نے کتاب کے ہر دو حصّہ کو املاء کے بعد حضرت سیّد صاحب کے گوش گذار کر دیا، تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہو جاوے اور جو نقصان اس ہیچمدان کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آ گیا ہو آنجناب کی اصلاح کی وجہ سے اُس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام "صراطِ مستقیم" رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ[1] اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

مقدمہ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے

پہلا افادہ

جاننا چاہیئے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل و علا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ (فقرۂ حدیث) مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا الخ (یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ماسوا کی نسبت زیادہ محبوب ہیں) اس نے ایمان کا مزہ چکھا اس امر کی تصریح ہے۔ اور آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ تر مضبوط ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ تمام صوفیائے کرام اور جمیع طوائف انام کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی اور متفق علیہ ہے۔ لیکن اس مقام میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے جس سے اکثر اہلِ زمان غافل اور چوکے ہوئے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حبّ نفسانی جس کو دوسرے لفظوں میں لقبِ **عشق** سے نامزد کرتے ہیں۔ اور "حبِّ ایمانی" جو "حبّ عقلی سے مشہور ہے" ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاوے، کیونکہ پہلی

---

[1] یعنی مجھے کچھ توفیق نہیں مگر ساتھ اللہ کے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کی طرف میں گڑگڑاتا ہوں ۱۲ منہ

www.abulhasanalinadwi.org

حبِّ مبادیٔ سلوک کی واردات سے ہے۔ اور دوسری حبِّ انبیاءِ کرام کے کمالات اور اولیاءِ عظام کے مقامات میں سے ہے۔ اکثر عوام صوفیاء قسم اول کو دوسری کے جا بجا رکھ کر اور اسی کو اشاراتِ شرعیہ کا مشارٌ الیہ سمجھ کر انبیاء اور اولیاء کی سیر کو اہلِ عشق و وجد کے احوال سے تطبیق دینے میں ناحق کی سر دردی اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ ان بزرگواروں کی سیر کو ان سالکوں کی واردات سے کسی طرح کی مطابقت نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عشق اس گھبراہٹ اور بیقراری کا نام ہے جو مقصود کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے اور وہاں سے تمام قوائے باطنہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کیفیت کا انجام اور اُس کی نہایت اُس مقصود کا پالینا اس محبوب کا وصال ہے اوّلاً اس کیفیت کا موقع قلب ہے جو تمام کیفیاتِ نفسانیہ کا محل ہے پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ اور اس کا نہایت درجہ طالب کا مطلوب کے یافت میں اپنے آپ سے غائب اور مضمحل ہو جانا ہے پھر جب یہ غایت مرتب ہو جاتی ہے تو اس بیقراری اور پریشانی کی شورش فرو ہو جاتی ہے اور وہ کیفیت جو عشق سے نامزد ہے زائل ہو جاتی ہے اور حبِّ عقلی سے یہ مراد ہے کہ طالب کے دل میں اس چیز کی طلب کا ارادہ جوش مارتا ہے جس کے فوائد اور منافع اُس کی طرف اپنے محتاج ہونے پر اُس نے اطلاع پائی ہے اور اس داعیہ نے طریقِ طلب کی مشقتیں اٹھانا اس پر سہل کر دیا ہے اور اس سبب سے اس کی طلب میں کمرِ ہمت چست باندھ کر جو حیلہ اپنی فکر کے کیسہ میں رکھتا تھا سب کچھ اس کی طلب میں خرچ کر ڈالا۔ اور اختیاراً بغیر مجبوری کے اپنا سب سر و سامان چھوڑ دیا اور اس محبت کے واقع ہونے کی جگہ اوّلاً تو عقل ہے جو معلومات کا خزانہ ہے پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ میں بھی یہی ارادہ اثر کر جاتا ہے جیسے پانی درخت کی جڑ سے اس کے پتّوں اور پھول پھل تک سرایت کر جاتا ہے پس عقل میں کیا کیا فکر اور کیسی کیسی تجویزیں اُس کے حاصل کرنے کے لئے درست کرتا ہے اور دل میں کیا کیا ہمتیں اور کیا کیا ارادے اُس کی طلب کے لئے برانگیختہ کرتا ہے اور جوارح (اور اعضاء) پر کیسی کیسی مشقتوں کا سامنا اور کیسے کیسے مالوفات (اور مرغوبات) کا ترک کرنا اُس مطلوب کے

www.abulhasanalinadwi.org

راستہ پر چلنے کے لئے اپنے اوپر گوارا کرتا ہے اور جس طرح کی پہلی محبت عشقی کا نتیجہ علم کا فنا ہونا ہے یعنی ماسوا محبوب سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی غافل اور بے خبر ہو جانا۔ اسی طرح دوسری محبت (عقلی) کا ثمرہ فنا ہی ہمت ہے یعنی جو بات کہتا ہے محبوب ہی کہتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اسی کی طرف سے سنتا ہے اور جس نظر و فکر کا نتیجہ محبوب کے حاصل کرنے اور اس کے راستہ میں چلنے کے سوا کچھ اور ہو وہ اس کے نزدیک اُس قسم کے وساوس میں سے ہے جن کا اعتبار کچھ نہیں ہوتا۔ اور جو محبت اور عداوت اور پسند کرنا اور ناپسندی کہ محبوب اور اُس کے طریق کے مناسب اور مخالف کے ساتھ نہ ہو اُس کے آگے ایسے عوارض کے قبیل سے جن کی طرف کچھ التفات نہیں کی جاتی۔ غرض تحصیلِ مطلوب اور اُس کے طریق کی تمہید کے خیال نے طالب کے ظاہر اور باطن کو اپنی حکمرانی اور فرماں روائی کے نیچے دبا لیا جاتا ہے۔ برخلاف پہلی حُب کے کہ اس میں محب کے تمام باطن کا حُب سے پُر ہو جانا اُس کے تحقیق اور پائے جانے کے لئے شرط نہیں کیونکہ بسا اوقات ایک چیز کا عشق اُس کے بُغض اصلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خاص کر جبکہ حبِ عقلی اور حبِ عشقی میں تعارض ہو تو اس وقت تو یہ اجتماعِ ضدین ضرور لازم آجاتا ہے مثلاً ایک نوجوان دیندار والدین سے نیک سلوک کرنے والے کو کسی عورت یا کسی بے ریش لڑکے کا عشق لگ جاتا ہے اور چونکہ شارع یا اس کے والدین جو اس کے نزدیک حبِ عقلی سے محبوب ہیں اس امر سے روکتے ہیں۔ ناچار وہ سعادتمندوں کی تہ سے اُس معشوق کو بلکہ اس کے عشق کو مکروہ اور مبغوض رکھتا ہے اگرچہ اپنی طبیعت کی رو سے اُس کا مغلوب ہی ہو جاوے (لیکن دوسری حب چونکہ اس کا مقر (موقع) اصل ہے۔ اور وہاں سے اس کے لشکروں نے قوائے طبعیہ پر چڑھائی کی ہے (اس لئے) محب کے تمام باطن کو مسخر کر لیا ہے کسی طرح معارضہ کی اس میں گنجائش نہیں اور جس طرح کہ پہلی حب محبوب کے پا لینے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور اس کی سوزش اور (بھڑک) فرو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری حب محبوب کے وصال سے ترقی میں قدم رکھتی ہے اور اُس سے ہزار گنا ہو جاتی ہے اور اس قدر وسعت اور کشادگی پکڑتی ہے کہ ہرگز

www.abulhasanalinadwi.org

ایسی وُسعت اور قوت ہجر (اور جدائی) میں متصوّر نہیں۔ کیونکہ پہلی حُب کا مبنیٰ (اور منشا) محبوب کا نہ پانا تھا اور ہجر (فراق) اُس کی شرط تھی (اور قاعدہ کی بات ہے) کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ۔ اور حُبِّ ثانی کا منشا محبوب کے منافع اور فوائد کا علم اور اس کے کمالات کا جاننا اور اس کی طرف اپنی محتاجی کو سمجھنا تھا اور یہ معنی وصال میں واضح تر ہو جاتا ہے کیونکہ علم الیقین عین الیقین سے بدل جاتا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ اجمال کی شرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے، یعنی معدہ میں حرارت جوش مارتی ہے اور سینہ میں سوزش اور لب پر خشکی ظاہر ہوتی ہے اُس وقت اس کو پانی کا عشق ہو جاتا ہے یعنی طبیعت کی تہہ سے اسے پانی کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے نہ پانے کی وجہ سے بیقراری اور گھبراہٹ عارض ہوتی ہے اگرچہ کسی سے اس نے یہ نہ سنا ہو کہ پانی پیاس بجھاتا ہے (تاہم اس کو پانی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے) اور اگرچہ کسی جسمانی یا نفسانی ضرر کے اندیشہ سے عقل پانی کے استعمال سے مانع ہو۔ اور جب عین پیاس کی شدت میں اسے میٹھا پانی مل جاوے اور پی کر اس سے سیراب ہو لے اور رونگٹے رونگٹے میں اس کی سیرابی سرایت کر جاوے اس وقت اُس شخص پر ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے کہ اگر اس سے تعبیر کریں تو یہی کر سکتے ہیں کہ ماسوائے پانی سے نسیان اور فراموشی حاصل ہو گئی ہے بلکہ بسا اوقات سکر اور نشہ کی طرح خمار سا طاری ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے تھوڑی سی دیر کے لئے بے خودی میسّر ہو جاتی ہے اور وہ پیاس کی حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اہلِ زراعت اور کسانوں کو پانی کی نسبت حبِّ عقلی ہے۔ کیوں کہ ان کا میلان پانی کے حاصل کرنے کی طرف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کی کھیتیاں اور چراگاہ اور باغ بغیچے جو اُن کی عیش و معاش کا سرمایہ اور زندگی کا مدار ہیں پانی کے بغیر کسی صورت سرسبز نہیں ہو سکتے غرضکہ پانی کی طرف اپنی کمالِ حاجت اور پھلوں اور غلّوں میں پانی کی نہایت

۱؎ یعنی جب شرط ناپدید ہو تو مشروط بھی نابود ہو جاتا ہے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

منفعت سمجھکر اس کی طلب کا خیال اُن کی عقل سے اٹھتا ہے اور ان کی تمام ہمت کو پانی کی طلب میں مصروف کر دیتا ہے پس کیا کیا دعائیں اور زاریاں پانی کی طلب میں ان سے صادر ہوتی ہیں اور کیا کیا حیلے اور تدبیریں اور چرسوں کے مرتب کرنے میں ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور کیا کیا محنتیں اور مشقتیں کنوؤں اور نہروں کے کھودنے اور حوضوں کے درست کرنے میں رات دن کسانوں پر اور ان کے چہار پایوں پر گذرتی ہیں اور یہ لوگ ان تمام دشواریوں کو اپنا کمال اور فخر سمجھ کر ان امور اور ان جیسی دشواریوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر ان کے حاصل کرنے میں ایسی سرگرمی اور چالاکی دکھلاتے ہیں جس میں کسی طرح سے سستی اور کوتاہی کو دخل نہیں ہوتا اور کبھی کوئی اس قوم کا ان کاموں میں پست ہمت ہو جاوے تو دوسرے کسان اس پر طعن کرتے ہیں اور اسے کم عقلی اور بے ہمتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جتنا پانی انھیں حاصل ہوتا ہے اس کے منافع اور فوائد پر عین الیقین سے اطلاع پا کر اپنی تمام کوشش اور سعی کو جو جو مشقتیں اُس کی طلب میں اٹھائی تھیں سب کو بجا اور برمحل سمجھتے ہیں اور اس اپنی محنت پر خوش حال اور شکر گذار ہوتے ہیں اور مشقتوں کے اٹھانے میں زیادہ چالاک ہوتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بعضے اپنے خاص بندوں کو جن کی قسمت میں سعادت ازلی تھی برگزیدہ کر کے محض اپنی عنایت و مہربانی سے اپنی محبت کی دو قسموں میں سے ایک یا دونوں کی طرف ہدایت کر کے اس سعادتِ دو جہانی کے سرمایہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے ثمرات و نتائج کے ساتھ فخر و امتیاز بخشتا ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ[1]۔ اور محبت کی ان دونوں قسموں کے لئے کئی اسباب اور تائید کرنے والی چیزیں اور کئی آثار اور ثمرات ہیں جو اسی نوع کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور چونکہ طالب راہ حق کی محبت کی دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو دوسری قسم سے انہیں امور کی بدولت پہچانتا ہے اس لئے ان امورِ اربعہ کا نام

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیدیتا ہے۔ ۱۲

رکھا گیا وجوہ التمایز فیما بین النوعین۔[1]

دوسرا افادہ ۔ چونکہ حبِ ایمانی اور اس کے احوال و آثار و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت پر جا ختم ہوتے ہیں، اس لئے اس طریق کا نام جس کی ابتدا حبِ ایمانی سے اور انتہا نبوت پر ہے راہِ نبوت اور نسبتِ نبوت رکھا گیا۔ اور چونکہ حبِ عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات معرفت پر جا ختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وجود حضرت حق (جلّ و علا) کے سامنے اور اشیاء کے حقائق نیست معلوم ہوتے ہیں اور یہ معرفت ولایت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے اس طریق کو "جس کی ابتدا حبِ عشقی ہے اور انتہاء معرفت پر ہے" راہِ ولایت و نسبتِ ولایت سے نامزد کیا گیا۔

تیسرا افادہ ۔ اس امت کے اکابر یعنی ائمۂ طریقت و پیشوایانِ حقیقت اگرچہ طریق نبوت کے کمالات کے ساتھ موصوف اور اس کے ثمرات کے مقام میں راسخ القدم تھے۔ لیکن انہوں نے اس نسبت کے حاصل کرنے کا طریق راہِ ولایت کے حاصل کرنے کے طریق سے ممتاز نہیں فرمایا اور اس راستہ کے مباحث میں بالاستقلال کچھ کلام نہیں کیا اور اس راہ کے مبادی کی تعیین میں سعیِ بلیغ نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب دونوں قسم کی محبت میں امتیاز کے وجوہ میں منعقد کیا جاوے اور چونکہ ہر طریق کا آثار و علامات کا دریافت کرنا اس طریق میں چلنے اور سلوک کرنے پر مقدم ہے لہٰذا اس بات کو باقی ابواب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور نفس (ناطقہ) کو اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اور اوصافِ جمیلہ اور فضائلِ حمیدہ سے محلی اور مزین کرنا اور عباداتِ شرعیہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے، راہِ نبوت کی بنیاد اور راہِ ولایت کی رونق و بہار ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایک باب اس کتاب کا جو تخلیہ اور تحلیہ مذکور کو شامل ہو عباداتِ شرعیہ کے ادا کرنے کے طریق پر متضمن ہو

---

[1] یعنی ہر دو قسموں کے آپس میں علیحدہ علیحدہ پہچاننے کی وجہیں۔ یعنی اس کتاب میں جہاں جہاں وجوہ تمایز فیما بین النوعین کا لفظ آویگا مراد اس سے یہی چار چیزیں ہوں گی۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

ہر دو طریق کے سلوک سے پہلے اور وجوہِ تمایزِ طریقین کے بیان سے پیچھے ہو معیّن کیا جاوے تاکہ راہِ نبوت کے طالبین کو اپنے کام کا سررشتہ ہاتھ میں آجاوے اور راہِ ولایت کے سالکین کو اپنی سعی کے ثمرات دکھائی دینے لگیں اور نیز اکابرِ طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات اور ریاضات و مجاہدات کے تعیین میں جو راہِ ولایت کے مبادی ہیں نہایت کوشش کی ہے لیکن بحکم اس مصرعہ کے ع "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد"۔ ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طریق کے پیشواؤں میں سے اہلِ تحقیق اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوشش کر گئے ہیں۔ بنا براں مصلحتِ وقت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کا ایک باب ایسے اشغالِ جدیدہ کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں معیّن کیا جاوے اور طریقِ ثلاثہ یعنی قادریّہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید پر اکتفا کی جاوے کیونکہ یہی تینوں طریق سب طرق سے زیادہ تر مشہور ہیں پس ان تین طرق کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ نسبت ولایت کا حاصل کرنا راہِ نبوت کے سلوک کو آسان کر دیتا ہے اور چونکہ نسبتِ ولایت کا صاحب نسبت نبوت کو تھوڑی سعی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے حسنِ تربیت کا تقاضہ یہ ہوا کہ یہ باب (جس میں سلوک طریقت و ولایت کا بیان ہے) بابِ چہارم سے جو سلوک راہِ نبوت پر مشتمل ہے مقدم کیا جاوے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَبِيَدِهٖ اَزِمَّةُ التَّحْقِيْقِ۔[1]

بابِ اوّل۔ تمائزِ طریقین کے وجوہ کے بیان میں

یعنی جن وجوہ سے طریقِ نبوت اور طریقِ ولایت میں امتیاز و فرق ہوتا ہے ان کا بیان اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصلِ اوّل طریقِ ولایت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے اور تحقیق کی مہاریں اس کے ہاتھ میں ہیں ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ فصل چار ہدایتوں پر شامل ہے۔ **پہلی ہدایت** حبِ عشقی کے حاصل کرنے کے اسباب میں اور یہ دو افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ** جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا سبب عادی ذکر و فکر ہے۔ لیکن جو ذکر و فکر محبت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے اور وہ اس ذکر و فکر سے جدا ہے جو دوسری قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہو سکتا ہے، چنانچہ دونوں قسموں کی تفصیل احکام کے ضمن میں اس معنیٰ کی طرف اشارہ کیا جاویگا۔ **دوسرا افادہ**۔ مخفی نہ رہے کہ حصولِ عشق کا سبب ایک مثال کے بیان کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے سو اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے لطیف تر اور زیادہ صاف ہے، جب زمین کے اجزاءِ لطیفہ سے "جن کو دخان کہتے ہیں" مل جاتی ہے اُن اجزاءِ ارضیہ کو اپنے حیز کی طرف "جو سب احیاءِ عنصریہ سے مافوق اور اوپر ہے" کھینچتی ہے۔ تاکہ اُن کو اپنے آپ میں فانی کر کے آثار احکام میں اپنا ہم رنگ اور مشابہ بنالے ولیکن غبار جو کہ جو[1] میں تودے کے تودے جمع ہو رہا ہے چونکہ اس دخان کو حیز نار کیطرف چڑھنے سے مزاحم اور مانع ہوتا ہے۔ ناچار اقتضائے نار اور اقتضائے غبار کے درمیان کشمکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہو جاتا ہے اور اس تمانع اور تزاحم کے سبب سے رعد کی ہولناک آواز سے آگ کے برقی شعلے حادث ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اجزاءِ ناریہ اپنی تندی اور تیزی کی وجہ بعض عوائق کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہادیتی ہے اور بعض موانع کو ٹکڑے ٹکرے کر کے جو زمین کو پراگندہ اور پریشان کر دیتی ہے۔ بعد ازاں اجزائے لطیفہ دخانیہ کو کھینچ کھینچا کر اپنے آپ میں فانی اور نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ اسی طرح لفظِ مبارک اللہ کا (یعنی اسم ذات) جو عالم الفاظ میں حضرت بیچون سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلی ہے "جب ذاکر کے حلق، زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ ذکرِ خیر جو وساوس کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کیلئے موضوع ہے۔"

---

[1] مابین آسمان و زمین کو جو کہتے ہیں۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اُس طریق کے مطابق ہو جو صوفیاءِ کرام کے نزدیک معہود و مقرر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گمگشتگی اور گمنامی بخشتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر خفی "جو اس لفظ مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے اور لوگوں کے اختلاط اور ہمکلامی سے نفرت حاصل کرنے کیلئے موضوع ہے" اُس طریق پر واقع ہو جو صوفیاء میں مشہور و معروف ہے، خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنیٰ حاصل ہو گیا ہو۔ خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصور کی طرف انتقال ہو جاوے اور یہ علم (و ادراک) میں حضرتِ حق جلّ جلالہٗ کی تجلّی ہے جو سب تجلّیات سے الطف اور بلند تر اور حضرتِ ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے اور جب یہ تجلّی" یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیطِ محض اور مجرد بحت[1] ہے اس کے ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ اُس کی بصیرت کی آنکھ اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جاوے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف نظر جمالیں اور اس کے ماسوا کی طرف تہہ دل سے ذرّہ بھر التفات کبھی صادر نہ ہو۔ اور اگر گاہ و بیگاہ ماسوا کا خطرہ اُس کے ذہن میں گذر جاوے تو امور اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے۔ نہ تہہ دل سے، اور قوم (یعنی صوفیہ کرام) کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔ الغرض جب طالب اپنے ادراک اور ہمت سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلی اس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے تو سالک کی لطیف ترین اجزاء کو جس کا نام روحِ الٰہی ہے اپنا آشیانہ بنا کر اور اس کے ساتھ امتزاج پاکر اس کو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے۔ اور روحِ الٰہی جو کہ عالمِ پاک سے ہے اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[2] اس کی شان میں آیا ہے۔ اور اس مشتِ خاک (یعنی جسم میں محبوس و مقید) ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی۔ اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب اُس تجلی کے نور سے اس کا چہرہ مصفّا و مصقولی ہو گیا اور کمالاتِ حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کہ (حدیث) وَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ[3] اسی کی طرف اشارہ ہے" اور اپنے فراموش شدہ

---

[1] سادہ خالص۔ ۱۲ [2] یعنی کہہ دو روح میرے رب کے امر سے ہے ۱۲ منہ [3] یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی صفت۔

www.abulhasanalinadwi.org

اصل کو پھر یاد کر کے اصل کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے پس اُس تجلّی کا اُس روح کو کھینچنا بسبب اس آگاہی اور بیداری کے "جو اس تجلّی کے استقرار کی وجہ سے حاصل کی تھی اور روح کا کھنچ جانا خطیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضاء کرتے ہیں اور رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بشریت کا غبار خطیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہوجاتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہوجاتی ہے اس سبب سے شورش اور بیقراری اور گرمی نسمہ[1] کے اندر "جو روحِ طبعی سے ملقب ہے" پیدا ہوجاتی ہے۔ جس طرح غصہ کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کی کشادگی پیدا ہوجاتی ہے۔ بالجملہ یہ شورش اور تغلغل[2] جو کہ روحِ نفسانی میں پیدا ہوگئی ہے طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کردیتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانونِ شرع اور قواعدِ ادب سے باہر کھینچ لیجاتا ہے اور اس کی کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے جنگلوں اور ویرانوں سے اُنس اور دل لگی ہوجاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت اور وحشت ہوجاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشکباری حاصل ہوجاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ اور چونکہ اس کیفیت کی حامل اور اٹھانے والی روح حیوانی ہے اس لئے اس کو حبِ نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے تاکہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار ریاش پاش ہوکر اس محبت کا ثمرہ مترتب ہوجاتا ہے۔ **دوسری ہدایت** حبِ عشقی کے مؤیدات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ** حبِ عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے یعنی کم سونا اور کم بولنا اور لوگوں سے صحبت اور اختلاط کم رکھنا اس لئے کہ حسِ حیوانی کو ان امور سے رقت اور لطافت حاصل ہوتی ہے اور جس قدر روحِ حیوانی رقیق تر ہو اُسی قدر تغلغل اور شورش اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے ہوتا ہے۔

---

[1] نسمہ کے معنی نفس اور جان ۱۲۔ [2] تغلغل کے معنی شورش کے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرا افادہ حب عشقی کے مؤیدات میں سے الحان خوش اور صورت دلکش اور قصص شوق آمیز اور اشعار عشق انگیز کا سننا ہے۔ **تیسرا افادہ** منجملہ مؤیدات حب عشقی کے ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روح طبعی میں کثافت پیدا ہونے کے باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً بہت سونا اور ہمیشہ کثیف غذاؤں کا کھانا اور اسی قسم کی اور چیزیں جو اہل تجربہ پر مخفی نہیں۔ **تیسری ہدایت** آثار حب عشقی کے بیان میں۔ اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ** منجملہ آثار اس حبّ کے ایک یہ ہے کہ اس کا اقتضاء ذاتی حجاب بشری کا پھاڑنا اور روح الٰہی کا اپنی اصل کی طرف پہنچنا ہے۔ فقط کسی قانون کی مطابقت اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل نہیں خواہ قانون شرع ہو خواہ قانون ادب۔ اور نہ کسی کی رضا اور خوشنودی کا طلب کرنا اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ محبوب کی رضا ہو یا اس کے غیر کی اور نہ کسی کی متابعت کا التزام اُس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ اپنے محبوب کی متابعت ہو یا اس کے سوا کسی اور کی۔ یہ مت سمجھنا کہ اس کلام سے یہ مقصد ہے کہ ارباب عشق واصحاب مواجید قیود شرعیہ سے مقید نہیں ہوتے یا آداب عرفیہ سے متأدب نہیں ہوتے اور رضائے مولیٰ کے طالب اور متابعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملتزم نہیں ہوتے۔ حاشا وکلّا یہ بات ہرگز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حبّ بالذات ان امور کے مقتضی صرف یہ ہے کہ صاحب اس حال حضرت ذوالجلال کے جمال کے مشاہدہ میں مضمحل (اور فانی) ہو جاوے وبس۔ جس طریق سے یہ کیفیت میسر آوے (فبہا) کسی طریق کے خصوصیت کو اس کے اقتضائے ذاتی میں دخل نہیں مثلاً اگر اس حال کے صاحب کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کا ظن مزامیر کے سننے اور عشق مجازی اور شغل برزخ (کے ارتکاب) اور اوقات کو اذکار وطاعات سے خالی رکھنے وغیرہ ممنوعات شرعیہ میں ہو تو البتہ تہہ دل سے اُن امور کی طرف میلان اور کشش پیدا ہو جاوے گی اگرچہ صاحب حال دیندار ومتشرع ہونے کی وجہ سے اس خیال کے آثار کے ظہور سے مانع ہووے بلکہ اس خیال کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ عشق مجازی میں عاشق کا مطلوب اپنے معشوق کے جمال کا

www.abulhasanalinadwi.org

مشاہدہ اور اس کا قرب اور وصال ہوتا ہے اگرچہ معشوق کو اس عاشق کے قرب سے ایذا پہنچے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ یعنی معشوقانِ مجازی اپنے عاشقوں کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے سخت ممانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب و جوار بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ گالم گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہونچ جاتی ہے مگر وہ عشاق مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوقوں کی محفلوں اور مجالس میں آمد و رفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور یار کے کوچہ میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمالِ عالی ہمتی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے اشعارِ نظمیہ اور کلماتِ نثریہ اس امر پر دلالتِ صریحہ رکھتے ہیں۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلامِ شکایات آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اُس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے۔ اور حبِّ عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس بغض کے مرتبہ میں جا گراتا ہے۔ تاہم اربابِ عشقِ مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح صریحہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حبِّ عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حبِّ عشقی اور حبِ عقلی میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ **دوسرا افادہ**۔ اُس حبّ کے بعض آثار میں سے تفرد ہے یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علائق کے ہجوم اور عروض سے تنگدل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں و جمعوں کے قائم کرنے اہلِ قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تزوّج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔ **تیسرا افادہ**۔ منجملہ آثارِ حبِّ عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے۔ یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرتِ سبحانہ و تعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے اور اس کے ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا تعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرماتے تو البتہ میں اس کی طرف التفات تک نہ کروں گا۔ **چوتھا افادہ** منجملہ آثار اس حبّ کے علوم اور طاعات ظاہری سے لاپروائی ہے کیونکہ اُن علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے اور چونکہ اس کا کام بساطت در بساطت ہے اس لئے ایسے امور کا اشغال اُس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے۔ **پانچواں افادہ** منجملہ آثار حبّ عشقیہ کے نہ سمجھنا اُس علاقہ کا ہے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع ہے۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے لئے ایک باطن ہے اور وہ تعلق دل کا ہے حضرت حق جلّ وعلا سے اور اس تعلق مختلف انحاء اور ڈھنگ ہیں۔ اور ان انحاء میں سے ہر ایک کا نام نسبت رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل اپنے محل پر مذکور ہے۔ اور ایک شریعت کا ظاہر ہے اور وہ اوامر شرعیہ کا بجا لانا اور منہیات سے باز رہنا اور ان افعال ظاہرہ اور تعلقات قلبیہ کے درمیان ایک نہایت باریک علاقہ ہے کہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کو شرح تفصیل سے اُس کے بیان میں توفیق ملی ہے پس جو شخص اپنے وجدان سے اُس علاقہ کو سمجھ لے اُس کی عبادت تو سراسر مغز بے پوست ہو جاتی ہے۔ اور اس کے احوال افعال کے ساتھ مل جاتے ہیں ورنہ وہ شخص قشری محض اور خشک زاہد ہو جاتا ہے، اگر ظاہر افعال شرعیہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہو نہیں تو ایک گونہ الحاد (اور بے دینی) اُس کے عقائد میں راہ پا جاتا ہے۔ اگر باطن شرع کے ساتھ تمسک کر کے ظاہر شریعت کو درجۂ اعتبار سے ساقط کر جائے اور چونکہ اس علاقہ کا سمجھنا کثرت افعال کو وحدت احوال میں انتظام دینے کے قبیل سے ہے اس لئے صاحب حبّ عشقی کو اس میدان میں جولان کرنے کی گنجائش نہیں مگر ارباب حبّ عقلی کی تقلید سے اور اُن آثار سے جو مذکور ہوئے ان آثار کا کھوج لگا لینا جو بسبب تنگیٔ مقام کے قلم تحریر میں نہیں آ سکے اہل دانش، صاحبان فطانت پر چنداں مشکل اور دشوار نہیں۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ[1]۔

---

[1] عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

چوتھی ہدایت حبِ عشقی کے ثمرات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ جب کیفیت مشتبہ کی شدت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الٰہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا غبار کھل جاتا ہے اور ظلمانی اور نورانی پردے پھٹ جاتے ہیں تو بنا بر وعدہ وَالَّذِیْنَ[۱] جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور مطابق فَاذْكُرُوْنِیْ[۲] اَذْكُرْكُمْ کے ضرور مشاہدۂ جمالِ لایزال حضرتِ ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب اور معیت کا معنی "جو کہ مضمون اَنَا[۳] عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ۔ وَاَنَا[۴] مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ۔ وَاحْفَظِ[۵] اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ کا ہے (اور) جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے اور جو تب و تاب اور تعلق و اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت کئے تھے، ان کے بدلے میں سرور و ابتہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی اور سرگوشی کے سرو پا ہاتھ آتے ہیں غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انست سے بدل جاتی ہے۔

دوسرا افادہ پھر جب توفیق کا راہ بر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں دخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے

۱؎ یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیا کرتے ہیں ۱۲۔ ۲؎ یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۱۲۔ ۳؎ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں ۱۲۔ ۴؎ اور میں اس کے ساتھ ہوں جو مجھے یاد کرے ۱۲۔ ۵؎ اور تو اللہ کو یاد رکھ اس کو اپنے سامنے پاویگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہاپن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بناکر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ آیت وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ[1] اس کیفیت کا بیان ہے، اور آیت فَاَرَادَ رَبُّكَ[2] اسی طرف اشارہ ہے۔ الغرض اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سوز بان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور خوامخواہ ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ پیشہ وروں، کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفسِ کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت کے دریاؤں کی گہری تہہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو اَنَا الْحَقُّ[3] اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ[4] کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی[5] كُنْتُ سَمْعَهُ الَّتِیْ یَسْمَعُ بِهَا وَبَصَرَهُ الَّتِیْ یُبْصِرُ بِهَا وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا اور ایک روایت کی رو سے وَلِسَانَهُ الَّذِیْ یَتَكَلَّمُ بِهٖ[6] اسی مثال کی حکایت ہے۔

---

[1] یعنی میں نے اس کام کو اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کیا ۱۲۔ [2] سو تیرے رب نے ارادہ کیا ۱۲۔ [3] یعنی میں خدا ہوں ۱۲

[4] یعنی میرے ہر دو پہلو میں بجز اللہ کے کچھ نہیں ۱۲ [5] یعنی میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

[6] اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور حدیث اِذْ قَالَ اللّٰہُ عَلیٰ لِسَانِ نَبِیِّہٖ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور حدیث یَقْضِی اللّٰہُ عَلیٰ لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَاشَآءَ اسی سے کنایت ہے اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے۔ چاہیئے کہ تو اس میں خوب تأمل و غور کرے اور اس کی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑے وَرَاءَ ذٰلِكَ فَلَا اَقُوْلُ لِاَنَّہٗ سِرٌّ لِسَانُ النُّطْقِ عَنْہُ اَخْرَسُ۔ یعنی اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے۔ اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صادر ہوئی تو پھر اشرف موجودات سے جو حضرت ذات (سبحانہٗ و تعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر اَنَا الْحَق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا مظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دونگا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔

تیسرا افادہ۔ پھر جب کوئی اور لطیفۂ غیبی اور جذبۂ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہے جس کے سبب

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اس کی بات کو سُن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی ۱۲۔

۲؎ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے بھیجتا ہے ۱۲ ۳؎ یعنی بیشک میں خدا ہوں تمام جہان کا پروردگار ۱۲۔

۴؎ یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لئے (میدانِ کارزار میں للکارتا اور) پکارتا ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے تمام حقائق کونیہ اور موجودات امکانیہ ذات بیچوں کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور جو نسبت پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہ کی ذات کے درمیان ظاہر ہوئی تھی اب اس مقام پر جو چیز عرصۂ وجود میں ظہور پذیر ہے اس کے اور حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے درمیان ظاہر ہونے لگتی ہے۔ غرض بساط وجود پر حضرتِ حق کی قومیت کا انبساط اور ان حقائق متکثرہ کا قیام اُس ذاتِ واحد یکتا کے ساتھ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے اور آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[1] اور حدیث لَوْ اَدْلَيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ[2] کے مضمون کے ساتھ دم مارنے لگتا ہے۔ سبحان اللہ حبِّ عشقی کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلّی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ ایک مشتِ خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہو جاتی ہے اور اس بے قدر مٹی نے بڑ رب الارباب کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد — کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جانِ طور آمد عاشقا — طور مست و خرّ موسیٰ صاعقا

یعنی خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا یہ پہاڑ (عشق کے طفیل) رقص میں آیا اور چالاک ہو گیا۔ اے عاشق عشق طور کی جان ہے۔ طور مست ہے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے ہیں۔ اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الٰہیہ کے ساتھ لب کھولنا اور ان ابیات کے مضامین کو پڑھنا ؎

آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم — فاش گر گویم جہاں برہم زنم
جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ — زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

---

[1] یعنی سب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲۔ [2] یعنی اگر تم سب سے نچلی ساتویں زمین میں ایسی رسی لٹکا دو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا گرے گی ۱۲۔

www.abulhasanalinadwi.org

منجملہ احکام حُب نفسانی کے جس قدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہو چکا باقی رہی اس مقام کی شرح و بسط خصوصاً مقام فنا اور بقاء کی تفصیل پس قوم یعنی صوفیاء کی کتابوں سے طلب کرنی چاہیئے اور قدوۂ اولیاء اور زبدۂ اصفیاء یعنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کمال کو " قرب النوافل " سے تعبیر فرماتے ہیں۔

دوسری فصل۔ طریق نبوت کی امتیازی وجوہ کے بیان میں۔ اور یہ چار ہدایتوں پر شامل ہے۔ **پہلی ہدایت**۔ حبّ ایمانی کے حاصل کرنے کے بیان میں۔ اور یہ تین تمہید اور دو افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلی تمہید**۔ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل پیدائش میں چند چیزیں فطرۃً رکھی ہوئی ہیں اور ان امور کا اچھا جاننا اور ان کی ضدوں کو بُرا سمجھنا اسکی طبیعت میں رکھا ہوا ہے اور نوعِ انسان کا ہر فرد بشرطیکہ اس کی جبلت[1] "اہلِ جہل و عناد جنھوں نے اپنی فطرت کو بگاڑ دیا ہے اور اپنی جبلت کے احکام کو برباد کیا ہے " کی تقلید کے نقش سے صاف و پاک ہو۔ ان امور کو اپنی اور تمام اپنے ہمجنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور

ان امور کی ضدوں کو اپنے اور اپنے ہم جنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور

ان امور کی ضدوں کو اپنے اور اپنے ہمجنسوں کے عیب اور نقص کا سبب جانتا ہے اور ابناء نوع میں سے جس کسی کو ان امور سے خالی اور ان کی طلب و تلاش سے بے رغبت پاتا ہے اسے کم فہموں اور بے وقوفوں کی جماعت سے شمار کرتا ہے۔ اور ان فطری امور میں سب سے عمدہ منعم اور احسان کرنے والے کی محبت اور اس کی تعظیم ہے اور اس کی جانب کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنا اور اس کی رضا جوئی میں مشقتیں اٹھانا اور مالوفات کو ترک کرنا اور مرغوبات کو اس کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنے آپ کو اس کے بندوں کے زمرہ میں شمار کرنا اور اس کے سامنے اپنے نفس کو ناچیز محض دیکھنا اور اس کی مدح و ثناء کے ساتھ زبان کھولنا اور جوارح اور ہاتھ پاؤں کو اس کی خدمت اور اطاعت میں استعمال کرنا اور اس کے

---

[1] یعنی شریعت اور طبیعت ۱۲ منہ

www.abulhasanalinadwi.org

بارِ احسان کے نیچے گردن کو پست کرنا اور اپنے اوپر اس کی منت و احسان کو قول اور فعل سے ظاہر کرنا اور مرغوب اور دل پسند چیزوں کو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ترک کر دینا اور اس کی رضا جوئی اور احکام کی بجا آوری کے ارادہ پر دل کو محکم اور مضبوط رکھنا اور اس کے سامنے پست ہونے اور نیاز کرنے سے عار نہ رکھنا۔ گونا گوں امور اور دشوار و ناگوار کام پیش آجادیں اور امور مذکورہ پر جن کا خلاصہ منعم کی حق شناسی ہے استقامت رکھنا اور ہمیشگی کرنا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایک ایسا علاقہ ہو جاتا ہے کہ کبھی مدت العمر اُس کے عہدہ سے کسی خدمت کے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکتا اور کسی چیز کو اس کی نعمتوں کا مقابل و موازی نہیں سمجھ سکتا اور اس کی خدمات کی بجا آوری میں محنتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی جزا سوائے رضا کے اور کچھ نہیں جانتا اور اگر تو خوب غور اور تأمل کریگا تو افرادِ انسان میں سے کسی فرد کو جو فطرت کی خوبی میں اپنے اقران کا مسلّم اور مانا ہوا ہو اس معنی سے خالی نہ پاویگا۔ اور محب منعم کے ساتھ مدح اور تعریف کرنا اور اس کے ساتھ فخر اور بڑائی کرنا اور منعم کی ناشکری اور احسان نہ ماننے سے پرہیز اور نفرت کرنا اور نمک حرامی کو گالی اور دشنام دہی کے مقام میں استعمال کرنا اس نوع کے افراد میں جاری ہے مثلاً اگر تو کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اپنے موالی اور مالکوں کی خیر خواہی اور آقا کی نمک حلالی اور استاد کی تعظیم اور بادشاہوں کی فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرے تو البتہ وہ شخص اُس قول کو منجملہ اپنے مدائح اور تعریفوں کے شمار کرے گا اور اس مدح سے اُسے خوشی اور فرحت حاصل ہوگی بلکہ اس قائل کی نسبت نفع رسانی کی کوشش اور محبت کا خیال اس کے دل میں محکم ہو جاویگا۔ اور اگر والدین کی نافرمانی اور مالکوں سے بھاگنا اور آقا کی نمک حرامی اور استاد کی اہانت اور بادشاہوں کی بغاوت کسی طرف نسبت کیا جاوے تو البتہ وہ شخص اس قول کو اپنی مذمت اور ہجو سمجھکر اس کے قائل کی نسبت رنجیدگی اور غصہ اور بغض بہم پہنچا کر اُس کے قائل کی ایذا رسانی میں کوشش کرے اور حب منعم کی فروع میں

www.abulhasanalinadwi.org

سے ہے۔ اس کے شعائر کی تعظیم کرنا یعنی جن امور کو منعم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ایسی مناسبت ہے کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو ان امور کا خیال کرتے ہی منعم کی طرف انتقال کرے جیسے منعم کے نام اور کلام اور لباس اور ہتھیار کی تعظیم کرنا یہاں تک کہ اس کی سواری اور رہنے کے مکان کا ادب کرنا۔ چنانچہ جس شخص کو ان امور کا محاورہ ہو امراءِ عظام و مصاحبین کرام وغیرہ حق شناسوں کے ساتھ صحبت و نشست و برخاست رکھتا ہو اور انہیں فرمانِ بادشاہی اور تختِ سلطانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔ اور جب شعائرِ منعم کی تعظیم کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس چیز کی تعظیم کا باعث ہو جاتی ہے جو اس کی محبت کی تائید کرے اور اُس کے شکر کا رواج دے۔ مثلاً جو شخص منعم کی شکر گذاری کی طرف دعوت کرتا ہے یا اس کی خدمت گذاری میں اس محبت کی تائید کرتا ہے یا اس کی نعمتوں پر اطلاع اور آگاہی دیتا ہے وہ عزیز معلوم ہونے لگتا ہے اور جب یہ مرتبہ بھی کمالِ قوت پکڑ جاتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے تو امور کی تعظیم کا سبب ہو جاتا ہے جو اس محبت سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گذاری میں ظاہر ہوئے ہوں یعنی ان افعال و اقوال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو منعم کی نعمتوں کے مقابلہ میں بجا لایا تھا اور جو اموال اس کی رضا جوئی میں خرچ کئے تھے اُن کی تعظیم کرتا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ یہ خیال اپنے اقوال اور افعال پر عجب و ناز کے قسم سے اور مال کے خرچ کرنے پر فخر کرنے کے قبیل سے ہے کیونکہ ان اقوال و افعال و اموال کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت تو محب کے کمالات میں سے ہے اور ان کی تعظیم اور عزت دوسری جہت سے متعلق ہے نہ پہلی جہت سے اور منجملہ ان امور کے محبت جواد اور فیاض کی ہے اور مراد جواد سے وہ شخص ہے کہ امور نافعہ یعنی فائدہ مند چیزوں کی بلا غرض بخشش اور فیاضی کیا کرتا ہے کیونکہ ہر انسان سلیم الفطرۃ جس شخص کو اس صفت سے موصوف جانتا ہے بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے مثلاً اہلِ سخاوت و فتوت اربابِ کرم و مروت خواہ وہ سلاطینِ ذوی الاقتدار ہوں یا

www.abulhasanalinadwi.org

امرائے نامدار دانائی اور لیاقت والے لوگوں میں ہر شخص ان کو تہِ دل سے دوست رکھتا ہے، اور ان سخیوں کی عزت وجاہ کی ترقی اور زیارت کی خواہش ان کے دل کے اندر استقرار پکڑ جاتی ہے خواہ ان بزرگوں سے کوئی انعام انہیں پہنچا ہو یا نہ۔ چنانچہ اہلِ وجدان پر پوشیدہ نہیں، حالانکہ ان بزرگوں میں سے کسی کو حقیقۃً سخی و جواد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ سوائے حق جلّ وعلا کے جو شخص امورِ نافعہ کی فیاضی کے درپے ہوتا ہے اور فیض رسانی میں کوشش بجالاتا ہے تو البتہ دینی یا دنیاوی غرضوں میں سے کوئی نہ کوئی غرض اُسے ضرور ہوتی ہے۔ خواہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی یا ثوابِ جزیل کی طلب یا عذابِ اخروی سے بچنے یا اپنے اخلاق کی تہذیب یا اپنے نام و نشان کی خواہش یا سخاوت و کرم سے مشہور ہونے یا اپنے ہم جولیوں کی مدح اور ثنا کی تمنا وغیرہ اس قسم کے امور۔ اس سخاوت اور فیاضی اور انعام کے وقت سخی لوگ اس غرض کو پوشیدہ اور مستور رکھتے ہیں اور محض بے غرضی ظاہر کرتے ہیں اس لئے اوپر اوپر کی نظر میں جوادِ مطلق کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں اس وجہ سے صاحبانِ فطانت اور دانا لوگوں کی محبت کے مستوجب ہو جاتے ہیں (جب مجازی جوادوں کا یہ حال ہے تو) جوادِ مطلق سبحانہٗ و تعالیٰ کے کیا کہنے کہ حقیقت میں صفتِ جود و کرم اُسی ذاتِ فیاض میں منحصر ہے اور بس، کیا تو دیکھتا نہیں کہ اگر کبھی کسی وقت میں کسی بخشش کرنے والے سے انعام اور فیض رسانی کے وقت اپنی غرض کا حاصل کرنا ظاہر ہو جاوے تو سب سمجھدار لوگ اسے کریمُ النفسوں اور فیاضوں کی جماعت سے نکال کر کمینوں اور پست ہمتوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور منجملہ ان امور کے صمد کی تعظیم۔ اور مراد صمد سے وہ شخص ہے کہ خود بے نیاز ہو اور اس کے غیر کو اس کی طرف حاجت پیش آوے، اور صمدیت ایسا امر ہے کہ کمال اور نقصان میں متفاوت ہے کیونکہ کھانے اور پینے اور جماع وغیرہ لوازمِ حیوانیت سے مستغنی ہونا صمدیت کا ایک مرتبہ ہے، اور جہت اور شکل اور لون وغیرہ لوازمِ جسمانیت سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے، اور مددگار اور وزیر اور شریک اور مشیر اور آلات اور وسائط وغیرہ لوازمِ

www.abulhasanalinadwi.org

عجز سے مستغنی ہونا اور ایسا ہی جاسوسوں اور سرکاروں اور خفیہ نویسوں اور وقائع نگاروں وغیرہ لوازم جہل سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور علت سے مستغنی ہونا خواہ فاعل ہو یا قابل جسے دوسرے لفظوں میں وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ایک مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور دوسرے مراتب فوقانیہ کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے مراتب بھی متفاوت ہیں کیونکہ حلِ مشکلات اور دفع بلیات میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے اور تربیت اور تغذیہ[1] اور تنمیہ[2] میں محتاج ہونا دوسرا مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اور ہاتھ پاؤں اور قوتوں کے حاصل ہونے میں اس کی ایجاد اور عنایت کی طرف محتاج ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے اور نفسِ وجود اور بقائے وجود میں اس کا محتاج ہونا یعنی کتم[3] اور منصۂ ظہور[4] پر جلوہ پذیر ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے اور ان کے سوائے اور مراتب فوقانیہ کو انھیں پر قیاس کرنا چاہیئے اور صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال و نقصان میں اُس کی مثل ہوتا ہے یعنی جس قدر صمدیت زیادہ عالی ہوگی اور احتیاج ذاتِ صمدیت کی طرف قوی تر ہوگا اُسی قدر تعظیم جو اس کے مقابل ہے زیادہ کامل اور جامع ہوگی۔ غرض صمدیت اور تعظیم ترازو کے دو پلّوں کی طرح خیال کرنا چاہیئے جس قدر ایک پلّہ میں علو اور رفعت ہوگی اُسی قدر پلّہ پستی اور تہ نشینی کی طرف جھک پڑیگا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ "تعظیمِ صمد لوازم انسانیت میں سے ہے" یہ ہے کہ جو شخص کسی مذہب کا پابند ہے "خواہ وہ مذہب حق ہو یا باطل" عبادت کو جو غایتِ تعظیم کا نام ہے کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا تا وقتے کہ اُس کی صمدیت

---

[1] غذا دینا کھلانا پلانا ۱۲ [2] بنانا چھوٹے سے بڑا کرنا۔ [3] کتم کے معنی پردہ ۱۲ [4] جبو ترۂ نابودگی کے پردہ سے نکل کر وجود خارجی کے بلند جبو ترہ ظاہر ہو جانے میں تمام مخلوق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی محتاج ہے ۱۲ ۔

www.abulhasanalinadwi.org

ثابت نہ کرلے یعنی عبادت اُسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو عابد کو ابنائے جنس کے حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو اور عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اس کی طرف محتاج ہو بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے معبود کے مستحقِ عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے اور شارع نے بھی معبودانِ باطل کی معبودیت کو صمدیت نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جابجا اُن کی محتاجی کو ثابت کیا ہے اور ان کے پوجنے والوں کا کسی حاجت میں ان کی طرف محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور منجملہ ان امور اہلِ کمال کی محبت اور ان کی تعظیم ہے اور یہ امر ظہور اور بداہت اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ محتاجِ بیان نہیں، کیونکہ ہر سلیم الفطرۃ جس شخص کو کسی کمال سے موصوف جانتا ہے "جیسے علم ذکاوت اور قوت و قدرت اور حسنِ صورت و سیرت اور وقار و تمکین وغیرہ ضرورۃً" دل سے اس شخص کو دوست رکھتا ہے اور جس قدر اس کی تعظیم و تکریم کر سکتا ہے بجالاتا ہے اور اس کی صحبت و ہم نشینی میں کوشش کرتا ہے۔ اور چونکہ صفات کاملہ مراتبِ کمال و نقصان میں بے حد تفاوت رکھتی ہیں اس لئے حب و تعظیم جو ان کے مقابلہ میں ہوگی ناچار متفاوت ہوگی۔ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب ان امور میں سے ہر ایک سلیم الفطرۃ انسان کے باطن میں حبِ عقلی کے پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو ان سب امور کا جمع ہونا خصوصاً جب نہایت مرتبۂ کمال میں ہو تو بے شک ایسی محبت کے زیادہ ہونے اور بے حساب تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا جس سے زیادہ متصور نہیں۔ **دوسری تمہید**۔ چونکہ منعم حقیقی اور جوادِ مطلق کے علم میں افرادِ انسان کے لئے مصائبِ اُخرویہ سے نجات پانے کا وسیلہ و برترین مناصب سے کامیاب ہونے کا ذریعہ اس کے سوائے اور کوئی نہیں تھا کہ حق جل و علا کی نہایت قوی محبت جو اس کی نہایت تعظیم سے ملی ہوئی حاصل کریں، اسی لئے منعم کی محبت اور اس کے مثل امور جو عین جبلت[ع] میں اس کی طبیعت کے اندر ودیعت رکھے ہوئے تھے انھیں امور کو سعادتِ جاودانی اور سرمایۂ دو جہانی کے اضافہ کا طریق مقرر کر کے اشرف

ع پیدائش

اور کامل ترین افرادِ انسان کی زبانِ ہدایت نشان پر اس امر کی منادی کرادی کہ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعْمَتِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں کھلا کھلا کر تمہاری پرورش اور تربیت کرتا ہے اور کوہِ فطرت سے یہ آوازہ دیدیا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الخ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے قدم بقدم چلے چلو اور لطف اور مہربانی سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں سے مشحون اور آثار صمدیت کی شرح و بسط سے پُر اور صفات کمال کا ثابت کرنے والا اور نقص و زوال کے داغ کو دور کرنے والا تھا اس کے بطن میں ڈالا اور ایسی تسبیحات اور تکبیرات جو کہ اس کی صمدیت کی مشعر ہیں، اور ایسی تمہیدات جو کہ اس کے جود و انعامات سے خبر دینے والی اور اس کے اوصاف و کمالات کی مخبر ہیں اور ایسی تہلیلات جو اس کے تفرد "بالوہیت کو" جو کہ صمدیت کی اصل ہے "ظاہر کرنے والی ہیں اور تفرد بربوبیت کو آشکارا کرنے والی ہیں "جو کہ بخشش و انعامات کی اصل اور محامد و کمالات کی بیخ و بنیاد ہے" اکمل افراد کے واسطہ سے تعلیم فرمادیں اور محض اپنے فضل و کرم افصح العرب والعجم کے بیانِ بلاغت نشان سے وہ آیات واضح کردیں جو آفاق و اطراف عالم منبثؔ و پراگندہ تھیں اور ذوات و نفوس مضمرؔ اور پوشیدہ نہیں، اور وہ عجائبات آشکارا کردیئے جو اجرام علویہ اور اجسام عنصریہ خصوصاً نوعِ انسان کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ یعنی اس کی ایجاد میں بہت سے تغیرات اور تحولات جیسے نطفہ ہونا اور علقہؔ اور مضغہؔ بننا جو مادہ پر گذرتے ہیں۔ اور اس کی تصویر اور نقاشی رنگہائے خوشنما اور صور تہائے دل رُبا، اعضاء متناسبہ اور قویٰ متخالفہ کو ایجاد کرنا اور اس کی تربیت میں غذا پہنچانا اور نشو و نما دینا

پیدا کرنا اور بڑھانا ۱۲

ع منبث کے معنی پھیلی ہوئی، ع مضمر چھپی ہوئی۔ ل علقہ جما ہوا خون۔ ل مضغہ، گوشت کی چھوٹی سی بوٹی جو منہ میں ڈال کر چبائی جا سکے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اول تو شکمِ مادر میں ثانیاً صغرِ سن اور بچپن میں ثالثاً جوانی اور کلاں سالی میں اور رابعاً بڑھاپے اور شیخوخت میں، پھر دفعِ بلیات اور حلِ مشکلات اور اغاثت ملہوفین اور اجابت دعائے مضطرینؑ اور اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا تاکہ جو امور خیمۂ فطرت کے اندر مستور تھے منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہو جائیں اور دینِ حنیفی ان کے نصیب ہو" جس کے معنی بجز تصقیلؑ فطرت کے اور کچھ نہیں" چنانچہ مضمون اس آیت کا فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ^1. اس امر کا مشاہد ہے اور مدلول آیت بَلْ ^2 مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اس پر دال ہے۔

تیسری تمہید

جاننا چاہئے کہ اگرچہ اقوال وافعال، فروع و توابع احوال ہیں لیکن بعض درجہ کے لحاظ سے ان کو احوال کے متمم (پورا کرنیوالے) اور مکمل (کامل کرنیوالے) بھی شمار کر سکتے ہیں کیونکہ افعال اور اقوال قالب اور بدن کے حکم میں اور احوال بمنزلہ (بجائے) روح اور جان کے ہیں اور جس طرح قالب بے جان جمادات کی جنس سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح جان بے قالب زیورِ کمالات سے عاطل برہنہ ہے۔ مثلاً گالم گلوچؑ اور مار پیٹ اگرچہ کیفیتِ غضبیہ کے فروع ہیں اور قوت غضبیہ احوالِ قلبیہ سے ہے لیکن ان آثار کو اس کے متممات اور مکملات کے مرتبہ میں رکھنا چاہئے کیونکہ اگر کسی کو حالتِ غضب یا فرحت عارض ہو اور اس کے آثار جیسے سب و شتم یا نغمہ و سرود سرائی اور ضرب و جلد یا عیش و نشاط کے اسباب

---

^1 یعنی ایک طرف کا ہو کر اپنے چہرے کو دین کے لئے سیدھا کر جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس فطرت کو لازم پکڑ اسے ضائع نہ ہونے دے۔ اللہ کی پیدائش کا بدل جائز نہیں، یہی دین سیدھا ہے ۱۲

^2 یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دی ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ ہم ملت ابراہیمی کو تھامے رہیں گے جو سب باطل دین کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا تھا۔ ۱۲

ؑ مصیبت زدوں کی فریاد کو پہونچنا۔ ؑ صیقل کرنا اور روشنی کرنا۔ ؑ گالی گلوچ

www.abulhasanalinadwi.org

کی آرائش و عشرت و انبساط کی محفلوں کا ترتیب دینا اور اس کے مثل اور افعال و اقوالِ فرحیہ یا غضبیہ کے ظہور سے حیا مانع آئے تو ایسا غضب اور فرحت وساوسِ نفسانیہ کی جنس سے شمار ہو کر فوراً غضب کی آگ میں لپٹ کر منطفی ہو جاتی ہے اور فرحت کا انبساط انقباض اور پژمردگی سے بدل کر باطل ہو جائیگا اور اس حالتِ قلبیہ کی تائید اقوالِ لسانیہ اور افعالِ جسمانیہ کرتے ہیں تو البتہ اسے قوت اور تزادید و ترقی میسّر آجاتی ہے اور وسعت و احاطہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح منعم جواد کی محبت اور صمد کی تعظیم اپنے کمالات میں اضداد و انداز سے منزہ ہے اگرچہ امور قلبیہ اور حالاتِ نفسانیہ میں سے ہے لیکن اقوالِ محبت انگیز اور افعالِ تعظیم آمیز اس کو دو بالا کرتے ہیں اور وہ آب و تاب بخشتے ہیں جو اہلِ وجدانِ سلیم پر مخفی نہیں اور ان امور کے سوا وہ حالتِ قلبی ایسی ہو جاتی ہے جیسے ہاتھ کٹا ناکاتب شہسوار بے اسپ، جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پہلا افادہ۔ واضح ہو کہ مردِ سلیم الفطرۃ جو ازل الآزال سے زمرۂ جاہلِ سعادت میں لکھا جا چکا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے ایک عنایت مخفی اس کے بارہ میں مرعی رکھی گئی ہے جب اپنے گوشِ ہوش سے اس امر کو سنتا ہے کہ اس کا منعمِ حقیقی جیسے نعمتہائے جسمانیہ و نفسانیہ اس کو بخشی ہیں صمدیت کے برترین مراتب ہیں اور جود و بخشش کے بلند ترین مناصب میں واقع ہے اور کامل ترین اوصاف اور بہترین نعوت سے متصف ہے اور نقص کے سمات (داغوں اور نشانوں) سے منزہ (پاک) اور زوال کی صفات سے مبرا ہے اور یہ شخص[1] قوی ترین مراتبِ احتیاج میں واقع ہے کیونکہ ہر گھڑی اور ہر ساعت میں ہر ہر چیز کے لئے اس کا محتاج ہے۔ یہاں تک کہ اپنے جوارح[2] اور اعضاء میں بھی اس کا محتاج ہے گویا کہ اس

۱؎ یعنی مردِ سلیم الفطرۃ اپنے آپکو یوں کہتا ہے کہ میں سخت محتاج ہوں ۱۲ ۲؎ ہاتھ پاؤں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کا تمام وجود حاجت اور منعمِ حقیقی کی نعمتیں باوجود کمالِ صمدیت اور بے پروائی کے ہر ساعت بارش کی طرح برس رہی ہیں اور بصیرت کی آنکھ سے ان آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو آفاق وانفس میں پراگندہ اور پھیلی ہوئی ہیں اور ان عجائبات پر نظر ڈالتا ہے جو از سمک تا سمک[1] اور از ثریٰ تا ثریا بلکہ از عرش تا فرش خاص کر نوعِ انسان میں خصوصاً اُس ناظر کے اپنے نفس وذات میں جن کے بعض کی طرف شروع کلام میں اشارہ گذر چکا ہے مبسوط اور پھیلائی ہوئی ہیں تو لابُد (ضرور) امورِ مذکورۃ الصدر جو اس کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے سینے کو پُر کر دیتے ہیں اور اس کی تہہ دل سے منعمِ حقیقی کی نسبت بڑی حُب اور نہایت درجہ کی تعظیم اٹھ کھڑی ہوتی ہے ایسے افعال واقوال کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے جو اس کی تعظیم اور اس کے شکر پر دال ہوں اور اس کی صمدیت اور اس کے کمالات کے شایانِ شان دکھلائی دیں اور ایسے اموال کے بذل وخرچ کر ڈالنے کی متقاضی ہوتی ہیں جن سے اس کی رضا وخوشنودی حاصل ہو سکے پس اس کے تسبیحات وتحمیدات وتکبیرات جو افعالِ خضوعیہ (فروتنی) اور حرکاتِ تعظیمیہ کے ساتھ ممزوج ہوں (ظاہر ہونے) بمعہ ملاحظہ اِن معانی کے جو اوّل کلام میں مذکور ہوئے ہیں ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں خصوصاً تہلیل[3] جو اس کے اعلائے مراتب اور اقوی مقام ربوبیت سے متفرد ویگانہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سے ظاہر ہونے لگتی ہے خصوصاً اُس کلام پاک جو امورِ اربعہ مذکورہ کا ایسی وجہ پر شارح ومفسر ہے جس سے بڑھ کر متصور نہیں باوجودیکہ وہ کلام پاک شعائر (نشانات) منعم کی تعظیم سے مخلوط وممزوج ہے پس اس کلام پاک کو وہ مؤمن پاک کمالِ تعظیم سے بمع تدبر معانی کے اُس درجہ سے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے زبان پر لاتا ہے اور ان اذکار کی لذت خصوصاً اُس کلام کی عظمت

---

۱ زمین سے آسمان تک ۱۲ ۲ خواہش کرنے والی ۳ لا الٰہ الا اللہ کہنا ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے قلب وعقل کو مالا مال کر دیتی ہے۔ اور الفاظ کی شیرینی اور مضامین کی رنگینی اُس کے دل کو شکار کر لیتی ہے اور اس کے ہوش وعقل کو سر بسر روشن، نورانی کر دیتی ہے اور خیالات منتشرہ اور وساوس پراگندہ اور امانیِ باطلہ[1] اور عزائم عصیان[2] اور حُب وتعظیم ماسوی اللہ کو پاش پاش کر کے لاشئ اور فانی کر دیتی ہے اور اس کے عقل اور دل کو الواث (جمع لوث، ناپاکی) بہیمہ سے پاک کر دیتی ہے، یہ ہے ذکر اُس قوم کا اور ہم نے اس کا نام ذکرِ ایمانی رکھا ہے اور چونکہ ابتدائے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ اقوالِ لسانی اور افعالِ جسمانی سے احوالِ نفسانی کو تائید عظیم بہم پہنچاتا ہے اور آب وتاب ضخیم[3] میسر ہوتی ہے پس بنا بر علیہ ذکر مذکور امور اربعہ منظریہ کی زیادتی اور ترقی کا باعث ہو جاتا ہے اور ایک الفت اور تعظیم جدید ذاکر کے وجود سے فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتی ہے اور حب تعظیم کا جوش اور اقوال و افعال کے صدور کا متقاضی ہوتا ہے۔ اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا جائیگا تاکہ تہلیل کا مضمون جس کے معنی حضرت حق سبحانہٗ کا یگانہ ہونا الوہیت اور ربوبیت اور فضائل ذاتیہ اور فواضل متعدیہ میں اقصائے (نہایت) مراتب استغنا اور اوسع وجود نعماء کے ساتھ متصف ہونا اور انعام وتاثیرات کے وسائط کا نظر سے گرجانا اور ان کی طرف التفات کرنے سے اعراض وروگردانی کرنا اور ان کے حال سے بالکل بے اعتنائی اور لاپروائی کرنا اُس کے دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اور نہایت مضبوط ومستحکم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تمام کائنات جو عالم کون میں ظہور پذیر ہیں اور آئندہ ظہور پکڑ جاتی ہیں تمام کو بلا واسطہ اُس کی قدرتِ کاملہ سے متعلق ووابستہ جانتا ہے اور جو انعام کہ اس پر اور اس کے امثال پر فائض (بہنے والا[4]) ہوتا ہے سب کو بلا حجاب اُس کی تربیتِ بالغہ کے آثار شمار کرتا ہے اور جو کمال کہ موجودات کے ذرات میں سے کسی ذرہ میں چمکتا ہے سب کو اس کے جمالِ لایزال کا عکس سمجھتا ہے اور نقصان ممکنات میں سے کسی ممکن کے اندر ہوتا ہے سب کو اُس کے

۱؎ باطل آرزوئیں۔ ۲؎ گناہوں کے کلیۃً ارادے ۳؎ ضخیم، بہت بڑی۔

www.abulhasanalinadwi.org

بارگاہِ جلال سے دور اعتقاد کرتا ہے پس ساعۃً فساعۃً اس کی قدرت کے عجائبات کے دریا میں غوطے لگاتا ہے اور بُلبلے کی طرح باد حیرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لاتا آناً فاناً (ساعت فساعت) اس کے انعامات کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور بجز مضمونِ عجز وخجالت اور اس کی نعمتوں کے حقوق کے ساتھ قیام نہ کرسکنے کے سوا کچھ نہیں حاصل کرتا۔ یہ ہے فکر اس قوم کا اور ہم نے اس کا نام رکھا ہے مراقبۂ صمدیت۔

دوسرا افادہ۔ جب یہ فکر حدِ کمال کو پہونچ جاتا ہے اور الفتِ شدیدہ مضمحل کردیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے کہ اس کی تشبیہ بجز گل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلالِ شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اس کی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو تمام آیات عظمت اور انعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے تو آثارِ عظمت و انعام دیکھتا ہے اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اس کی خدمت اور اس کے انعام کے شکر میں خاک سے برابر کردے بلکہ خاکستر برباد دادہ بنا ڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اس کے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اُس کی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعالِ شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکا دیتا ہے اور اپنے آپکو اُس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اس کی نعمتوں کے شمار کرکے اور اس کی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے۔

بیت

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

۱؎ نعمتیں جو دوسروں کو پہونچی ہوئی ہیں ۱۲ ۲؎ نابودگی دگم شدگی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور جس وقت اس کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا تمام باطن اُس عظیم کی عظمت اور جلالت سے اس طرح لرزے میں آجاتا ہے جس طرح نسیم سحری کی تاثیر سے شاخِ درختِ بید اور اس کے ہر بن موے سے اپنے عجز اور احتیاج کی ندا اور اس (ولی النعم) کی بے نیازی اور استغناء کا آوازہ فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتا ہے" پس الفتِ شدیدہ کو جو کہ نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہو جاتی ہے "حبِ ایمانی سے ملقب کرتے ہیں اور چونکہ اس حب کا بیج مومن کے عقل کی خاکِ پاک میں جو اتباعِ ہوئی اور اختراعِ بدعت سے خالی ہے بویا ہوا ہوتا ہے اس لئے ہم اس کا نام حبِ عقلی رکھتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ شارع نے اس حب کی طرف دعوت کی ہے اور اپنے بندوں کی مدح کے مقام میں اسی کو ذکر کیا ہے اور دین کے تمام ارکان اور آداب کو اسی حب کے حاصل کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے اس لئے ہم اسے حبِ ایمانی سے بھی نامزد کرتے ہیں۔

دوسری ہدایت۔ حب ایمانی کے موئدات کے بیان میں۔ اور وہ دو تمہید اور تین افادہ پر مشتمل ہے۔

پہلی تمہید۔ مخفی نہ رہے کہ حب ایمانی کے حصول کے اسبابِ اصل اور اس سعادتِ جاودانی کی موئدات کی بیخ و بنیاد حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا اختیار اور اس جواد مطلق تعالیٰ شانہٗ کا اصطناع (مہربانی کرنا) اور اصطفاء (چن لینا) جو کہ ازل الآزال میں اس ذرۂ ناچیز کا نصیب ہو کر اسے زمرۂ مقبولان سے شمار کر لیا ہے۔ پس وہی اجتباء (برگزیدہ کرنا) ازلی اس ذرۂ ناچیز کو حضیضِ خاک سے اٹھا کر ذروۂ سماک تک کشاں کشاں لے جاتا ہے اور ہر مقام میں ایک لطفِ جدید اور تربیت مناسب اس سے ظہور میں آتی ہے لیکن چونکہ وہ اجتباءِ فطری مستور الاثر اور مفقود الخبر ہوتا ہے اور بعض امور مناسبہ کی ملاقات سے خفا کا پردہ اس کے چہرہ سے دور ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے آثار ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ بنا بریں ان امور کا منجملہ موئدات اور آثار کے شمار کر سکتے ہیں اگرچہ موئد حقیقی اور سبب اصلی وہی نور ازلی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ جو ابتدائے آفرینش سے اس کی طبیعت کی تہ میں ودیعت رکھا گیا تھا کیونکہ ان امورِ موئدہ کے اضعافِ مضاعف سے ان آثار کے عشرِ عشیر کا حاصل ہونا مستبعد معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ اس قسم کے الطاف اس قسم کے وظائف پر مترتب ہوں۔

دوسری تمہید جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس سرمایۂ سوالات کے موئدات کو تقریر اور تحریر میں مقید کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن امر ہے، لیکن مقولہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ کے بموجب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ صاحبانِ عقل و دانش غیر مذکور پر قیاس کر کے حقیقت کا سراغ لگالیں۔

پہلا افادہ حبِ ایمانی عمدہ موئدات سے ایک امر یہ ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو پختہ اور مضبوط کریں اور موافقتِ سنت پر کمالِ رغبت کریں۔ اور بدعت سے نہایت درجہ نفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کی قوت اور زور سے پنجہ مارنا یعنی کتابِ مبین اور سنتِ رسولِ امین کا ظاہر و باطن سے پورا اقتداء کرنا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کمرِ ہمت کو چست باندھنا اور اس جلّ جلالہٗ کا اعتقاد اور تعظیم اور اس کے شعائر کا ادب خصوصًا شرع کا ادب جو کہ اعظمِ شعائر ہے، خوبی سے درست کرنا یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے عباداتِ شرعیہ کا کثرت سے بجالانا ہے، یا وسواس کو بہم پہنچانا جسے عوام الناس تقویٰ کے نام سے ملقب کرتے ہیں بلکہ مقصود اس سے عقائدِ شرعیہ پر قلب کا اطمینان ہوجانا اور اوامرِ دینیہ کی نسبت تہِ دل سے محبت اور رغبت اور تعظیم کا جوش مارنا اور خالقِ حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں خلق کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پروا نہ کرنا اور موانع اور عوائق کے اٹھانے میں ارادہ محکم کرنا چنانچہ

لے دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی سوواں حصہ۔ لے یعنی جو چیز ساری کی ساری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکل ہی نہ چھوڑ دینا چاہیئے بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیئے جتنا ہوسکے اتنا ہی سہی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے منعم کی رضا جوئی میں اپنی جان و مال کو برباد کرنا اور اس کے اوامر کی بجا آوری میں اپنے سر و سامان کو ہار دینا اور اپنی ہمتِ عالیہ کے سامنے ایک جو کے برابر بھی شمار نہ کرے۔ جس عائق و مانع کو اپنی ہمت کی ترازو میں اُس کی رضا جوئی سے موازنہ کرے ذرہ کے برابر بھی اس کا وزن نہ سمجھے بلکہ اس کی بصیرت کی آنکھ میں ان دونوں کا موازنہ ایسا دکھائی دے جیسے تنکے کو پہاڑ سے تولنا اور اپنے دل میں اس مانع کے اٹھانے اور اس عائق کے ہٹانے پر دلیری پائے اور باعتبار ہمت (مردانہ) اپنے آپ کو اس پر غالب اور زبردست سمجھے اگرچہ وہ عائق نہایت سخت اور دشوار گذار ہو۔ پہلوانِ آہنی تن کی طرح کہ نقیبوں کی سر ودسرائی کی آوازیں اور ہمسر جوانوں کے میدان میں نکلنے کے نعرے اُس کو مست کر کے لڑائی کے میدان میں کھینچ لائیں پس وہ شیر مست بہادری کے اور پردلی کے نشہ کے سبب سے کسی کو اپنا ہم پلّہ نہیں جانتا بلکہ اپنے دل میں یقیناً جانتا ہے کہ جس کی طرف ہمت کا مُنہ اٹھاؤں گا اور جدھر عزیمت کا رُخ کروں گا فوراً بے حقیقت چیونٹی کی طرح پامال کر ڈالوں گا اگرچہ رستم زماں وافر اسباب وقت ہو اور یہ ایک وجدانی امر ہے کہ تقریر و تحریر کا دائرہ اس کے بیان و تصویر سے تنگی کرتا ہے بجز وجدانِ صحیح اور قلبِ سلیم کے کسی کو اس کارخانہ میں دخل نہیں۔ ع

" لذت می نشناسی بخدا تا نہ چشی "

دوسرا افادہ۔ منجملہ مؤیدات حبِ ایمانی کے جانبِ حق جل وعلا کو جانب نفس پر ترجیح دیتا ہے ایسی طرح کہ نفس میں اس سے ایک قسم کا انکسار اور شکستگی پیدا ہو جائے اور صفتِ بہیمیت کی بنیاد میں اس سے انقلاع ظاہر ہو جائے اور جو امور اس انکسار کے باعث اور اس انقلاع کے موجب ہوتے ہیں ان میں بحسبِ اختلاف اشخاص اور اوقات میں بڑا تفاوت اور فرق ہے۔ مثلاً جو شخص کھانے پینے کا فریفتہ ہے اور مکھی کی طرح نان و حلوہ پر گر پڑتا ہے اور اس کی بہیمیت کے

www.abulhasanalinadwi.org

دور کرنے میں ان امور کی خواہش کو ترک کرتا اور غیر کو اپنے اوپر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ایثار کرتا "جس جگہ نہ ایسی چیزوں کی حصول کی طمع ہو نہ حق شناسی اور خدمت گذاری کی امید ہو اور نہ زہد و ایثار سے مشہور نیک نام ہونے کی توقع ہو" علیٰ ہٰذا القیاس۔ اُس شخص کی تطہیر جس قلب میں۔ جس کی فطرت میں عورتوں کی عشق بازی اور شہوت رانی رکھی ہوئی ہے اگر اس کو حسن واتفاق ویاوری بخت واقبال سے معشوقہ ذاتِ جمال اور محبوبہ صاحبِ حسن وجمال رقیبوں سے بچاکر آملے تو اُس خوشی کے وقت خدائے تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کے لئے اور اس کے عذاب سے ڈرکر زنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبتِ مصاحبت طرفین کے دامن گیرحال ہے اور شوق وشہوتِ جوش زن ہے اور کسی مانع طبعی اور عرفی کا نام ونشان نہیں حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں بہت سے اموال خرچ کئے تھے "دخلِ عظیم رکھتا ہے، اسی طرح بخیلِ مال پرست ومنان طالبِ عزت ونام کے لئے محض لوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا" اس حیثیت سے نام ونشان کی طلب اور مبذول علیہ کی مداحی اور حق شناسی کی امید نہ ہو یا اس کے کسی پہلو احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت وجود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو" ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا باعزت اغنیاء کے حق میں جو اپنے اقران وامثال میں عزت وجاہ سے ممتاز ہوں اور نام ونشان سے زمانہ بھر میں مشہور رہوں۔ اسی طرح ہلاکت کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا" جہاں جان ومال کا تلف ہو اور عیال واطفال کی بربادی نظر آتی ہو" اہلِ جُبن وبزدل لوگوں کے حق

عہ یعنی پوری طاقت۔ لہ یعنی کنجوس کا اس طریق سے مال خرچ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

میں جنھوں نے میدانِ کارزار اور معرکۂ نبرد کا چہرہ آنکھ سے دیکھا اور زمانے کے گرم و سرد کو مطلق نہیں چکھا۔ اور اسی طرح بحث و مناظرہ میں سکوت کرنا اور سچی بات میں جھگڑا چھوڑ دینا اور اپنی نافہمی اور غلط فہمی کا اقرار کر لینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت و تبحر میں مشہور ہیں اور قوتِ مناظرہ اور خصم (جانبِ مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تاویل کے فن میں یدِ طولیٰ[1] رکھتے ہیں اور حل[2] اور منع میں کعبِ علیا رکھتے ہیں اور اسی طرح ابنائے جنس اقران (ہمجنسوں ہم عمروں) پر حسد نہ کرنا اور نام و نشان کی مطلق کی مطلق پروانہ کرنا اور اہلِ زمان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا اور خوارق و کرامات و کشف و وقائع آئندہ اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش کرنا ان مشائخ کے حق میں جو قوتِ تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف و وقائع میں مشہور ہیں یہ تو اختلافِ اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا۔ لیکن بحسبِ اختلافِ اوقات کے جو فرق ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھو یہ پانی کا پیالہ ہے جسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً آباد شہروں میں اور جاری نہروں کے کنارے پر کوئی کوڑی کے بدلے بھی نہیں خریدتا، پھر ناگاہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ ایک لق و دق بے آب و گیاہ میدان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور شدتِ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتا ہے پس ہزار جد و جہد سے آبِ زلال کا ایک پیالہ کہیں سے پیدا کر کے اپنی تمام ہمت[3] سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اور اپنی زندگی کو اس میں منحصر سمجھ کر اس پیالۂ پُر آب کو ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ خشکیٔ لب اور سوزشِ سینہ کو اس آبِ زلال سے دور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشے اس اثناء میں ایک اور شخص جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایثار کیا اور گویا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر، اپنے جگر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس شخص کو دیدیا، اور اسی طرح

---

[1] بڑی دسترس۔ [2] مشکل حل کرنے میں اور دوسروں پر اعتراض کرنے میں۔ [3] یعنی پوری طاقت ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ ہر طالب علم جو مدرسہ میں بیٹھتا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہوتا ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق بجالاتا ہے پس ناگاہ ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ اس میں اظہارِ کلمۂ حق جانبازی کا موجب اور آبروریزی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے (ایسے وقت میں کلمۂ حق کہنا بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے) القصہ ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل سہل اور آسان آسان کام ہیں کہ بحکم عادتِ اکثریہ کوئی عالی ہمت شخص اُن کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کاموں کے لئے چنداں پرواہ نہیں کرتا اور یہ کام اپنے فاعل کے نفس میں کچھ اثر نہیں بخشتے، پھر ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ یہی امور افضلِ عبادات اور مشکل ترین ریاضات ہو جاتے ہیں اور فاعل کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ اُن سے ہزار چند امور سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔

تیسرا افادہ - وہ حبِ ایمانی موٗدات کے منجملہ بڑے مواقعِ عظیمہ میں کسی فعل کا واقع ہونا ہے۔ چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے میں کوشش کرنا یا طریقِ حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولانِ بارگاہِ حق تعالیٰ میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہلِ بلایا و مصائب میں سے کسی مظلوم، ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرنا یا اہلِ حوائج و غرابت رسیدگان (غربا داران) میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہلِ قلق و اضطراب کی تنگی کی کشائش کرنا یا کسی پیچ و تاب کے گرفتار سے حالتِ عسرت و ناداری کا دور کرنا اور اسی طرح ایسی سعی و کوشش جس سے نفعِ عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاح فیما بین الناس حاصل ہو اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گذری ہو اور چنداں صرفِ اموالِ کثیرہ یا اوقاتِ عزیزہ کا موجب یا بذل[1] و مرغوبات[2] اور ترک

---

[1] بذل کے معنی خرچ کرنا۔ [2] مرغوبات پسندیدہ چیزیں ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

مالوفات[1] کا باعث نہ ہوئی ہو۔

فائدہ:۔ عاقل ماہرِ فنِ حدیث پر پوشیدہ نہ رہے کہ احادیثِ رسولِ امین اور آثارِ سلفِ صالحین میں جو سہل سہل اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمراتِ کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر ہوتا ہے اجمالاً اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیئے یعنی یہ اعمال یا دوسری قسم سے ہوں گے یا تیسری قسم سے اور اگر بمع شرائط صادر ہوں تو اپنے فاعل کے نفس کے میں حب ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے ہیں اور حبِ ایمانی بحسب مراتبِ خود کمال ونقصان بالذات موجبِ نجات اور سبب رفعِ درجات ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری ہدایت۔ حبِ ایمانی کے آثار کے بیان میں۔ اور یہ مشتمل ہے چھ افادہ پر۔

پہلا افادہ۔ حبِ ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام ہمت وعزیمت حضرتِ حق سبحانہ' وتعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے مقبولہ طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف دعوت کرنے میں جد وجہد کرنا اور ترکِ بدعت وفساد کی طرف اُن کو ہدایت کرنا نہ مکالمہ ومشاہدہ اور حصولِ مقاماتِ فنا و بقاء اور حقائقِ اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب وتمنا کرنا ہے، اور ہر گز ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا محروم ہونا ہے ان مقامات سے یعنی یہ کہ صاحبانِ حبِ ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پا سکتے حاشا وکلّا (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ سب لوگوں میں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادتِ مشاہدہ ومکالمہ سے کامیاب ہونے والے ہیں اور میدانہائے فنا کے شہسواروں میں زیادہ تر چالاک اور معارف وانکشافِ حقائقِ اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصودِ اصلی اور مرادِ دلی بجز رضائے مولیٰ واطاعت مصطفٰے اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقاماتِ

---

[1] مالوفات، دل پسند چیزیں ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

رفیعہ اور درجاتِ عالیہ کسی طریقۂ کسبی یا محض عنایات و جذباتِ وہبی سے ان کے نصیب ہو جائیں۔ **بیت**

فراق و وصل رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے

الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلبِ رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمانبرداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے ہجر اور بُعد سے جوکہ اُس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اس کے غصہ اور غضب کا موجب نہ ہو، اسے کچھ عار نہیں اور وہ حالاتِ نفسانیہ اور ملکاتِ قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترقی اور زیادتی میں کام نہ آئیں اُس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراقِ ہمت اور فنائے عزیمت کے نتائج ہے سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائق حبیہ اور بغضیہ کا "جن کا منشا رضا جوئیِ خداوندی نہ ہو" منقطع ہو جانا۔ اور خوفِ خدا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے حالاتِ قلبیہ میں سے کہ اس کا نام وثوق و اعتماد علیٰ تربیۃ اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے کی فکر سے ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولیٰ کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی امید اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اُس کی اجازت سے بے کھٹکے تصرف کرتا ہے اور اس کے نافرمان غلاموں اور سرکش چاکروں پر بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہی اعتمادِ قلبی توکل کی روح ہے اور باقی امور اس کے قالب ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ توکل کا مقتضا اسباب (عادیہ) کا مطلق ترک کر دینا ہے بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا ہے۔ **بیت**

گفت پیغمبر بآواز بلند — بر توکل زانوے اشتر بہ بند

دوسرا افادہ۔ منجملہ آثارِ محبتِ ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر

www.abulhasanalinadwi.org

ہوجاتا ہے اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضاجوئی کے لئے مشقتیں اٹھاتا ہے اوران مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہونچتی ہے لیکن چونکہ اپنے منعم کی رضا اور خوشنودی اُن مشقتوں کے برداشت کرنے میں سمجھتا ہے اس لئے وہ تمام سختی اور تلخی اپنے اوپر روا رکھتا ہے اور اس محنت کشی اور تحملِ مشقت کو جو اس نے محض اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کی ہے صبر کی جنس سے شمار کرنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرا شخص ہے کہ منعم نے اس کو اپنی رنگارنگ نعمتوں میں محفوظ رکھا ہے اور طرح طرح کی عنایتوں سے کامیاب کررکھا ہے، مثلاً ایک بڑا عالیشان محل اس کے لئے بنا کیا ہے اور اس کے لئے محفلِ شادی ترتیب دے رکھی ہے اور اہلِ عشرت و نشاط اور خوشی اور دل لگی کے لوگ اس کے لئے حاضر کررکھے ہیں اور مسندِ شاہانہ اور حلّۂ عروسانہ اُس کیلئے تیار کررکھا ہے پس وہ بندہ فرمانبردار انقیاد شعار کمالِ عزّت و افتخار سے اس محفل میں رونق افروز ہے، تو ایسی خوشی اور شادمانی اور فرحت اور کامرانی میں اگر مچھر یا پسّو اسے کاٹے تو فرمانبردار غلام جو سر سے پاؤں تک انعامات و اکرامات میں پُر ہورہا ہے خوشی کی موجوں اور فرحت کی نہروں میں اس دکھ کو ذرّہ برابر بھی نہ سمجھے گا۔ اور ہرگز اس درد کا کچھ رنج اُس کے دل پر نہ گذریگا اور کسی وقت پریشانی کی کوئی حرکت اُس سے صادر ہو تو پھر اپنے دل میں شرمندگی اور خجالت کھینچے گا اور اس ناشائستہ فعل کے صدور کی وجہ سے اپنے آپکو طفل طبعوں اور سبک مزاجوں کے گروہ سے شمار کریگا۔ اسی طرح حبِ ایمانی والا بہ سبب ملاحظۂ کثرت نعمِ خداوندی اور طرح طرح کی تربیتِ ربانی کے کسی مصیبت کو اعظم المصائب کیوں نہ ہو ایک جَو کے برابر نہیں شمار کرتا اور اس مصیبت کی کدورت اُس کی خوشی اور سرور میں کسی طرح کا خلل اور فتور نہیں ڈال سکتے پس ان بلاؤں کی پرواہ نہ

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے اور شدائد و مشکلات خیال میں نہ لانے اور مصیبتوں کا اثر اس مومن کے دل
میں نہ پہنچے اور منعم کی نعمتوں کے ساتھ اُس کے کمالِ سرور و ابتہاج کو " شجاعت
پر بلاتا " جاننا چاہئے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ صاحبِ حبِّ ایمانی کا کام شکر ہی شکر
ہے اور کبھی اس کا کام صبر کے درجہ تک نہیں اترتا اور شکر کی روح وہی سرورِ قلبی ہے
کہ بے شمار نعمتوں اور بے حد بخششوں کے ملاحظہ کرنے کے سبب سے ظاہر ہوتا
ہے اور باقی تمام افعال و اقوالِ تعظیمیہ اُس کے قالب ہیں اور شجاعت پر بُلایا کی فرع
سے ہے ہمیشہ خوش اور بے غم رہنا، کیونکہ شجاعتِ اصل وہی فرحت اور سرور ہے
جو کہ منعمِ حقیقی کی نعمتوں کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے اور باوجود آں کہ
تمام کائنات سے " جن کے منجملہ یہ مشت غبار اور ذرہ بے مقدار ہے " وہ ذاتِ والا
صفات مستغنی اور بے پرواہ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اُس ذاتِ کثیر البرکات کا
استغنا، لم یزل و لایزال ہے اور اس کی نعمتوں کا ہر حال میں فیضان ہو رہا ہے اور اس
شجاعت کے فروع سے ہے قضاءِ الٰہی پر راضی رہنا، اس لئے کہ وہ مومن حقیقی اور محبِ
حقیقی جب اپنے آپکو باوجود عدم استحقاق کے طرح طرح کی نعمتوں اور رنگارنگ کی
شفقتوں میں مستغرق اور اپنے آپ کو ان سے مالامال دیکھتا ہے تو البتہ اس کی عقلِ
خالص جو کہ نورِ ایمان سے روشن ہے ہر بلا اور مصیبت کو جو اسے پیش آتی ہے تربیت
اور تادیب کے قبیل سے شمار کرتی ہے اور اس سے قطع نظر کر کے جب اس بات
کا خیال کرتا ہے کہ اس کی ذات کسی طرح سے ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا استحقاق نہیں رکھتی
تو نعمت کے زیادہ نہ ہونے کی شکایت یا بعض نعمتوں میں فتور واقع ہونے کا گلا اس
سے صادر نہیں ہوتا بلکہ حکایت شکایت اور حرفِ گلہ کے لئے اپنے ذہن میں
کوئی موقع نہیں پاتا۔

بیت

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عینِ الطاف است

www.abulhasanalinadwi.org

اسی لئے صاحبِ حبِّ ایمانی کو اشعارِ شوقیہ اور مضامینِ عشقیہ سے "جن کا اکثر دار و مدار کلماتِ گلہ اور شکایت پر ہوتا ہے " کچھ ذوق و لذت نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس قسم کے اشعار سننے سے اسے ایذا و تکلیف پہنچتی ہے۔

تیسرا افادہ ۔ منجملہ آثارِ حبِ ایمانی کے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ حظوظِ نفسانیہ مباحہ میں ریاضتِ شاقہ کی چنداں پرواہ نہ کرنا ہے۔ یعنی ان دشوار کاموں کو صاحبِ حبِّ ایمانی اپنے مکملات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کا تحمل نہیں کرتا۔ ہاں اگر کوئی غرض اغراضِ صحیحہ سے " جو کہ اس کے کمال کے لوازم اور اس کے حال کے آثار سے ہے مرتب ہووے تو البتہ ان دشوار کاموں کو سہل بلکہ لذیذ جان کر کمالِ جرأتِ دل اور وسعتِ صدر سے تحمل کریگا جیسے جہاد اور اس جیسے اور موئداتِ دینِ متین اور متمماتِ شرعِ مبین میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا اور جیسے اس مرغوب ترک میں " جس کی رغبت دل کی تہہ میں جگہ پکڑ گئی ہے اور اس کا علاقہ سویدائے قلب جانشین ہوگیا ہے " مشقت کا اٹھانا، اور جیسے بھوک، پیاس، برہنگی کی مشقت کو برداشت کرنا یہ سب ایثار اہلِ حوائج کے اپنے نفس پر اور ان جیسے اور بھی بہتیرے امور ہیں جو محنت کشی کے موجب ہو سکتے ہیں۔ غرض کہ صاحبِ حبِ ایمانی ،ر، اضایات کو بلا موجب قصداً نہیں اختیار کرتا، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ۔ وظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ اس کو بڑی ترقی بخشتے ہیں۔ چنانچہ اس آیتِ سر! ا ہدا ۔ت میں اس امر کا شعار ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ یعنی اے ایمان والو ستھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عنایت کیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح بعضے مہربان مولیٰ اپنے برگزیدہ غلاموں کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنیکی مطلق اجازت دیدیتے ہیں پس وہ اگر برگزیدہ بندہ محض یگانگی کے اظہار کے کئے بلکہ اپنی نہایت محتاجی (اور اس امر) کے ظاہر کرنے

www.abulhasanalinadwi.org

کے لیے اس کا کوئی دوسرا کارساز نہیں جو اس کے حوائج کا ذمہ دار ہو یا کوئی دوسرا مولیٰ نہیں جو اسے حظوظ نفسانیہ سے کامیاب کرے، بعض ساعتوں میں ضرورت سے زیادہ تصرف کر گذرے تو البتہ یگانگی اور اتحاد کا رابطہ زیادہ مستحکم ہوگا اور اگر اس سے پرہیز و اجتناب کرے تو البتہ دوئی اور بیگانگی کا پردہ اپنے مولیٰ کے درمیان ڈالا ہوگا۔ بلکہ اگر تمام مالکوں اور مخلص غلاموں کے معاملات میں اچھی طرح سے غور اور تأمل کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ بعض اوقات میں ایسے غلاموں کا نفسانی لذتوں اور جسمانی مزوں کا درخواست کرنا بلکہ فرمائش سے مانگنا علاقۂ عبودیت کی آب و تاب کو اس قدر زیادہ کر دیتا ہے کہ اس سے ہزار چند خدمتوں سے ایسے علاقوں کا حاصل ہونا متصور نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بندۂ برگزیدہ جانتا ہے کہ اس کے مالک نے سب عیش و عشرت کا سامان اسی بندہ کے واسطے مہیا کر رکھا ہے لیکن صرف واسطے ظاہر کرنے اپنے احسان کے، یا واسطے ظاہر کرنے محتاجی غلام کے یا واسطے کشادگی طبع کے ان کے استعمال کی اجازت کو اُس غلام کی درخواست پر موقوف کر رکھا ہے پس ایسے احوال میں درخواست اور طلب اُن لذائذ اور حظوظِ جسمانی کی ایسا لُطف رکھتی ہے جو خارج از حدِ بیان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب حظوظِ نفسانیہ اور لذائذِ جسمانیہ کا حاصل کرنا معاملاتِ حبِ ایمانیہ میں جو کہ مقصود مطلوب احکام شرعیہ سے یہی ہے اکثر اوقات موجبِ خلل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات میں نفعِ عظیم بخشتا ہے کہ وہ دروازہ شکر کا جب حبِ ایمانی کے اعظمِ آثار سے ہے اہلِ ایمان کے منہ پر کھول دیتا ہے اسی لئے کلامِ ربانی اور آیات قرآنی اُن لذائذ کی اباحت پر ناطق ہیں اور ان لذتوں کے حاصل کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے ساکت ہیں، چنانچہ فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ یعنی اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں بخشیں ۔ اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا

مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی اے پیغمبرو کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور اعمالِ صالحہ بجالاؤ۔ اور فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی کہو کہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے ظاہر کی اور ستھرے رزق سے، تو کہہ وہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی (بھی باشتراک، خالص انہیں کے لئے ہے قیامت کے دن۔

چوتھا افادہ۔ منجملہ آثارِ حبِ ایمانی کے مناجات کی حلاوت اور طاعات و عبادات کی لذت پانا ہے اور اس امر کی حقیقت شروع کلام میں مذکور ہو چکی کیوں کہ حبِ ایمانی ایسی الفت و محبت کا نام ہے جو نہایت درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی ہے اور یہ امر بحکمِ ضرورت اقوال و افعالِ تعظیمیہ کے صدور کا موجب ہوتا ہے بلکہ مدحِ لسانی اور تعظیم جسمانی کا تا بحدّے متقاضی ہوتا ہے کہ بدونِ صدور ان امور کے اس حُبّ کے صاحب کے دل کو چین نہیں پڑتا جیسے صاحبِ غضب سے افعالِ غضبیہ کا صادر ہونا اور صاحب سرور سے افعالِ فرحیہ کا صادر ہونا بہ ضرورت ہوتا ہے چنانچہ ابتداء میں اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے۔ الغرض صاحب اس حال کے حق میں باطنِ شرع "جس سے مراد تعلق باللہ ہے" ظاہر شرع کے ساتھ "جس سے مراد افعال جوارح ہیں" ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اور اس کے احوالِ باطنیہ ان افعالِ ظاہریہ سے ملے جلے رہتے ہیں پس احوال ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں اور افعال و احوال کی قوتِ کمال کو ترقی بخشتے ہیں اور اسی عبادت میں لذت، اور طاعت میں شیرینی پانے کے سبب سے خشک ملائی سے دور اور الحاد و بے راہی سے پاک ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امرِ تقویٰ و عبادات میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

پانچواں افادہ۔ منجملہ آثار حبِ ایمانی کے فوائد متعدیہ کو اپنے نفس کی

www.abulhasanalinadwi.org

تکمیل پر ترجیح دیتا ہے مثلاً اصلاح فیما بین الناس اور انتظام سیاستِ منزلی اور سیاستِ مدنی کو اور خلق اللہ کی خدمتوں میں مشقتوں کے برداشت کرنے اور ان کی تربیت میں تکلیف سہنے کو اور ان جیسے لوگوں کے اختلاط والے امور کو عزلت اور تنہائی اور لوگوں سے بھاگ کر جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے اور اپنے اوقات کو اذکار و مراقبات سے معمور رکھنے پر ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ پچھلے امور اگرچہ حصولِ مشاہدہ اور مکالمہ میں تاثیر قوی رکھتے ہیں لیکن قسمِ اول کو رضائے خداوندی کے کھینچ لانے میں دوسری قسم کے امور سے زیادہ تر مداخلت ہے اور اُس حُب کا صاحب کسی کمال کو اسباب جلب رضائے حضرت حق جل وعلا کے ہموزن اور مساوی نہیں سمجھ سکتا۔

چھٹا افادہ ۔ حبِ ایمانی کے عمدہ ترین آثار اور اس کے افضل ترین لوازم سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی تعبیر عرفِ شرع میں صلاح کے ساتھ کی گئی ہے، جس جگہ فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ یعنی جو فرمانبرداری کرے اللہ اور رسول کی وہ لوگ ہمراہ ہیں ان لوگوں کے جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں سے اور صدیقوں میں سے اور نیکو کاروں میں سے۔

اور حدیث شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا التَّقْوٰى هٰهُنَا وہ اسی طرح حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ ضرر کرنے والے امور کی نقصان رسانی کا اذعان کمال اور نقصان میں تفاوت ہے اور جو شخص نفس اذعان میں عدم تفاوت کا قائل ہے اس کا قول وجدان و برہان کے خلاف ہے اور اس کا کلام مادّل ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل اپنے مقام میں کی گئی ہے۔ الغرض جو شخص امور ضارّہ کی مضرت کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان کا نفس ان امور کے ترک پر اس کی اطاعت نہیں کر سکتا اس شخص کو

www.abulhasanalinadwi.org

اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو اضعف ترین مراتب ہے اور اس کو محض اذعانِ عقلی سے نامزد کرتے ہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جس کو امورِ ضارّہ کی مضرت کا اذعان اس حد تک پہنچتا ہے کہ اس کے سبب سے اپنے نفس کو ان امور کے ارتکاب سے روک سکتا ہے اگرچہ ان امورِ ضارّہ کو پہنچنے کی خواہش اور ان کے ارتکاب کی میل اس کی طبیعت میں پوشیدہ ہے لیکن ان کی مضرت کا اعتقاد اُس خواہش اور رغبت کا مقابلہ کر کے اسے نہیں چھوڑتی کہ اپنے اعضاء و جوارح کو پوشیدہ ناپاکی کے آثار سے آلودہ کرے، پس اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو پہلے شخص کے مرتبہ سے قوی تر ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعانِ افعالی رکھنا چاہیئے ۔ اور ایک شخص اور ہے جیسے ان امورِ ضارّہ کی مضرت کا اعتقاد اس حد تک قوی ہو گیا ہے کہ جب وہ امورِ ضارّہ اس کے روبرو حاضر ہوتے اور اس کے دل میں یہ وہم پڑتا ہے کہ ان امور کا اثر اس کے نفس پر پہنچے گا اس کو کوئی ایسی تقریب پیش آئے جو اسے ان امور کے ارتکاب پر باعث ہو تو ایسے وقت میں اُس شخص کے باطن میں ایسا خوف اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو امورِ طبیعیہ کے انتظام کو درہم برہم کر دیتی ہے، مثلاً اس کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اس کی آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں اور اس کے اعصاب میں استرخا اور اس کے اعضاء میں تشنج ظاہر ہو پڑتا ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان قلبی رکھنا چاہیئے پس انھیں مراتبِ ثلثہ اذعانیہ کو شرعی گناہوں اور واجبات کو چھوڑنے اور ان جیسے اور امورِ ممنوعہ شرعیہ کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیئے جیسے کفّار کے ساتھ زینت اور لباس میں تشبہ کرنا اور ان کی عیدوں، میلوں پر خوشی منانا اور اہلِ بدع داہواء کے ساتھ میل جول کرنا اور ان کی بدعتوں کے رواج دینے میں شامل ہونا۔ پس اذعان کا پہلا مرتبہ عینِ ایمان ہے کہ بدون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے۔ اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقویٰ کا رُخ شمار کرنا چاہیئے کیونکہ ظاہری تقویٰ

www.abulhasanalinadwi.org

اور امورِ ممنوعہ شرعیہ سے بچنے اور نفسِ بہیمی کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام ہے اور اس کی روح مراتبِ اذعان سے وہی مرتبہ ہے جس کے سبب سے نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں۔ اور تیسرے مرتبہ کو تقویٰ حقیقی کی روح شمار کرنا چاہیئے کیونکہ حقیقی تقویٰ ممنوعاتِ شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی روح وہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مرتبۂ احسان سے معدود ہے، یہ صاحب اس مقام کے آثار کا ایک نمونہ ہے اور ہر صاحبِ وجدانِ سلیم و ذہنِ مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امورِ مذکورہ میں تأمل کریگا البتہ ان امورِ یسیرہ سے آثارِ کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

چوتھی ہدایت۔ حبِ ایمانی کے بیان میں۔

اس میں پانچ افادے اور دو فائدے ہیں۔

پہلا افادہ۔ ایمانی محبت "جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے"۔ جب زیادہ تعظیم کے ساتھ مل کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضا جوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضاء اور قویٰ کو اپنے اثروں اور نوروں سے روشن اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر، توکل اور نیک بختی اس کے تہِ دل میں جاگیر ہو جاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں طرح طرح کے تصرفات سے کہ رنگا رنگ نعمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مٹھی بھر کی پرورش اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت سے اس کا نگاہ رکھنا بھی انہیں میں سے ہے۔ تاثیر پیدا کرنے میں اس ذاتِ بابرکات کی یکتائی کا ملاحظہ اس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعالی توحید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے اُس کے دل میں یہاں تک بیٹھ جاتی ہے کہ اپنے تمام مال و اسباب کو اپنی ملکیت نہیں جاننا بلکہ اپنے آپ کو اُس چوپائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے" خیال کر کے دنیاوی زمینوں اور زندگانی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

اعضاء اور قویٰ کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جان کر اپنے آپ کو اس لکڑی یا پتھر کی مانند "جس کو اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہونے میں واسطہ اور ہتھیار ہونے سے زیادہ کچھ نہیں" سمجھتا ہے اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اس کا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا[1] اسی مقام کی ایک رمز ہے، اور تکالیف شرعیہ کے اٹھانے پر اس کے سینے میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا[2] اور ایسا ہی اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ[3] اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنت کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا[4]، ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ مخواہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[5] اور وَاَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ[6]۔ اور وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[7]۔ اور وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ[8] اور وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ[9]۔ اور ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[10]۔ خدائے بزرگ اور بلند محبت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضامندی کے نور کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ انہی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنی ولایت کی پناہ میں لیکر اور اپنی تربیت کے سایہ میں لاکر اپنی ایجادی اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بتا دیتا ہے۔ حاصل

---

[1] یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوش ہیں، [2] اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں ۱۲ [3] اور کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھولدیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے۔ [4] اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں، [5] اور جنھوں نے ہمارے واسطے محنت کی بیشک ہم ان کو اپنی راہیں سمجھا دیں گے ۱۲ [6] یعنی اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے ساتھ رکھیگا ویسا ہی پائیگا۔ [7] اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہی اس کو کافی ہے، [8] اور اگر تم شکر کروگے تو وہ اسکو تمہارے واسطے پسند کریگا۔ [9] اور وہ نیکوکاروں کا ولی ہے [10] اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مولیٰ ہے جنھوں نے مانا۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

جنابِ پاک سے اس کو بہت سارا اتصال اور ایجادات اور احکامات کے سر چشمہ سے فائدہ اٹھانے کا بڑا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ وہ علومِ عقلیہ میں ہو یا عوارضِ قلبیہ میں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روحانی شریعت والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں۔ اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام دیتی ہے یعنی اس طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس کا نام عقل ہے۔ دوم ارادہ کرنے والی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادری اور ڈر اور پیار اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور انہی جیسی اور باقی نفسانی کیفیتوں کی اٹھانے والی ہے، اور جس چیز کا لقب قلب ہے اور دونوں طاقتوں کا فرق ظاہر ہے، اس واسطے کہ شجاعت کے معنی جاننا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا اور چیز ہے اور خود شجاعت اور چیز ہے کیونکہ بہت سے شجاعت کے معنی کو جاننے والے اس کے تمام اور اس کے حاصل کرنے کے اسبابِ بحث میں تحقیقات کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی راہزن کا مقابلہ کسی چور کا سامنا اُن سے نہیں ہو سکتا اور بہت سی خون ریزی میں یکتا اور جنگ آزمائی میں طاق، بہادر اور دلیر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بہادری کے معنی سمجھنا اور اس کو باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا ان سے مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی مست ہاتھی اور گرجنے والے شیر جیسے کسی خوفناک امر کا معلوم کرنا اور معاش یا معاد میں نقصان پہنچانے والے کسی چیز کے ضرر کا یقین کرنا اور بات ہے اور خود خوف والی کسی ایسی کیفیت کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کی بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا سست ہو جانا اور اعضاء کا بیکار ہو جانا اس کے آثار میں سے ہے، اور بات ہے۔ اس لئے کہ خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں جانتے ہیں لیکن بزدل پر ایسی حالت گذرتی ہے کہ بہادر پر اس

www.abulhasanalinadwi.org

کا عشرِ عشیر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی خوبصورت آدمی کو خوبصورتی کے جاننے اور اس کے خط و خال معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب اور قلق و اضطراب عاشق کے دل پر گذرتا ہے غیر کے دل پر نہیں گذرتا، جب یہ تمہید ہو چکی اور عقل اور قلب کا فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش میں عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس۔ چنانچہ آزمودہ کار لوگوں میں یہ بات پوشیدہ نہیں، پس جو لوگ ابتدائے فطرت میں تیز عقل پیدا ہوئے ہیں جب ان لوگوں کو ازلی عنایت اس مقام پر پہونچاتی ہے اور غیبی تاثیروں سے ان کو مشرف کردیتی ہے تو اس کو ادراک کی طرف سے امورِ غیبیہ میں خادم بناتے ہیں اور علم کی جانب سے اللہ جلّ شانہٗ کی رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان اس پر ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے کسی چیز کے سرانجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاملہ میں کلام کے ذریعہ سے اس کام کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے یا امور کی سوچ بچار کے وقت اُس مامور بہ کا کام کرنے میں برانگیختہ کرنے والے (خیالات) اور اس کے چھوڑ دینے پر اس کی بجا آوری کی ترجیح دینے والے (دلائل) اس کے ذہن میں کھٹکنے لگ جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہو جانے کو "جو تدبیرِ جہاں کے ساتھ متعلق ہیں" یا ان امور کے روشن ہو جانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں" یا اجتہادی مسئلوں یا گھر یا شہر کے انتظامی امور کے انکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اپنے اُن بھلے بُرے کاموں کو جن کو پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اشتباہ ہے نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور شاباش اور ملامت کو خوبصورت اور بدصورت رنگوں اور خوشنما

www.abulhasanalinadwi.org

اور بدنما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح اور شریعت میں محدث کہا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ابتدائے پیدائش میں پاک دل والے پیدا ہوئے ہیں امور مذکورہ ان کے دل سے نکلتے ہیں۔ ان کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ ہو یا نہ ہو مثلاً جن چیزوں کا وقوع غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے اُن پر اپنے دل میں ایسی دلیری اور جرأت معلوم کرتا ہے اور برانگیختہ کرنے والا ارادہ اُس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو مجبور کر کے اس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور خود یہ شخص اس ارادے اور باعث کے پیدا ہونے کے سبب میں حیران رہتا ہے اور اس کی وجہ کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور جن چیزوں کو وقوع غیب میں اس کی وساطت سے مقرر نہیں ہوا اُن کی نسبت اپنے آپ میں بُزدلی اور ان چیزوں کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد (معلوم کرتا ہے) اور ان کے واقع ہو جانے کی کوشش میں سستی اور کاہلی اور ان کے طلب کی مشقتوں کی برداشت میں تکلیف اور تھکان اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب زدوں پر فوارے کی مانند پُر غضب دریا اس کے دل میں جوش مارتا ہے اور اس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور مہربانی کا دریا اس کے اندر برستا ہے خواہ ان امور پر اس کو اطلاع نہ ہو جو غضب زدوں کے مغضوب ہونے اور مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوئے ہیں، اور خواہ اچھے اور بد کاموں کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو۔ ان کے صادر ہو جانے کے بعد اپنے آپ میں خوشی یا دلگیری کو پایا کرتا ہے اور اس حلال اور پاک طعام کی طرف جو غیب میں اس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اس کو خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حرام طعام یا اس کے کھانے سے جو اس کے لئے تیار نہیں کیا گیا ہے اس کو نفرت ہو جاتی ہے خواہ ظاہر میں اس کے حلال میں حرام ہونے کا حال بالعکس معلوم ہوتا ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی عقل ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی اور ان اندیشوں کے دل میں

www.abulhasanalinadwi.org

پیدا ہونے کے سبب سے حیران رہتی ہے، اور ایسے لوگوں کو شریعت میں شہداء اور حواریین کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور ان امور کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا محدثین اور حواریین کی عادت ہے یہ نہیں کہ صاحبانِ قربِ نوافل کی مانند اس امر کے واقع ہونے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے خود درپے ہو جائیں، پس دشمنوں سے یہ بدلہ لینے یا دوستوں سے غم خواری کے موقع پر ان بزرگوں سے دعاء کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اقطاب اور اوتاد میں سے بعض امور دونوں قسم سے ہوتے ہیں۔ اور اس مقام کے لوازم سے یہ ہے خواہ اس مقام والا محدث ہو خواہ شہید کہ جو دعاء مدعولہٗ کے ظاہر ہو جانے یا اس کے حاصل ہونے کے سچے ارادے کے پیدا ہونے کے بعد صادر ہوئی ہو اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دعا بھی تقدیر کے ظاہر ہونے کے لباسوں اور فیضِ غیبی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے، پھر جو شخص اس مدعولہٗ امر کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے (یعنی جس امر کے لیے دعا کی گئی ہے) ان بزرگوں کے مقابلہ میں قائم ہوگا، بیشک ناکام اور خوار ہوگا۔ اور جو شخص اس مدعولہٗ امر کے حاصل کرنے اور رواج دینے میں کوشش کریگا ضرور کامیاب اور فتحمند ہوگا، اور اس مقام کی تحقیق اور اس مقصود کی تمیز صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام وغیرہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنی چاہیئے۔ حاصل کلام اس رستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کے زمرے میں شمار کیے ہوئے ہیں جنکو ملأ اعلیٰ کی طرف سے تدبیرِ امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں، پس ان بزرگوں کے حالات کو فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیئے۔

دوسرا افادہ ۔ اور اس مقام سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمانِ حقیقی کا مقام ہے اور بعض مردانِ حق اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دل کشا

www.abulhasanalinadwi.org

مقام کے چہرے سے پوشیدگی کا پردہ دور کر کے اُس کے نوروں کو سو طرح کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جس طرح نفسانی لیاقتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور متفاوت ہوتے ہیں پس بعض بدلیاقت اور بعض عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض میں وہ ملکات طبعی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارے میں غور کرو تو معلوم کر لو گے بعض آدمی ابتداءِ پیدائش میں ہی ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہمجولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہم نشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ انہوں نے کبھی لڑائی کا منھ تک نہ دیکھا ہو اور رستم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنی ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور سواری اور شکار کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادری اور دلاوری کا دریا اُن کے دلوں میں جوش مارتا رہتا ہے اور لڑائی بھڑائی کے واقف کاروں کی ہم نشینی کے واسطے کوشش کرتے ہیں اور جنگ آزمودہ لوگوں کو یا لباس میں اُن کی چال ڈھال کو مثلاً پگڑی باندھنے اور کُرتا پہننے اور زرہوں کے استعمال کرنے اور ایسے ہی سپاہیوں کی سی پوشاک کو اور اسی طرح بولی و چالی اور مجلس اور سواری میں انہی کے طریق کو تہ دل سے پسند کرتے ہیں اور جنگ کے مناسبات میں سے ہر چیز کو محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور لڑائی لڑنے والوں کے حکایت کی داستان کو قبولیت کے کانوں سے سنتے ہیں۔ القصہ وہ امور جو لڑائی سے متعلق ہیں اُن کے دل کی تہ میں ٹھیرے ہوتے ہیں اور اہلِ حرب کے ساتھ وہ لوگ طبعی دوستی رکھتے ہیں اور اُن کے خلاف سے ان کو پیدائشی بیگانگی ہوتی ہے پس ان کی عورتوں اور ہیجڑوں اور انہی جیسے نامردوں اور بزدلوں اور ان کی چال ڈھال اور ان کے لباس وغیرہ سے نفرت ہوتی ہے اور جس کام کو جنگ سے کچھ تعلق ہو تھوڑی توجہ کے ساتھ اس کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کام اس امر سے برکنار

www.abulhasanalinadwi.org

ہو اس کے حاصل کرنے میں زیادہ مشقتیں اٹھائیں ان کے دل میں نہیں ٹھیرتا اور ان کے دل کو اس سے رکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور جب تک اُن کو سامانِ جنگ میسر نہ ہو اور شفیق استاد لڑائی کے قانون ان کو نہ سکھا اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر نہ ہوں تنگدل اور پریشان رہ کر اپنی زندگی کو سو طرح کے پیچ وتاب میں گذارتے ہیں اور جوں ہی یہ امور ان کو حاصل ہو جائیں ان کی تمام دلگیری اور پریشانی اور غم واندوہ جاتے رہتے ہیں، پس اس قسم کا آدمی بہادری کی حقیقت کو طبیعت کے خزانے میں چھپائے ہوئے ہے اور اس کو لڑائی کے ہتھیاروں کی مشق اور اس کے فن کے استادوں کی تعلیم اور جنگ کے میدانوں میں حاضر ہونے کی ضرورت صرف بہادری کے حاصل کرنے کے واسطے ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ بہادری کے قالبوں کے حاصل کرنے کی رغبت بھی اس کے دل میں کسی کے سکھانے یا کسی کی متابعت سے پیدا نہ ہو گی بلکہ اس کا پیدا ہونا بھی ایسے امروں کے پیدا ہونے کی مانند ہے جو بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں کیوں کہ بہادری کا جو جوش اس کے دل میں موجود ہے اُس کا پورا کرنا اس کے فنون کے حاصل کرنے کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اُس کے فنون کا حاصل کرنا جنگ کے ہتھیاروں کی استعمال اور استادوں کی ہمنشینی اور لڑائیوں کے میدانوں میں حاضر ہونے کے بغیر ممکن نہیں پس لاچار و مجبور ہو کر ہتھیاروں کے ڈھونڈنے اور استادوں کے تلاش کرنے اور معرکوں کی جستجو میں لگ جائیگا اور ان چیزوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اس کے دل کی قابلیت سو طرح کی چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہو گی اور کوئی ہم عمر اور ہم جنس لڑائی کے امر میں اس کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا، اور دوسرے بعض ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی سرشت کی تختی صاف اور شجاعت کے خلاف امور سے پاک ہوتی ہے پس اگر ایسے لوگوں کو مہربان استاد ہاتھ آ جائے تو طاقت اور استاد کے سکھانے اور زمانے کی موافقت کے اندازے پر لڑائی کے متعلق امور سے اپنا

حاصل کرلیں گے اور استاد کا کمال عکس کے طور پر ان میں جلوہ گر ہوجائیگا، اور دوسرا آدمی جو ابتداءِ پیدائش میں عورتوں کی طبیعت اور ہیجڑے کے مزاج والا بنایا گیا ہے اگر فنِ حرب کے ہزار استاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب سے اُس کو فنِ جنگ کی تعلیم کرنا چاہیں وہ ہرگز لڑائی اور سپہ گری کے لائق نہ ہوسکے گا اور سارے شاہنامہ اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کریگا ؎

منیژہ منم دختر افراسیاب برہنہ تنم را ندید آفتاب

یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ میرے بدن کو آفتاب نے کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔

اسی طرح فیضِ ربانی[1] کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقہ ہیں، پس ہم پہلے طبقے والے لوگوں کے طبعی اجمالِ کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں اور جب وہ پیدائشی اجمالِ کمال اپنے وقت کے نبی پیروی کے سبب سے تفصیلِ قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو اس کے طبعی چراغ پر جو ازل الآزال میں عنایتِ خداوندی کے تیل سے روشن ہوچکا تھا یہ شریعتِ حقہ شیشے کی مانند احاطہ کرلیتی ہے اور اس کے بسیط نور کو ہم رنگ کرکے نہایت ہی عجیب اور غریب رونق بخشتی ہے پھر جبلی نور کے جمع ہوجانے سے وہ ملتِ حقہ جس نے اس صاحبِ کمال کے باطن سے دوبالا رونق حاصل کی ہے "چمکنے والے ستارہ کی مانند عالمِ ملک اور ملکوت کے اختر شناسوں کی عقلی آنکھ کو حیران کردیتی ہے، اور کمالات کے میدانوں اور شہسواروں اور احوال و مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود

---

[1] اصطلاحِ اہلِ طریقت میں فیضِ ربانی کو شرحِ رحمانی کہا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ عموماً افرادِ انسانی کو اس رستے کی طرف ہدایت کرنا جسمیں حضرت حق جل وعلا کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل ہو، اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق سے پرہیز کرنا سکھلا دے جو معاش اور معاد میں نقصان دہ ہوں اور تدبیرِ منزل اور مدینہ کے عمدہ انتظام پر قادر ہوجائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے ھُوَ سَیِّدُنَا وَاَعتَقَ سَیِّدَنَا[۱] کی ندا نکل آتی ہے اور اس قسم کے صاحبانِ کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں۔ ان داناؤں اور عقلمندوں پر، جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے مغز اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے" پوشیدہ نہ ہوگا کہ صدیق من وجہٍ انبیاء کا پیرو اور من وجہٍ شریعت کا محقق ہوتا ہے۔ پس اگر صدیق زکی القلب ہوگا تو مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضامندی کو مخصوص عقائد کے صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادت اور استعدادوں کے بھلا بُرا ہونے اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی طبیعت کے نور سے معلوم کر لیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جلّ شانہٗ کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے اور فلاں خُلق اچھا یا بُرا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قوم کے لوگوں میں مروّج ہے انتظام کے موافق ہے یا مخالف، پس ان امورِ مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت سے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے۔ دوم عام طور پر کلیاتِ شرع میں ان کے مندرج ہونے کے سبب سے۔ اور جو علم کہ پہلے طریق سے اس کو حاصل ہوا ہے وہ تحقیقی ہوا ہے اور جو علم کہ دوسرے طریق سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی ہے اور اگر وہ صدیق زکیّ العقل ہو تو اس کے طبعی نور کی ان کلیاتِ حقّہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو خطیرۃ القدس میں عام طور پر نوعِ انسانی کے پرورش کے واسطے مقرر

---

[۱] اس میں اس کلام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ابوبکر سیدنا و اعتق۔ ابوبکر ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور ہمارے سردار کو انھوں نے آزاد کیا۔ دوسرے سیّد سے مراد بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے ہیں اور وہ کلیات اس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں، وہ انہی کلیات سے تمام جزئیات کو استنباط کر سکتا ہے۔ پس شرعی علوم اُس کو دو طریق سے حاصل ہوتے ہیں ایک تو جبلّی نور کے ذریعہ سے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ہو اور فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس سے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ جل شانہٗ کو پسند یا ناپسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسماء الٰہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرتا ہے اور فلاں طریق سے حاصل ہوا ہے وہ عقیدہ درست ہے، اور معاش یا معاد میں نوعِ انسانی فلاں طریق سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوعِ انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اس کا پڑھنا پڑھانا فضول معلوم ہوتا ہے۔ اور جو خُلق اور ملکہ فلاں نتیجہ دے یا اس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے ورنہ بُرا۔ اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے، ورنہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور وہ انتظام کے مخالف ہے، پس کلیاتِ شریعت اور احکام دین میں اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کا ہم استاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور نیز ان کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نفث فی الروع کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں اور بعض اہلِ کمال اس کو باطنی وحی کہتے ہیں۔ پس ان بزرگوں اور انبیاءِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام امتوں کی طرف مبعوث ہوتے ہیں اور بزرگ مظانِ حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے اور بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی وجہِ نبوت کا علاقہ ہے اور من وجہٍ اخوّت کا اور یہ لوگ تمام

www.abulhasanalinadwi.org

آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط ان کو نصیب نہ ہو اور اگرچہ جہلاء ان کی ریاست کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امامت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت اور ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہوئی ہے اور ان کی اسی مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔[1] اور اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔[2] اور وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔[3] اور[4] وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۔ اسی معاملہ کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ا کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء مرسلین کے وارثوں کو حصہ

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانیوالے چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں سے ۱۲ منہ۔ [2] بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو اور عمرانؑ کے گھر والوں کو جہانوں پر چن لیا ہے ۱۲ [3] اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی ہے، اور ان کے باپ دادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت کی ہے اور انکو پسند کرلیا ہے اور سیدھے رستہ پر چلایا ہے ۱۲ [4] اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کرو ہم نے انکو ایک چنی ہوئی آخرت کی یاد سے امتیاز دیا ہے اور بیشک وہ سب ہمارے یہاں چنے ہوئے لوگوں میں سے ہیں ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

ملا کرتا ہے جس کو قوم عہ کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، اور سید الحکماء اور سید العلماء شیخ ولی اللہ رحمہ اللہ ذکائے عقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازمات میں سے ہے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ قرب الوجود محض عطایا الٰہیہ اور صرف طبعی چیزوں میں سے ہے ۔کسب اور اکتساب اور حدوث اور وقت تدریج ثابت ہوتا ہے ۔ جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی چیز ہے لیکن جو چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جدا کرتی ہے وہ قوتِ عاقلہ ہے جو ابتداءِ پیدائش میں پوشیدہ ہوتی ہے ۔کیونکہ (اس وقت) چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور جیسا کہ ابتداءِ کلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہی مہربانی جو ازل الآزال میں اس صاحبِ کمال کے بارے میں عنایت ہوئی ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملوں کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے، ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور بُرے کاموں اور خراب معاملوں اور رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ نگاہ رکھتی ہے، پس وہ ضرور انبیاء کی اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے ۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوبصورت آدمی کے عشق یا ہُنر اور کمال کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے قویٰ بہیمیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اور اس فتور کے باعث ایسے کاموں کی طرف ان کے دل میں کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف یا شریعت میں قبیح ہیں ۔ اور ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے

عہ قوم سے صوفیاء مراد ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

دل میں پکا نہیں ہوتا ، اور بعض دوسرے آدمی جو عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور شریعت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں اور شفیق آبا اور سکھانے والے استادوں کی تربیت اُن کے حق میں خرچ ہوتی ہے ان کا قبائحِ مذکورہ سے پرہیز کرنا عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا اور ان کی عقل کی تہہ سے ان قبائح کی نسبت وہ تعذیر پیدا ہوگا جو جبلّی طہارت والے شخص کو نجاست اور ناپاک چیزوں سے ہوا کرتا ہے اور اگر کسی وقت ان سے خطا اور نسیان کے طور پر قبائحِ مذکورہ کی طرف رغبت اور میلان ہوجائے تو بیشک وہ مشفق ہزار حیلہ سے اس کو ان ناپاک چیزوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا، اسی طرح بعض اہلِ کمال پاک عشق کے غلبہ اور حضرتِ ذوالجلال کے مشاہدہ کے استغراق اور فنا اور بقا، اور چیزوں کے حقائق کے منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہوجانے سے کامیاب ہوجاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور باطل عقیدوں اور بُری عادتوں اور خراب معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور بچنا اربابِ قرب النوافل کا حصہ ہے اور بعض اہلِ کمال نورِ جبلّی اور عنایتِ ازلی کے باعث بھلے کو بُرے سے تمیز کر کے اپنے آپ کو قبائحِ مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں، اور اگر کبھی اُن سے امورِ مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجّہ ہوجائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازلی عنایت پکڑ کر عجیب وغریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأٰى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ[1] . اسی معاملہ کی حکایت ہے اور یہ حفظ انبیا، اور حکماء کا نصیب ہے اور اسی کو عصمت کہتے ہیں ۔ یہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت

---

[1] بیشک زلیخا نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا قصد کیا اگر اپنے پروردگار کا برہان نہ دیکھتے تو ہوتا جو ہوتا ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

کو غیر انبیاء کے واسطے ثابت کرنا خلافِ سنت اور اختراع بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں بہت سے امور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں صحابۂ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں، چنانچہ اہلِ حدیث میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ جہاں سے منقطع ہو چکے ہیں اور قریب الوجود روئے زمین سے محو ہو گیا ہے بلکہ جب تک کہ روشنی اور اندھیرے کا خوش رفتار دو رنگ گھوڑا دوڑنے میں ہے وجود کا میدان حال اور مقام کے شہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کی جگہ ہے، ہاں صاحبِ کمال کے کمال پر یقینی علم حاصل ہونے کا طریق جو کہ مخبرِ صادق کی خبروں میں منحصر ہے نبوت کے زمانے کے گذرنے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے جیسے کہ اس زمانے کے گذر جانے کے بعد غیر منصوص مسئلوں میں شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبعِ تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی صحابۂ کرام کے زمانے میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اس قسم کے لوازمات سے ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتدائے فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے سوا ہی اس صاحبِ کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت میں لگی ہوئی ہے پس اگر کسی وقت لوازمِ بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل سے خدا تعالیٰ کے ماسوا کسی کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امر کو اُن امور میں سے جن کے پائے جانے کے باعث ان کا جبلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو وہی ازلی عنایت اس واسطے کو کسی تدبیر کے ساتھ توڑ دیتی ہے اور اس خیال کو

www.abulhasanalinadwi.org

دور کر دیتی ہے، اور بنی آدم کے نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے کہ[1] إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيْلَ إِنِّيْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ إِلَى أَنْ قَالَ حَتّٰى يُوْضَعَ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ، اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس قبولیت کی حقیقت اس صاحبِ کمال کی وجاہت کا ان کے دلوں کے آئینوں میں منعکس ہونا ہے جو صاف اور سلیم ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضاء اس اعتبار سے کہ جز عارضہ محبت یا غصے یا خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے تو اس کے آثار ظاہری اعضاء پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ان کے دلوں کے لئے آئینے کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں، مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربارِ خداوندی میں مقدر ہو چکا ہے اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کر لیتے ہیں، پس جب اس صاحبِ کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربارِ الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیقِ اعلیٰ میں مقامِ صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے، پس جو نیک آدمی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور اسکو تہہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اس کے علموں اور خبروں کو صمیمِ قلب سے مانتا ہے

---

[1] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو جبرئیل کو پکارتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبرئیل اسے دوست رکھتے ہیں پھر آسمان میں ندا کرتا ہے (یہاں تک کہ فرمایا) حتی کہ زمین میں اسکے واسطے قبول رکھی جاتی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

بلکہ اس کی چال ڈھال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہی اوضاع اور اطوار اس کے غیر
میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی صالح آدمی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا۔ یہ سمجھنا کہ
مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے ہیں اس
واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْضِ[1]۔ اور یہ
بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقلمند اور جوانمرد اور عادل ہی شاہد ہوا کرتے
ہیں، غافل، نادان، بدکار لوگوں کو شاہد نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ اگر اچھی طرح غور کیا
جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت پیار کرنے والے کے ایمان
اور پرہیزگاری کی علامت ہے۔ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى
الْقُلُوْبِ[2]۔ اور ایسے بزرگواروں کا بغض، کینہ کرنے والے کے نفاق اور بدبختی کا نشان
ہے کہ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ[3]، اسی معنیٰ کی
طرف اشارہ ہے۔

تیسرا افادہ۔ اور شرعی حدوں اور مظان حکم اور ان کے اشباح کو خود
ان کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوع انسانی کی پرورش کے رکنوں اور ادبوں اور شرطوں
اور مفسدوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے
اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء مرسلین میں سے اصحابِ شریعت کا مقام ہے
اور ان کی متابعت سے ظلی طور پر انبیاء کرام کے فرمانبرداروں میں سے بعض ان

---

[1] یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں ۱۲ [2] یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام کی چیزوں کا سو وہ دل
کی پرہیزگاری سے ہے۔ موضح القرآن ۱۲ [3] یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علی
رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے۔ یعنی پرہیزگار، ایماندار کے سوا کوئی شخص اسکو دوست نہیں رکھتا
اور بدبخت منافق کے سوا کوئی آدمی اس سے دشمنی نہیں رکھتا ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں اور صاحبانِ تعلیم کے پیشوا اور صاحبانِ تفہیم امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح میں اس کا نام قرب الفرائض تھا۔

چوتھا افادہ۔ غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزے کے ساتھ حجیت پورا کرنے میں نیابت عن اللہ کے مقام سے برتر و بلند ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی برکت سے بھرے ہوئے وجود سے قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ[1] کا مضمون ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے باعمل عالم اس مقام کے ظل اور اس کے فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حجج اللہ کہتے ہیں اور آپ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت ہے۔

پانچواں افادہ۔ اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست اور ادار و اطوار ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر میں نوع انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کی وہ عنایت جو عام انسانوں کی طرف خرچ ہو رہی ہے اسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحبِ کمال نوعِ انسانی کے تربیت کے واسطے نیابت عن اللہ کے مقام میں قائم مقام ہو چکا ہو اسی وجہ کے تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ وجہ اپنے کمال پر پہونچ جاتی ہے نئی مہربانی اور تازہ عنایت رحمتِ ازلیہ کے دریا سے نکل کر تربیتِ معاشیہ کے وجوہات سے ایک اور وجہ پیدا کرتی ہے

---

[1] کہدو حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

اور اسی وجہ کے اجراء میں بنی آدم کے کامل نفوس کو متوجہ کرتی ہے، آیۂ کریمہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اسی بھید کا بیان ہے، مثلاً حضرت آدم صفی اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لیکر حضرت ادریسؑ کے زمانہ تک خدائی فیض انسانی افراد کو کھیتی باڑی کرنے اور پیسنے اور آٹا گوندھنے اور روٹی بنانے اور باقی طعاموں کے پکانے اور لباس بنانے اور رہنے کے مکانوں کی تعمیر کرنے کی ہدایت کی طرف خرچ ہوتی رہی اور جب یہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حضرت ادریسؑ کے زمانے سے درزی گری اور لکھنے اور آہن گری اور زرگری جیسے لطیف و دقیق پیشے اور زمینی اور آسمانی جسموں کے خواص کی واقفیت کے گہرے علم جو کہ علم طب اور نجوم کا خلاصہ ہیں ظاہر ہوئے، اور ذوالقرنین اول کے زمانے سے بادشاہت اور ریاست کے بناؤں کی مضبوطی اور حکومت اور عدالت اور قانونوں کی تیاری اور لشکروں کا جمع کرنا شروع ہوا اسی طرح نوع انسانی کے ام معاد کی تربیت میں بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں اور جس دور میں جو اہلِ کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علم کہ ان کے دور کے مناسب ہیں اُن کے دلوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور ان کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے، پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک اور تربیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ مثلاً اس امت کے دوروں میں کا پہلا دور فقہاء کا دور تھا پھر متکلمین کا دور ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیاءِ کرام کا دور آ گیا، یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں۔ حاصل کلام جب ایک دور ختم ہو جاتا ہے، دوسرے دور کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے ایسے شخص کے وجود سے پہلے دور

لے تدبیر اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔ موضح القرآن ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

کی ہدایت کو کمال کی نہایت تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے ترجمان مقرر کر کے اس کی برکت والی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تازہ مہربانیوں کی طرف آدمیوں کی دعوت کی جاتی ہے اور اس کے دور کی امامت اُس کو بخشی جاتی ہے جو اس زمانے میں آدمیوں میں سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض کے زیادہ لائق ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو حضرت خاتم نبوّت اور خاتم الولایت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور آپ کی پیروی کی برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ان کو خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے، یعنی ان لوگوں کے وجود سے گذشتہ دور کے نتیجہ کی نہایت اور آئندہ دور کے کمال کا آغاز ہوتا ہے۔ اور حضرت شیخ ولی اللہ اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام فردانیت ہے اور اس دور میں جتنے اہلِ کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امام رہ رَو کے پیرو ہیں خواہ اس کو جانیں یا نہ جانیں اور ان کی پیروی کے یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچ جاتا ہے، بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شانِ الٰہی اس دور میں ظاہر ہوا ہے یہ لوگ بھی اس کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

پہلا افادہ۔ چونکہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور لوگوں کو ان کمالات کے ظل اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کے اشباح کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں، تاہم کبریتِ احمر اور اکسیرِ اعظم کی طرح نادر

www.abulhasanalinadwi.org

الوقوع اور کمیاب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقاموں کے مبحث میں اجمالی اشارات پر اکتفا کرکے ان کی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز اُن مقامات کی کُنہ کو بلکہ تمام کمالوں کی تحقیق ان خوبیوں کے حاصل ہوئے اور ان مفاخر تک پہنچے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، پس ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔

فرد داغِ غلامیت کردبایۂ خسرو بلند — صدرِ ولایت شد بندہ کہ سلطاں خرید

فائدہ: یہ نہ جاننا کہ راہِ ولایت اور راہِ نبوت آپس میں متباین ہیں کہ ولایت کے رستے کے چلنے والے راہِ نبوت کے مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہو پاتے یا راہِ نبوت کے طالب حالاتِ ولایت کا مورد نہیں بنتے یا حبِّ عشقی والے حبِّ ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حبِّ ایمانی والے حالاتِ عشقیہ سے غافل رہا کرتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کتاب فتوح الغیب کو" جو ولیوں کے پیشوا اور صاحبانِ فنا و بقاء کے امام فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے" دیکھا ہوگا جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو حبِّ ایمانی کا خلاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اُس پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکایتیں تم نے سُنی ہوں گی جو حضرت سید الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم کے مبارک دل پر گذرا کرتی تھیں، اس عجز اور نیاز اور بے پروائی اور ناز کے معاملے "جو درمیان میں گذرے تھے" لیلیٰ اور مجنوں کی داستانوں کے رشک افزا ہیں بلکہ حبِّ ایمانی کا بیج اور اس ہمیشہ کی سعادت کا نور ایمان کے رکنوں اور ایمان کی شرطوں سے ہے، پس مقبول طریقوں کے چلنے میں حبِّ ایمانی کو شاہ گام گھوڑے کی طرح جاننا چاہیے اور حبِّ عشقی کو اس طریق کے ایک جنگل یا اس راہ کی سراؤں میں سے ایک سرائے کے جابجا سمجھنا چاہیے۔ پس حبِّ ایمانی طریقِ رحمانی کے سالک کی جان کا پیوند ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اور حبِ عشقی حالات اور واردات کی قبیل سے ہے ہاں بعض لوگوں کے دلوں میں طبعی مناسبت کی وجہ سے حبِ عشقی زیادہ قوت دیتی ہے اور کشاں کشاں ولایت کے رستے میں لیجاتی ہے اور حبِ عشقی کی صورت میں حبِ ایمانی ظاہر ہوتی ہے اور بعض نفوس میں عشق کے جوش کے فرو ہو جانے کے بعد صرف حب ایمانی ہی باقی رہ جاتی ہے اور طریقِ نبوت کے مقامات کا راستہ دکھاتی ہے۔ القصہ حب ایمانی کو بنائے سلوک کے لئے بنیاد کی مانند بلکہ لکڑی اور کیچڑ اور پتھر کی طرح "جو عمارت کا مادہ ہے" سمجھنا چاہیئے اور حبِ عشقی اور اس کے ثمرات کو ان سریع الزوال عمدہ رنگوں اور دل کش نقشوں کی طرح جاننا چاہیئے جو اصل عمارت کے بعد ہوا کرتے ہیں اور اس بناء پر چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت کی عمارت کی مضبوطی اور عموماً انسان کی تربیت کے مکان کی پختگی کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں تو ناچار اسی حُب اور اس کے ثمرات کی طرف انھوں نے دعوت کی ہے اور اس رستے کے حاصل کرنے کے طریق کو مضبوط اور واضح کر دیا اور حبِ ایمانی کے طریقوں کے کھول دینے پر اکتفا کیا اور حبِ عشقی کے بیان اور اس کے ثمرات کے واضح کرنے اور اس کی تحصیل کے طریقوں کے تعیین کی طرف باریک اور لطیف اشارات کے علاوہ کچھ توجہ نہیں فرمائی اور جب اصحاب طریقت میں سے اولیاء کبار نے جو فنِ شریعت میں باطنی اطاعت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں جو دینِ متین کا خلاصہ ہے، درجہ اجتہاد کا حاصل کر چکے تھے، حبِ ایمانی کو متواتراتِ دینیہ سے جان لیا اور اس کی تحصیل کے طریقوں کو اکثر اہلِ مذہب میں مضبوط دیکھا حتی کہ اہلِ ملت کے عوام میں سے ہر عامی جو اُن کے زمانہ میں تھا البتہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکموں کی تعمیل از شرعِ نبوی اور دینِ مصطفوی کے اختیار کرنے کو اپنے پر فرض جانتا تھا اور منعم کے شکر اور اس کے محبت کی خوبی اور منعم کی ناشکری اور اس کی مخالفت کی برائی کی اجلی بدیہیات سے سمجھتا تھا تو حب ایمانی اور اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

لوازم کو کامل سمجھ کر اور اسے اپنے پیروؤں کے دلوں میں مسلّم الثبوت جانکر حبِ عشقی کے احکام کی تفصیل اور اس کے ثمرات کی ایضاح اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں سے مضبوط کرنے کی طرف اپنی ہمت کے مُنہ کو متوجہ کر کے اس امر میں نہایت کوشش کی اور اہلِ اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انھوں نے بڑی عزت حاصل کی[۱] شکَرَ اللّٰہُ مَسَاعِیَہِمْ وَرَفَعَ دَرَجَاتِہِمْ فِی اَعْلیٰ عِلِّیِّیْنَ۔ پھر ان کے زمانے کے گذرنے سے کچھ مدت پیچھے خبیثوں کی ایک جماعت ظاہر ہوئی اور کمینوں کا ایک ایسا طائفہ پیدا ہوا کہ[۲] فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ۔ ان کے بد انجام حالی پر منطبق ہوگیا اور وہ حبِ ایمانی کے حاصل کرنے کے طریقوں کو برباد کر کے حب عشقی اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ یہ محض باطل خیال اور محال کا طلب کرنا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے[۳] اٰمِنْ ثُمَّ جَاھِدْ، اور مثل مشہور ہے[۴] ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ۔ عارفِ بلند سیر شیخ ابو سعید ابوالخیر اس بد مآل گروہ کے حال سے خبر دیتے ہیں۔

بیت

تقلید دو سہ مقلد بے معنیٰ ‏ ‏ ‏ بدنام کند رہِ جواں مرداں را

یعنی دو تین بے خبر مقلدوں کی تقلید جواں مردوں کی راہ کو بدنام کر دیتی ہے۔ اور اس کے مطلب کو واضح مثال کے ساتھ سامعین کے ذہن کے قریب کرنا چاہیئے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی اُس عنایت نے جو ازل الآزال میں انسانی افراد کے حق میں مبذول تھی

---

[۱] یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی کوششوں کی قدر شناسی کر کے اعلیٰ علیین میں ان کے درجوں کو بلند کرے ۱۲

[۲] یعنی پھر ایسے نالائق ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے ۱۲ [۳] یعنی پہلے ایمان لا پھر مجاہدہ کر ۱۲ [۴] پہلے تخت تیار کرلے پھر اس کے نقش کے درپے ہو۔ ۱۲ منہ

www.abulhasanalinadwi.org

ایک وقت میں یوں تقاضا کیا کہ کچھ ایسے عقائد اور احکام اور معاملات " جن کو افرادِ انسانی کی ہدایت اور معاش، معاد میں ضرر دینے والی چیزوں سے اُن کی نجات اور برزخ اور قیامت کے آفات سے خلاصی دینے میں قوی دخل اور عظیم تاثیر تھی " عاجز کرنے والی عربی زبان میں ان کو سکھائے جائیں اور ان کی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان سے کی جائے، پس جناب رسالتمآب صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ نے اُس عاجز کرنے والے کلام کو نہایت واضح طور پر کھول کر تمام حاضرین کو پہنچا دیا، بس اس قدسیٔ فیض کی تکمیل " جو غیب الغیب سے نازل ہوا ہے " دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اول آنکہ جن امور کو معاش اور معاد کی اصلاح میں تاثیر ہے اور نجات اور درجوں کے بلند کرنے میں دخل ہے انہی امور کے سیکھنے کو اپنی ہمت کا قبلہ نما بنا کر قرآن اور حدیث کی طرف متوجہ ہو اور مذکورہ عقائد کی تصدیق اور ماثورہ احکام کی تعمیل اور پسندیدہ اخلاق کی تحصیل اور سیاسیات اور معاملات مقصودہ کے قائم کرنے میں نہایت کوشش کرے اور کتاب اور سنت سے شارع کا مقصود اور ہدایت اور سعادت کی بنیاد یہی ہے اور شارع علیہ السلام نے واضح بیان کے ساتھ اس کی تفصیل فرمائی ہے۔ اور اس کے مبادی کے حاصل کرنے کے طریقوں کو کمالِ قصد سے مضبوط کیا ہے۔ دوم آنکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بلاغت کے طریقوں اور عقائدِ حقہ کی دلیلوں اور احکامِ منصوصہ کی حکمتوں اور اخلاقِ محمودہ کے پیدا ہونے کی وجہوں اور معاملات اور قوانینِ حدیثیہ کے نغموں پر واقفیت کو اپنے دھیان میں رکھ کر اور ان کو اپنے ارادہ کا قبلہ بنا کر قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے، اور اس طرح سے غور کرنا شارع علیہ السلام کا بالذات مقصود نہیں اسی واسطے اس کی تصریح نہیں فرمائی اور اس کے حاصل کرنے کے مبادی اور اس کی تکمیل کے طریقوں کو بیان نہیں کیا، مثلاً علومِ صرف ونحو ومعانی وبدیع وغیرہ فنون عربیہ کی تفصیل اور منطق اور فلسفۂ اولیٰ ومناظرہ کے استدلالیہ مسائل کی بنیاد اور قوانینِ اجتہادیہ کے مباحث قیاس

www.abulhasanalinadwi.org

اور تعیینِ علل اور مسائلِ ترجیح اور قواعدِ جدل اور انسان کی باطنی قوتوں کی تشریح اور حکمتِ عملیہ کے اصول کی تنقیح کے بارے میں شارع سے کچھ بھی منقول نہیں بلکہ جو کچھ جناب سے منقول ہے وہ فقط قرآن اور حدیث ہے، اور حجت اور دلیل اور تلوار نیزے کے ساتھ آپ کی دعوت انہی دو چیزوں کی طرف تھی اور ان دونوں چیزوں کی اشاعت میں آپ نے کس قدر مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں، ہاں علم قرآن مجید اور حدیث شریف کی تحصیل کے بعد یہ نازک اور باریک علم بعض لوگوں کے واسطے اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتے ہیں ان کے نفسوں کو امارت اور وراثت اور نبوت کا منصب بخشتے ہیں اور اسی واسطے جب یہ قرآن عظیم وحدیثِ نبیؐ کریم حدِ تواتر و شہرت کو پہنچ گئے اور ہر خاص و عام نے اپنے حصے کے موافق اس سے کامیابی حاصل کرلی اور دونوں کی تسلیم نے تمام اہلِ اسلام کے دلوں میں اولیات کی تسلیم کا رنگ پکڑ لیا تو فنونِ عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علمِ کلام کے داناؤں اور تہذیب و اخلاق اور حکمتِ ایمانیہ والوں کی کوشش سے وہ باریک علم ظاہر ہوئے اور ان بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے[1] عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کے زمرے میں جگہ ملی ہے اور اس کے پیرو ان بحثوں کی تطویل میں نیک کوشش بجالائے یہاں تک کہ اتنے لمبے چوڑے باریک علم پیدا ہوگئے اور ان بزرگوں کے اس برکت والے زمانے کے گذرنے کے بعد بے معنی مقلدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس میں حبِ جاہ اور طلبِ ریاست طبعی طور پر بھری ہوئی تھی پس انھوں نے اسی گفتگو اور جھگڑے کو بزرگی اور کمال سمجھ کر قرآن مجید اور حدیث شریف کو پسِ پشت ڈال کر اپنی تمام عمر کو ایسے ہی فضول امور کو حاصل کرنے میں ضائع کر دیا اور فلسفہ اور اعتزال کا رستہ اختیار کرکے

---

[1] میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں ۱۲

اس فانی جہان سے افسوس اور پشیمانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کیا اور آخر کار انھوں نے اپنی تنگ قبر میں ناکامی اور ٹوٹے کے سوا اپنا غمخوار کسی کو نہ پایا۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝[۱]

أَعَاذَنَا اللّٰهُ وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ حَالِ أُولٰئِكَ الْجَاهِلِينَ۔[۲]

دوسرا باب

بدعتوں سے بچنے اور عبادات کے ادا کرنے کے ڈھنگ اور بری خصلتوں کو چھوڑنے اور عمدہ خصلتوں سے زینت حاصل کرنے کے بیان میں۔

اور اس میں ایک مقدمہ، چار فصل اور ایک خاتمہ ہے۔

مقدمہ:۔ اور اس میں ایک افادہ ہے۔ **افادہ** جو اذکار اور شغل اور مقام اور مراقبے کہ اولیاء کرام خلاصہ کر کے لکھتے ہیں، اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہی اذکار اور اشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہِ الٰہی سے پے در پے اولیاء عظام کے بارے میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں ان کی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مترتب نہیں ہوتے ہر چند عنایات اور برکات اور خدائے تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کے ظہور میں تمام اہلِ کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں لیکن ہر ایک کے حسبِ حال اس کا ظہور بھی چاہیئے اور ان آثار کی عدم موجودگی کی صورت میں اُس امر کی جستجو اور تلاش کرنی ضروری ہے جو اُن سے مانع ہو تاکہ اس کے دور کرنے کی تدبیر کی جاوے اور حقیقی مطلوب حاصل ہو جائے اور اکثر لوگوں میں بدعتوں

---

[۱] تو کہہ ہم بتادیں تم کو کن کے لئے بہت اکارت ہے۔ جنکی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں خوب بناتے ہیں کام ۱۲ [۲] خدا تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان جاہلوں کے حال سے پناہ دے ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

کا اختیار کرنا اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہوجانا اور شارع کے مقصود کے موافق تو اطاعت سے بے پروائی کرنا اور ان کے شرعی عملوں میں عبادات کی مخل چیزوں کا آجانا عبادتوں کے اُن آثار کے ظہور کا مانع ہے لہٰذا اس باب کو چار فصلوں پر بانٹنا ضروری ہوا۔

پہلی فصل بدعتوں سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔ اور اسمیں تین ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت۔ ان بدعتوں کے بیان میں جو صوفیاء کبار قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ تشبہ پیدا کرنے والے صوفی شعار ملحدوں اور مشرکوں کے میل جول کے سبب سے عوام اہلِ اسلام میں پھیل گئی ہیں۔ اور اس ہدایت میں دو تمہیدیں اور چھ افادے ہیں۔

پہلی تمہید جو کشف اور شہود و سلوک کے اعمال میں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے۔ کافر اور مومن اور مبتدع اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔ لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اُس کی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اور اس کے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے پس انسان دو چیزوں کے ساتھ کامل ہوتا ہے: اول اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد وہ مجمل معرفت نہیں کہ ہر کس و ناکس اس سے باخبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف میں بزرگ برتر ہے، تمام زندوں سے اس کی زندگی بہت بزرگ ہے اور تمام اہلِ علم کے علموں سے اس کا علم بڑھ کر ہے اور انہی پر اور اوصاف کو بھی قیاس کرلو کیونکہ اگرچہ یہ معرفت بھی فائدے سے خالی نہیں لیکن اتنی ہی مروّت کمال کا موجب ہوتی تو ناقص آدمی تو عنقا ہی ہوجاتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت کا جاننا اس طرح بھی مراد نہیں کہ انسان کی قوتِ مدرکہ بالکل اس کا احاطہ کرلے کیونکہ یہ معنی ناممکن ہے۔ مثلاً اس کے رازق ہونے کی صفت کسی آدمی پر جس طرح چاہیئے ظاہر ہونے

www.abulhasanalinadwi.org

لگے تو کوئی آدمی بھی اس کے مبادی کی برداشت نہ کرسکے چہ جائیکہ اس کے انتہاء کو پہنچکر اگر انسانی کمال میں یہ معرفت مقصود ہوتی تو کامل انسان کا پایا جانا محال ہوتا پس اس جگہ معرفت سے وہ معرفت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے پیدا کرنے سے منظور و مطلوب ہے اور اس کو قرآن اور حدیث سے معلوم کرسکتے ہیں اور اسی معرفت کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں آدمی کے واسطے بڑی عزت اور بہت سارا اعتبار حاصل ہوجاتا ہے وہ معرفت مراد نہیں جو عزت اور اعتبار کے سوا حاصل ہو جیسے حکماء فلاسفہ اور کامل انسان اس عزت یا اعتبار کے باعث اُس خدمتگار اور خواص کی مانند ہوجاتا ہے جو اپنے آقا کی نظر میں معزز اور معتبر ہوگیا ہو۔ اور اس کی عزت اور اعتبار کے آثار ظاہر ہوگئے ہوں مثلاً امانتیں اس کے سپرد ہوتی ہوں اور اسے بعض رعایا سپاہیوں یا محتاجوں یا سائلوں کے پاس اُن کے پہنچانے کا حکم ہو اور اس کی بات محل اعتبار اور راستی کے مرتبہ پر پہنچے اور اس کی سفارش لوگوں کے حق میں قبول ہو جب اس قسم کی عزت و اعتبار معرفتِ ذات اور صفات کے ساتھ کسی آدمی میں جمع ہوجائے تو انسانِ کامل وہی ہے اور ان کے اوصاف کے باوجود کامل لوگوں کے مرتبوں میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے، ولایت کا ادنیٰ مرتبے سے حضرت خاتم النبیین کے مرتبے تک تفاوت کو سمجھنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں سلوک کو سلوک کے اسی مقررہ طریقے میں منحصر نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کے بھی بہت سے رستے ہیں جن میں سے یہ بھی ایک مقبول رستہ ہے اور اس رستے کا دار و مدار ظاہر کتاب و سنت کے ساتھ اس طریقہ والے اقوال اور احوال کے مطابق ہوتا ہے۔

دوسری تمہید۔ راہِ حق کے خلل انداز وہ صوفی شعار ملحد ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں اور بُرے بُرے مبتدع شرک آمیز اشغال سیکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کلام لوگوں میں

www.abulhasanalinadwi.org

پھیلا دیتے ہیں ان کے افعال اور اقوال کے موافق اُن کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیئے جو قتل کرنے کے قابل ہو اُس میں قتل کیا جائے اور جو تعزیر اور تنبیہ کے لائق ہو اس کو تعزیر اور تنبیہ کی جائے اور اکثر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کرسکیں تو ان سے سخت بیزار رہیں اور ہرگز ان کی ملاقات نہ کریں اور ان کے سامنے جانے کو بُرا جانیں اور اگر اُن میں سے کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات کرلیں پھر اگر اس کو ہدایت ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو اُس کے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بُری صحبت سے بچنا بھی اللہ جلّ شانہٗ کے طالب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے۔

بیت

نخست موعظتِ پیرِ صحبت اس حرف است ⁂ کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید

پہلا افادہ۔ اللہ عزّ وجلّ اور اس کے شعائر کے حق میں بے ادبانہ کلمات نکل جانا بھی صوفی شعار ملحدوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عوام اہلِ زبان میں پھیل گئے ہیں بلکہ بعض مقبول آدمی بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پس حق طلب کو چاہیئے کہ ایسے کلمات کے سے پرہیز کرے اگرچہ ان کے کہنے والے کے حق میں نیک گمان بھی ہو خود ہرگز نہ کہے کیونکہ بے ادبی کا ثمرہ نیک نہیں ہے اور اگر کسی سے ہو بھی جائے تو پیروی کے لائق نہیں۔

بیت

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلسِ شاہ ⁂ ہر کرا نیست ادب لائقِ صحبت نبود

مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے ایک کوڑی سے خدا کو خریدا ہے (یعنی) کسی وقت ایک کوڑی کا پانی مقبول ہو گیا اور اس کے معرفت کے دروازے کے کھلنے کا باعث ہوا (پس) اس نے اس مدعا کو ان لفظوں سے تعبیر کیا، ہر چند مراد ٹھیک ہے لیکن تعبیر بیجا ہے اگر یوں کہتا میں ایک کوڑی دیکر اُس کے بندوں میں داخل ہوا تو بہتر ہوتا۔ اسی طرح مؤدبانہ صحیح تعبیریں کرے اور بے ادبی سے بہت دور رہے اور اپنے آپ کو غلاموں

www.abulhasanalinadwi.org

میں سے ایک غلام بلکہ بے پرواہ، عالی جاہ بڑی عنایتوں والے، نہایت مہربانیوں والے سخت گرفت والے، جلدی بدلہ لینے والے، بادشاہ کے کمترین بندوں سے جانے اور ہمیشہ ہر حرکت اور سکون میں ڈرتا اور کانپتا رہے اگرچہ عجیب حالتیں وارد ہوکر بے ادبانہ کلموں کے صادر ہونے کا تقاضا کریں۔

دوسرا افادہ:۔ توحید وجودی الحادی کی گفتگو وجودیہ ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اور خاص لوگوں میں مشہور ہو کر طریقت کے بڑے بڑے پیشواؤں کے اقوال سے مشابہ ہوگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کے گمان پر نفسانی لذتیں حاصل کرتے ہیں اور شیطان اور خبیث نفسوں کے مکر اور فریب سے اس گفتگو کو معارف اور حقائق گمان کرتے ہیں اور ان اقوال کے نقصانوں سے چھوٹا نقصان یہ ہے کہ اپنے عزیز وقتوں کو محض بے فائدہ کام میں خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے پیشوا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا امر نہیں فرمایا اور اس کو بیان بھی نہیں کیا پس ہم کو اس سے کیا فائدہ اگر نماز اور روزے کی طرح یہ کام ہمارے کارآمد ہوتا تو آپ ہمیں اس پر آگاہ فرماتے حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ، آپ کی شان ہے۔ پس اس سے خاموش رہنا ہمارے حق میں بہتر ہے اور ہماری کوئی غرض بھی اس سے متعلق نہیں۔ اگر چونکہ اس گفتگو کا رواج ہو چکا ہے اس کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کے بارے میں استفسار کرتے ہیں پس اتنا جاننا چاہیے کہ یہ مخلوقات عین خدا نہیں اگرچہ ان کا قیوم اسی کی ذات ہے پس اس کی تمثیل صفات سے کرنی چاہیے کہ جس طرح صفتیں نہ خدا کا عین اور نہ اس کا غیر بلکہ اس کے ساتھ قائم ہیں اسی طرح باقی مخلوق بھی نہ صفات کا عین ہیں نہ غیر بلکہ ان صفات کا مظہر ہیں۔ پس صفات اگرچہ بذاتِ خود مظاہر سے مستغنی ہیں حکمتِ الٰہیہ کے تقاضے سے باوجود استغناء کے مختلف مظاہر یعنی مخلوقات میں ظاہر ہوئی ہیں اور طریقت کے بزرگواروں نے یہی معنی اس کام سے مراد لیا ہے جیسے اس

وقت کے ملحدوں نے اس کے مقصود کے برخلاف حمل کرکے تحریف اور دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ پس اس قدر جاننے سے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اوقات کو اس گفتگو میں صرف کرنا محض بے فائدہ ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمالات سے محرومی کا باعث ہے۔

تیسرا افادہ۔ تقدیر کے مسئلہ میں قیل وقال اور بحث وجدال کرنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اہلِ اسلام میں مشہور ہو گئی ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ ایمان بالقدر اسلام کے بڑے عقیدوں اور شریعت کے مؤکد واجبوں سے ہے اور چونکہ سرسری نظر میں تقدیر کا مسئلہ تکلیف کی بحث سے تعارض رکھتا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام نے اس باریک مسئلہ میں تعمق کرنے اور اس گہری بحث میں خوض کرنے سے سخت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ پس لاچار اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ اس کے اجمالی ایمان پر اکتفاء کریں اور اس گہرے موجزن دریا یعنی اس مسئلہ کی تفصیل اور توضیح میں نہ گھسیں۔ لیکن ان دنوں میں تقدیر کے منکر رافضیوں اور تکلیف کے منکر ملحدوں کے میل جول کی وجہ سے جنھوں نے تشریع کو معارض سمجھا ہے اور تقدیر کے مسئلہ سے تمسک کرکے شرعی مسائل کے باطل کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں، ناچار بحکم اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَاتَ، اس مسئلہ کی تحقیق میں کچھ اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے فقط اس اجمالی ایمان کا اہتمام اس کتاب میں مقصود ہے اور غافل مومنوں کو گمراہ کرنے والے شیطان رافضیوں اور ملحدوں کی پیروی سے بچانے کے واسطے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ تمام بندوں کے افعال اور اقوال اور ان کی حرکتیں اور سکون اور ان کے علم اور ارادے اور ان کی بھلی اور بری صفتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں ہاں بعض بندوں میں بعض فعل اور بعض بندوں میں اور فعل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کے پیدا کرنے اور ابوجہل

www.abulhasanalinadwi.org

کے دل میں کفر پیدا کرنے کی تخصیص میں ایک خفی حکمت ہے کہ اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی بھی شرح تفصیل کے ساتھ اُس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ ازلی استعدادوں کی تفاوت کا لحاظ ہی وہ حکمت ہے اور استعدادات ازلیہ کے اختلاف کے سمجھنے کے لئے یہ تمثیل ہے کہ ایک بڑا عظیم الشان درخت ہے جسمیں ہزار قسم کی لکڑی موجود ہے، بعض ان میں سے جلانے کے قابل ہیں اور بعض ان میں سے پیالے بنانے کے لائق ہیں اور جو جلانے کے قابل ہیں ان میں بھی بے حد تفاوت ہے مثلاً بعض تو درخت کے کاٹنے کے وقت ایسے ہلکے ہلکے بیکار ٹکڑے رہیں گے جو آگ جلانے کے ابتداء میں کام آتے ہیں، بلکہ پہلے پہل ان کے سوا آگ سلگتی ہی نہیں اور کچھ ان میں سے ایسی سخت گرہیں رہیں گی جو آگ کے شعلوں کے بہت تیز ہونے کے وقت ڈالی جانی چاہئیں تاکہ اس تیز آگ میں جل سکیں اور کچھ لکڑیاں ایسی نکلیں گی جو عمارت کے کام آتی ہیں، کوئی ستون بنے گی اور کوئی شہتیر اور کسی کے تختے، پھر ان میں بھی بہت فرق ہوتا ہے، کیوں کہ کچھ تختے تو خاص شاہی خلوت خانے کی چھت کے لائق ہیں، اور کچھ تختے قیدیوں کے پاخانے میں قدم رکھنے کی جگہ کام آتے ہیں۔ ایک تختی تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی حق پرست کامل کے ہاتھ سے کلامِ الٰہی کے حرفوں کے لکھنے کے لیئے بنائی گئی ہے، اور ایک تختی ایسی ہوتی ہے کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے پامال ہوتی رہتی ہے۔ اور اس طرح استعدادوں کے اختلاف کی مثالیں جو بے شمار ہیں نوعِ انسانی کے افراد میں سمجھ لینی چاہیئے اور اسی تمثیل کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی قدس اللہ سرہٗ نے عمدہ اور مختصر عبارت میں ادا فرمایا ہے (اور وہ یہ ہے) "آہ آہ ازیں تفاوتِ راہ۔ دو آہن پارہ از یک جائیگاہ۔ یکے سم ستوراں و دیگر آئینۂ شاہ۔" یعنی یہ تفاوت مدارج حیرت و تعجب کا مقام ہے، ایک ہی کان سے نکلے ہوئے لوہے کے دو ٹکڑے ہیں، ایک چارپایوں کا نعل بنا اور دوسرا بادشاہ کا آئینہ۔ اصل پیدائش میں صلاح اور فساد میں ساری

www.abulhasanalinadwi.org

استعدادوں کا برابر کرنا یا پیدا کرنے کے بعد ہر فاسد استعداد کا سنوارنا اللہ تعالی کی قدرت کے سامنے نہایت ہی آسان امر اور سہل کام ہے۔ لیکن اصل پیدائشی صلاح اور فساد میں استعدادوں کی تفاوت اور بعض فاسد استعدادوں کی اصلاح اور بعض کو ازلی فساد پر ہی رکھنا حکمت (خداوندی) کا مقتضا ہے تاکہ کارخانہائے خداوندی، جن سے مراد جمیع صفاتِ کمال کی جامعیت ہے اور عظیم الشان کارخانے ظاہر ہوں، اول عفو کا کارخانہ ہے اس لئے کہ اگر اصل پیدائش میں ساری استعدادیں برابر ہوتیں یا اللہ تعالی محض اپنی مہربانی کے ساتھ کسی فاسد استعداد کی اصلاح نہ فرماتا تو عفو اور حلم ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے تھے، اور دوسرا کارخانہ حکومت کا ہے جس سے فرمانبرداروں کو انعام دینا اور بے فرمانوں کو عذاب کرنا مراد ہے، پس اگر ساری استعدادیں اصل پیدائش کی رو سے صلاح اور فساد میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالی ساری فاسد استعدادوں کو سنوار دیتا تو البتہ حکومت کی صفت اپنی دونوں وجہوں تعذیب اور تنعیم پر ظاہر نہ ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ بادشاہی کا کارخانہ جیل خانے اور قیدیوں اور جاگیروں اور جاگیرداروں کے سوا اپنے کمال پر نہیں ہو سکتا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال اور اس مطلق بے پرواہ کی کامل صفتیں بذاتِ خود ظہور سے مستغنی اور مظاہر سے پاک ہیں، اللہ عزوجل نے اس آیۂ کریمہ میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ، لیکن جس طرح ہر صاحبِ کمال کا کمال اپنے ظہور کو چاہتا ہے اور ان کمالات کا ظاہر ہونا اس کمال والے کو خوشی پہنچاتا ہے اگرچہ وہ صاحب کمال اپنے کمال میں اس کے آثار کے ظاہر ہونے سے بے پروا ہوتا ہے جیسے عمدہ لکھنے والا کاتب اگرچہ بالفعل نقش بنانا اس کے کمالات کے شمار میں نہیں بلکہ اس کا کمال تو وہی کتابت کا ملکہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے نفس میں موجود رہتا ہے، لیکن کتابت کا ملکہ عمدہ نقشوں کے صادر ہونے کی اقتضاء کرتا ہے اور وہ کاتب ان نقشوں کے صادر ہونے کے باعث نہایت

www.abulhasanalinadwi.org

ہی خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ جلّ شانہٗ کی ازلی صفتیں مظاہر سے مستغنی ہونے کے باوجود ظاہر ہونے کا تقاضا کرتی ہیں اور حق جل وعلا کو رنگارنگ مظاہر کے پائے جانے اور طرح طرح کے آثار کے ظاہر ہونے سے اپنے کمالات پر نہایت خوشی ثابت ہوتی ہے اور اس تقریر سے وہ شبہ جو اکثر عوام کے دلوں میں گذرتا تھا دفع ہو گیا اس کا بیان اس طرح ہے کہ اکثر عوام کو سرسری نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ دارین میں تمام بندوں کو برابر کیوں پیدا نہیں کیا تاکہ تمام آدمی معاش اور معاد کے امر میں نعمت اور خوشی میں گذارتے یا سارے فاسدہ استعدادوں کی اصلاح کیوں نہیں فرمائی۔ کیوں کہ یہ اصلاح ان کے حق میں مہربانی اور بخشش ہے اور اللہ پاک کی قدرت اور بخشش بے انتہاء ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ساری کمال کی صفتوں کا جامع کہ بادشاہت بھی ان میں سے ایک صفت ہے اور بادشاہت کی ایک شاخ بڑا وسیع کارخانہ ہے جو بے فرمانوں اور منکروں کو سزا اور عذاب دینے پر مشتمل ہے پس اگر یہ شاخ ظاہر نہ ہوتی تو بے شک مملکت کا امر اپنے کمال کو نہ پہنچتا۔

بیت در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اس جگہ ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ جب افعال اور اقوال کا مدار ازلی استعدادوں پر ہے اور ازلی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس سرکش کافروں اور ضدی بے فرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے (کیوں کہ حقیقت میں وہ لوگ مجبور اور بے اختیار ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دو طرح کی مخلوق پیدا کی ہیں۔ ایک قسم تو وہ کہ اس میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں یہ دونوں صفت امانت رکھی ہیں جیسے جنّ اور آدمی۔ پس جنّ میں علم رکھا گیا ہے چونکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور اعضاء اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کرتے ہیں تو البتہ ان مذکور امروں کو اپنی طرف

www.abulhasanalinadwi.org

نسبت کرتے ہیں مثلاً جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل ان کے ارادے کے ذریعے سے صادر ہوتے ہیں گو ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے صادر ہوئے ہیں اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی نسبت انسان کی طرف قرآن مجید سے صراحۃً ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے قبول کئے ہیں اس حکم کو بھی قبول کریں۔ اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور اس بات کا جان لینا کہ یہ کام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے سزا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہ بات کہ آدمی کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس کے ارادے کو ان افعال اور اقوال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام ازلی استعدادوں کے آثار کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کے تفاوت کا سبب آغازِ کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہو گیا کہ **بیت**

ہر یکے را بہر کارے ساختند　　　میل اورا در دلش انداختند

پس پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور دعوت کے ظاہر کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں کوشش کرنے اور جہات اور حدود کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے؟ پس میں جواب دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلا واسطہ عزوجل کے پیدا ہوئی ہے لیکن اس حکیم مطلق نے اپنی غالب حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا ہے اور مسببات اور اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اس کی روشنی اگرچہ دونوں بلا واسطہ بلا حجاب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اس خداوند کریم نے ایک خاص ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوند کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور

روشنی کو مسبّب کہتے ہیں، پس یہی قیاس کرنا چاہئے کہ اگرچہ جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں لیکن ان فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا جوڑ اسی مطلق حکیم نے اپنی حکمت کے مقتضا سے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ چیزوں کے ارادہ کے درمیان اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے مذکورۃ الصدر امور کے درمیان سببیّت کا علاقہ مضبوط کر دیا ہے، مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرمانبردار لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کا ارادہ جن کی بجاآوری کا حکم کیا گیا ہے، ہدایت کرنے والوں کی ہدایت اور سکھانے والوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے۔ یا بُت پرستی یا زنا کرنے اور شراب پینے کا ارادہ جہاد کرنے اور حد لگانے کے خوف سے نابود ہو گیا ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ تمام افعال اور اقوال اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی جا سکتی اس واسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بدآدمی اپنی بدی سے انکار کر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کو اپنے برابر جاننے اور اپنی سزا اور نیک کام کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز عدل اور حکمت اور مروّت کے ساتھ متصف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے خواہ وہ یقینی ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیق کو جانتا ہے کہ وہ بلا شبہ بڑا بہادر ہے اور کسی میدانِ جنگ میں قصور نہ کریگا اور کوشش اور جوانمردی کی داد دیگا لیکن میدانِ جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اس کو ایسا انعام نہ دے گا جس سے اس کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو، اور اس کی ضد کی مثال میں اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص بھیڑیئے کے بچے کو پالتا ہے اور وہ یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اُسے پھاڑ ڈالنا اس کی طبعی عادت ہے مگر اس کے اثر کے ظاہر ہونے کے سوا اس شخص کا غضب جوش نہ مار یگا اور وہ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کریگا اور جونہی

www.abulhasanalinadwi.org

کسی انسان پر اس نے حملہ کیا اس قدر غصے ہوگا کہ قتل کے سوا اور کوئی سزا اس کے واسطے تجویز نہ کریگا اور اس کے مار ڈالنے کے بغیر اس کی تسلی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہیں تمثیلات میں سے سمجھنا چاہئے اگرچہ اس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ کی ازلی استعدادیں معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اس کی رحمت کا دریا جوش زن نہیں ہوتا۔ بیت

تا نہ گرید کودکے حلوا فروش بحر بخشایش نمی آید بجوش۔

چوتھا افادہ۔ مرشد کی تعظیم میں اس قدر افراط کرنا کہ جس سے اس کے خدا یا نبی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں، پس ضروری ہے کہ اس کی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہئے، اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ بیشک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے، اللہ عزّوجل نے فرمایا ہے یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف (پہنچنے کے لئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اس کے رستے میں جہاد کرو کہ شاید تم نجات پالو۔ اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کے لئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے، اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کمیاب ہے، پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہئے جو کسی شریعت کے مخالف

نہ ہو اور متابعتِ قرآن اور حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم ہو ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن ایسا نہ چاہیئے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا مشروع شریف کو جانے، اور بالاصالہ خدا اور رسول کے حکم کا متبع ہو اور جو چیز شرع شریف کے رو سے مرشد فرمائے اسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو اس کے حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کرے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیئے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیئے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ دے۔ اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے اس لئے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ تمام دنیا سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ اور اس حد تک پیر کی محبت منع ہے کہ اللہ عزّوجلّ اور اس کے رسول کی نافرمانی کو اس کی محبت کے پہلو میں گوارا کرلے، کیونکہ یہ بات اللہ جلّ شانہٗ کے دربار سے دور ہونے کا باعث ہے۔ تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اللہ جل شانہٗ سے محجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے، اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد کسی طالبِ حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہوجائے پس اس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فسادِ عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے۔ اور اگر وہ کام فسادِ عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اس کو بلا میں مبتلا جان کر اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوشش بجالائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں افادہ۔ اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قبیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہی امور مذکورہ پر قیاس کرسکیں۔ دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھاکر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر اولیاء اللہ کے قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ کے غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور بشکل احرام اور محرمین کی صورت بن کر بعینہ اس طرح یا ان کی مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بدانجام مسافر اس سفر میں اور ان کے متعلقین گھروں میں اپنی طرف سے کئی ایک واہیات قیدوں کا التزام کرتے ہیں۔ القصہ اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ پس سب خواص و عوام کو چاہیئے کہ ضرور اس امر سے اعراض کریں اس کو بھلا دیں اور منجملہ ان بدعات کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہو جانا تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دلوں میں سے ان خاص لوگوں کا حال بیان کرنا منظور ہے جو باطنی فیض کے حاصل کرنے کے ارادے پر دور کی قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہیں پس چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور

www.abulhasanalinadwi.org

معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہان میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں اس بنا پر انکو زندہ کہنا چاہیئے لیکن اس جہان کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہان کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا تو سارا جہان مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا۔ پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادۃ اللہ اسی طرز پر جاری ہے کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کئے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے مشکل کے حل ہو جانیکا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ دونوں چیزیں حلِّ مشکلات کے لئے کلید ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَتَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتُ اَھْلِ بَیْتِیْ یعنی میں تمہارے پاس قرآن اور اپنی اولاد دو بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اور دوسری روایت میں اس طرح پر آیا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ۔ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچاننا اگرچہ دشوار امر ہے، کیونکہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہوگا کہ اس کے تمام اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے بزرگوں

www.abulhasanalinadwi.org

کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریت احمر کی مانند نادر اور کمیاب ہے۔ لیکن قرآن مجید جو نجات کے لئے بہترین ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسّر ہے پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے، اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی، اس لئے کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر ان کو قوت اور طاقت ہو بھی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے غیر ہیں، شیطان کی دھوکہ دہی کا مقام ہے اور چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان اُن کی آواز یا صورت کی نقل کرکے خلافِ شرع کام کا حکم کرے اور یہ بے خبر بے چارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے دل و جان کے ساتھ قبول کرکے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اس سے چشم پوشی کرکے ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے، اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت یا آواز کے پہچاننے والے کے لئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو تو اسے سیدھے راستے سے پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت بدلنے اور توجہ اور کیفیتوں کے صرف آواز یا دل میں القاء ہی کافی ہے۔ اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے سفر کیوں برے ہیں۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ نہیں ہے بلکہ یہ راستہ ڈاکوؤں اور چوروں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد ہونے اور کسب سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہوجانے کا مقام ہے۔ اور قبروں پر چراغوں کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انھیں بدعات میں سے ہے یہ کام بے شک حرام ہے اور صحیح حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذاللہ اس کو لیلۃ القدر اور شب برأت کے انوار کے ظہور کے وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت

میں دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کے وقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے، بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہوتا صاف کافر ہو جاتے، اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیونکہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا حالانکہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اس کو عبادت جانے۔

چھٹا افادہ۔ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پر ادا کرنا کہ شرکِ خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہلِ اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ مشہور ہو چکی ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنوں اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور ان کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہو گئی اور ان امور کی تجدید اور تحدید کی۔ اور ہر کہ آمد برآں مزید کرد والے قاعدہ کو دستور العمل ٹھیرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا۔ اور وہ خبیث اور ناپاک فروع جو لوگوں کے تراش خراش سے پیدا ہوئی تھیں ظاہر اور رائج ہو گئیں اور وہ فروع اپنی خباثت متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنیٰ رسم اور عادت کی تقلید اور یہاں تک اس امر کا التزام کرتا ہے کہ اس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور ان امور میں جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑا اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے نماز کے بعد داہنے طرف سے پھرنے کا التزام منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے۔ اس لئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف سے پھرنا چاہیئے شیطان کا حصّہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ

www.abulhasanalinadwi.org

کاموں اور ان کے التزام کی تعبیر نصیب شیطانی سے بُری کرنی چاہئے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سیّد احمد کبیر قدس اللہ سرہٗ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب بیشک دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے ۔

پہلی سبیل جو کہ عمدہ اور بہتر ہے یہ ہے کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میّت کا دخل ثابت ہو مثلاً باپ بیٹا ہونے کا علاقہ خواہ یہ ابوّت اور بنوّت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعظیم اور ارشاد کی وجہ سے ۔ جو شخص کہ عبادت کرتا ہے اس کے ہر قسم کے آباء کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے ۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جس قدر کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کا حق جو کہ سب حقوں سے بڑھ کر ہے ، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور مرشدوں اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بندگی کے انہیں نیک عملوں سے محض اس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تبعیت اور باقی اہلِ حق کے سامنے رشد اور سعادتمندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے اور ان کے ناواقفوں سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کہ رواجی طور پر فاتحہ اور ایصالِ ثواب نہ کرے ۔ بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہلِ حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر فاتحہ اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور اہلِ حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور

www.abulhasanalinadwi.org

صحابہ کرام اور مومنوں اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گذر چکے ہیں معاذاللہ اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیلِ خالق الارض والسماء حضرت ابراہیمؑ کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوبِ رب العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان میں یہی حرف دل میں کھٹکتا ہے معاذاللہ من ذالک ثم معاذاللہ من ذالک۔ پس اس بیان سے واضح ہوگیا کہ فاتحہ خوانی کی یہ رسمیں دینِ متین کے لوازم اور ارکان سے زائد ہیں، اور ایمان کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنیٰ اجمالی طور پر سب لوگوں کے مرکوزِ خاطر ہے لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکوکار سے اس رسم کے ترک ہو جانے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستعد ہوکر اس کامل صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفصلاً دل میں جانشین کرکے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد کرنا چاہیئے۔

دوسری سبیل یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر ہوا اور مشہور طریقہ دعا ہی ہے، اس میں سے ایک صورت یعنی نمازِ جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کے سوا اور وقتوں میں عام یا خاص طور پر دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بے شک یہ مسنون اور مستحب ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر ان کو معلوم کرنا حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس جگہ بھی ایک کارآمد دقیقہ سن لینا چاہیئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے کئی مرتبے ہیں اور ان میں افراط[ع] اور تفریط ہو جایا کرتی ہے اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ

ع افراط زیادتی، تفریط کمی

www.abulhasanalinadwi.org

قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہرحال افضل ہے۔ پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا ان سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں اگر اسی طرح کی جائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب برأت میں کسی کو اطلاع دینے اور جتلانے کے بغیر بقیع میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہؓ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جاکر دعا کرنی چاہیئے چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو۔ پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کیواسطے شب برأت کو صلحاء کا مجمع کر کے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کرے تو آنجناب کی مخالفت کے باعث اسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بن جائیگا اور اس وقت میں حقیقت کار باقی نہ رہے گی اور اس بیان کے لئے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعاء کے سوا اور صورتیں پس ان میں سے ایک تو کنواں کھودنا مروی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہیں اور بول نہیں سکی اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی، پس اب اگر میں اس کے واسطے کچھ کردوں تو اس کو نفع پہنچے گا، آپؐ نے جواب دیا کہ کنواں کھودو اور کہو کہ یہ سعد کی والدہ کے لئے۔ دوم جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جاکر سورہ یٰسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد غلام آزاد کئے اور باقی عبادتوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کی روح کو پہنچائے اور جناب الٰہی میں دعا کرنا اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کے روح کو ثواب پہنچا رہا ہے اگر اس کے حق داروں میں سے ہے اس کے حق کے برابر ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور اس کی وضعوں اور کھانے والوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں۔ ہاں بفحوائے ظلمات بعضھا فوق بعض[1] قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التزام مالایلتزم کی قسم سے ہے جس کا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کے لئے یا ہم چشموں کے سامنے خفّت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عملِ صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے ان لوگوں کا حال اور ان رسموں کے چھوڑنے والے صالحِ کامل کا حال اس زمانہ میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی کی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا۔ اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے۔ اور بخارا کی سلطنت سچ مچ کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوئی اور اس مثال اور ممثل لہٗ کے فرق کو شریعت اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل میں واردات کی محبت کر کے امرِ حق

---

[1] بعض اندھیرے بعض کے اوپر ہیں، یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم۔

www.abulhasanalinadwi.org

ڈھونڈ کر رسموں کے التزام سے تائب ہونا چاہیئے رَزَقَنَا اللّٰہُ التَّوْبَۃَ وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ کُلِّ الْمَکْرُوْھَاتِ اور جو آداب کہ طعامِ فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجالاتے ہیں یہ بھی اپنے فاسد خیالوں کا اتباع ہے، کیونکہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحبِ فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا۔ پس وہ آداب کیوں کرنے چاہئیں کہ صاحبِ فاتحہ کی بہ نسبت بھی ان کے جائز ہونے میں گفتگو تھی۔ اور وہ طعام ان کے ملک میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کے ملک میں ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے، کھلاتے۔ بلکہ وہ طعام صاحبِ فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے۔ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ان کی اولاد کے حوالہ کرتے، وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحبِ فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اس طعام کو اس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اس نے اس طعام سے کھا لیا ہے اور یہ ان کا پس خوردہ بن گیا ہے، پس یہ ساری باتیں اُن کے گمان ہیں، ان پر ہرگز ان کا یقین نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدیر ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہوتا ہم آدابِ طعام میں جو حد چاہیئے اس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہندو کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے، کیونکہ اکثر اوقات وہ دانوں اور غلّوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور کھانے والوں کے لیئے قید لگانی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیلِ حرام اور تحریمِ حلال پیدا ہوتی ہے اور اہلِ جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت

لہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مومنوں کو سب ناپسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے مقام میں اسی قسم کے قول ان سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی ممنوع ہیں کوئی شخص اس سے نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَقَالُوا مَا فِي بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپائے کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیان کا بدلہ دیگا بے شک وہ صاحب حکمت اور صاحبِ علم ہے۔ اور حجـر کے معنی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ لفظ اچھوتا سے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے۔ ہر کھو کا اور محتاج طعام کا مصرف ہے ھاں پرہیزگار، غیر پرہیزگار سے بہتر ہے۔ پس صحنک اور توشہ جو پچھلے لوگوں کے ساختہ پرداختہ ہیں، اور ردی فکروں کے رل جانے سے انھوں نے دور از حق حقیقت پیدا کرلی ہے، اور زمانۂ حال کے بزرگ اور اکابر تربیت اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں کے عین مقابلہ کے وقت میں تخصیص کے ساتھ ظاہراً ان کے بُرا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش ہوجاتے ہیں ان کے خاموش رہنے سے دھوکا نہ کھاکر ان کے مٹانے میں کوشش کرنی چاہئے کیونکہ یہ قیدیں ہوتے ہوتے بڑی خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا کے خیال میں یہ قیدیں شرعی قیدوں سے ضروری ہوچکی ہیں اس لئے کہ وہ ان کے التزام کو اسلام اور ایمان کا جزو گمان کرتے ہیں۔ اور ان کے تارک اور جڑ کو اکھاڑنے میں کوشش کرنے والے کو ایمان سے خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک

www.abulhasanalinadwi.org

پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود کے برخلاف ہو کر واجب الترک ہو جاتی ہیں اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فرض سے جدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے یاد کر کے اس کو عمل میں لانا چاہئے۔ نذر اور نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گذر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں۔ اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا جلّ شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کر کے حدیث شریف لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے مطابق ملعون ہوتے ہیں۔ اور بقول اکثر علماء یہ لعنت کفر کی وجہ سے ہے پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات تو یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو ثواب پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنیٰ ان کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے خدا تعالیٰ کے لئے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہیگا نہیں، غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہی بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح ان سے پیار کرتے ہیں، اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبّت رکھتے ہیں۔ اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں، اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھکر اللہ جلّ شانہٗ کے دربار میں دعاء کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ پس اس وقت میں حق اور ثواب

لہ یعنی جو غیر اللہ کیلئے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے طالب اور خدا اور رسول کی مرضیات کے تتبع کے لئے یہی چارہ ہے کہ جس شخص کے روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو تو طعام اور اس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اس وقت کے فقیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے اور ساری قیدوں اور رسموں کو یک لخت دور کر دے۔

دوسری ہدایت ان بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں کے میل جول کی وجہ سے عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں، اور اس میں تین افادے ہیں۔

پہلا افادہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا رافضیوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عام اہل سنت کے دلوں میں داخل ہو گئی ہیں پس سنت کے متبع اور بدعت سے متنفر حق کے طالب کو چاہیئے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یار رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ پس مسلمان آدمی کو چاہیئے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے، کیونکہ وجوہ تفضیل کا ڈھونڈنا دین کے واجبوں بلکہ مستحبوں سے بھی نہیں، خاص کر عام مسلمانوں کے لیے تو اس تلاش کے پیچھے پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور ہو جانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا جاتا ہے کہ خلافت سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت لطیف قرب ہے اور خلافت میں سبقت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت اور قرب کے لحاظ سے حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں لیکن خلافتِ راشدہ نبویّہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدم ہونا اس وجہ سے ہوا ہے کہ صاحبانِ مناصب اور مراتب کی بھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کے ظاہر ہونے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔ گو ان کا مرتبہ اور قرب زیادہ تھا اس کی مثال یہ ہے کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحبِ منصبِ متقدم کو صاحبِ منصبِ متأخر سے پہلے خلعت پہنائیں۔ اگرچہ صاحب منصب متأخر کا قرب و ارتضا اور وجاہت زیادہ ہو اور حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آلِ اطہار میں کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ ان میں سے بعض بزرگوں نے اَعْلَى اللّٰهُ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْعِلِّيِّيْنَ اس کام میں بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اٹھائی ہیں۔ اور اہلِ ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب علی مرتضیٰؓ ہی کیطرف منسوب ہیں پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبوں والے ہوں گے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا۔ اور بعض متصوفین کے لئے اس مقام

کا ظاہر ہونا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے مقام کا پوشیدہ رہنا اس امر کا باعث ہوگیا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں متردد ہوکر اہل سنت کے راسخ عقیدہ سے پھسل گئے ہیں ورنہ درحقیقت خلافت کے انتظام کی وجہ سے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے جو شان حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے ثابت ہے اس بزرگی کے ساتھ اس کو افضلیت اور مساوات کی نسبت نہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کی شان خلافت سے قطع نظر اس شرح صدر اور حوصلے کی فراخی اور اخلاق اور تدبیر منزلی اور مدنی اور سیاستِ ملکی وغیرہ کے ہر باب میں اعتدال کے قائم رکھنے کی وجہ سے جس کو تشبیہ بالانبیاء کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام فرمانبرداروں پر اس مذکورہ بزرگی کی بہ نسبت بہت ہی بلند ہے، ظاہر میں ان دو شخصوں کے مرتبوں کی باہمی نسبت اس کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ ایک تو وہ امیرِ کبیر ہے جو حقوقِ خدمت بجالاکر امورِ سیاست سے فارغ ہوکر بادشاہ کا ملازم ہوگیا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو ابھی خدمت اور کارگذاری میں مشغول ہے پس اگرچہ سرسری نظر میں تو اس امیرِ کبیر کی خدماتِ ملکیہ سے مستعفی ہوکر بادشاہ کے حضور میں مصروفیت اور ملازمت بارگاہِ سلطانی کی وجہ سے ظاہر حشمت اور شوکت اور فرمانبرداروں کی کثرت اس مصاحب کی اس امیر اعظم کی بہ نسبت جو اپنی خدمت میں لگا ہوا ہے کچھ بھی نہیں یا بہت تھوڑی ہے لیکن اس مصاحب کی عزت اور وجاہت اس امیر اعظم سے بڑھ کر ہے کیونکہ دراصل وہ امیر اپنی ساری شوکت اور دبدبے اور فرمانبرداروں کے ہمراہ گویا اس مصاحب کے فرمانبرداروں کے ہمراہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا مشورہ بادشاہ کے تمام فرمانبرداروں کے حق میں جاری ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ الٰہی کے مقبول تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے درجہ کے بلند کرنے کی طرف متوجہ تھی اس واسطے خلافت میں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر

www.abulhasanalinadwi.org

مقدم کئے گئے تاکہ ان کو بھی اپنے جیسے لوگوں کے مرتبے کے مرتبہ مل جائے۔

دوسرا افادہ۔ اگرچہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امتِ مصطفویہ (علیٰ امامہا الصلوٰۃ والسلام) کی بہ نسبت صحابۂ کبار میں سے ہر ایک کے لئے فضیلت ثابت ہے، لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین متین کے رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر بے شک افضلیت ثابت ہے لیکن جس طرح کہ اس فرزند پر اپنے باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم اور ہنر میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا ہے ان بزرگوں پر بھی صحابہ کی تعظیم واجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِکُمْ اَیَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِیْهِنَّ کَانَ کَمَنْ قَبَضَ عَلَی الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِهٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْکُمْ۔ یعنی تمہارے پیچھے صبر کے دن ہیں پس ان میں صبر کرنے والا چنگاڑے کو پکڑنے والے کی مانند ہوگا ان دنوں میں (نیک) عمل کرنے والے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملیگا، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر، آپ نے فرمایا تم میں سے پچاس کا ثواب اس کو ملے گا۔

تیسرا افادہ۔ ماہِ محرم میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیہ سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو گئی ہیں۔ پس ان کے احوال جاننا اس زمانہ کے ضروریات سے ہے تاکہ کامل ایماندار اس سے پرہیز کرے اور جو شخص (پھر بھی) اس کا مرتکب رہے اس کے لئے جہالت اور غفلت کا عذر باقی نہ رہے۔ اور ان بدعتوں کی ظاہر میں چند صورتیں ہیں۔ اول قبروں اور مقبروں اور علم اور شدہ وغیرہ کی نقل اتارنا بھی بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ قبروں اور مقبرے کی شکل بنانا اور اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

تعظیم کرنا اور حضرت امامین علیٰ جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نام رکھنے کی وجہ سے اس کو اصل قبر اور مقبرہ کے جابجا جاننا بت پرست مشرکوں کے اطوار سے ہے بت پرستی کی اصل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک شکل تراش کر اور ایک شخص کا نام اس پر رکھ کر جو معاملہ کہ اس سے کرنا چاہیئے اس نقل کے ساتھ جو گھڑی ہوئی لکڑی یا پتھر ہے عمل میں لائیں اور اس مقام میں فی الواقع قبریں (بھی) ہوں، دعا اور سلام علیک کے سوا کچھ بھی ماثور نہیں۔ اور اہل زمانہ جو کچھ تعزیوں کے ساتھ کرتے ہیں واقعی قبروں کے ساتھ بھی کرنا نہیں چاہیئے چہ جائیکہ وہ قبریں بھی جعلی اور بناوٹی ہوں۔ اور یہ مبتدع سجدہ اور طواف کی عبادت کر کے اپنے آپ کو صراحۃً شرک کی حد تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور شدہ اور علم اور تعزیہ جب مسجود ہو جائیں تو سب بت پرستی کے معنی میں ہے۔ پس طالب حق کو اس امر باطل کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اس کے دور کرنے میں نہایت کوشش کر کے جبر اور زور کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز مکروہ نہ جانے بلکہ بت شکنی کی طرح اس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے کہ بدعتی جاہلوں نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے، مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے کیونکہ ان افعال کے دور کرنے اور ان کے فاعلوں کی اہانت کرنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی رضا مندی ہے، اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا جانے۔ اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے بہت ادنیٰ درجہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پائے اور ان پر قادر ہو جائے تو بلا اہانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں ان کے توڑنے کا ارادہ کرے، اور اگر تعزیہ والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی اہانت آمیز حرکت صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پروا نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم

www.abulhasanalinadwi.org

بڑھائے۔ لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ فتحِ مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اس کو اہانت کے ساتھ نہ توڑا سو اس کا باعث یہ ہے کہ اُن دنوں میں عرب کے جہّال کو الفت دینا امورِ ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جہالت اور نادانی کے ورطہ میں غرق تھے، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہانت ان نادانوں کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بُت کی اہانت کو حضرتِ خلیل کے مذہب پر مخالفت پر حمل کر کے اس نبیِ وقت کی دعوت سے جو آپ کی متابعت کے مدعی تھے متنفر ہو جاتے، اور تعزیہ کا امر تو اس سے بالکل برخلاف ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ تو جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علومِ حقہ کے تواتر اور ہدایت کی شہرت کا زمانہ ہے۔

دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پیٹنا اور کپڑوں کا پھاڑنا اور بین کرنا اور انہی جیسی اور رسمیں مطلقاً حرام ہیں۔ کسی کے مر جانے پر ایسے کام جائز نہیں۔

تیسری صورت ایامِ مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں اور اس کی اصلیت تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے مر جانے کی وجہ سے غم اور اندوہ ظاہر کرنے کے لئے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے، اکثر اوقات بعض جاہل تو فرضوں اور واجبوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے، لیکن مباح کا ترک کر دینا سو وہ حلال زینت کا چھوڑ دینا ہے، جیسے مرد کنگھا نہ کرے یا سفید اور عمدہ کپڑے نہ پہنے یا آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے یا خوشبو کو استعمال نہ کرے اور مزاج پُرسی نہ کرے وعلیٰ ہٰذا القیاس اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور اسی طرح عورتیں اپنی زینت چھوڑ دیں اور کسنب سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں اور مہندی نہ لگائیں اور اس کے سوا اور اسبابِ زینت میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کریں، ہر میت کے مرنے سے تین دن تک یہ سوگ مباح ہے اگر نہ ہو تو بہتر ہے اور اگر کر لی جائے تو گناہ نہیں۔ اور اس سے

www.abulhasanalinadwi.org

زیادہ کی حرمت حدیث شریف میں صراحۃً موجود ہے۔ ہاں عورت کو اپنے خاوند کے مرجانے پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا فرض ہے اگر نہ کرے تو گناہگار ہوگی اس کے سوا تمام سوگ حرام ہیں خواہ وہ کسی پیغمبر پر ہوں یا صدّیق یا شہید پر موت یا قتل یا شہادت کے دنوں میں اس حکم میں کسی کی تخصیص نہیں پس جو شخص کہ محرم کے پہلے دس دنوں میں اظہارِ مصیبت کے ارادے پر کسی مباح کو ترک کرے گناہگار اور حرام کا مرتکب ہوگا، اور اگر اس قصد کے سوا ترک ہوجائے تو کوئی گناہ نہیں مثلاً جو شخص آنکھوں میں سرمہ لگانے کا عادی نہ ہو اگر ان دنوں میں بھی سرمہ نہ لگائے تو گناہگار نہیں۔ اور جو شخص کہ اس کا عادی ہے اور صرف انہی دنوں میں چھوڑ دے تو قصدِ مذکورہ کا قوی گمان ہے اور اسی قصد پر گناہ کا مدار ہے۔ حاصلِ کلام مدار نیّت پر ہے اور اپنی نیت کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ ایک مشتبہ صورت باقی رہی اور وہ یہ ہے کہ ایک انہی محرم کے دس دنوں میں مباحات کو ترک کر دیتا ہے لیکن سوگ کے ارادے پر ایسا نہیں کرتا، بلکہ مبتدع لوگوں کی طعن وتشنیع سے بچنا اس کی غرض ہے کہ اگر ان دنوں میں مباح کو نہ چھوڑیگا تو بدعتی لوگ اور عام اہلِ زمان اس پر طعن کریں گے اور اس کو اہلیت کی عداوت اور بغض سے متہم کرکے طعنہ زنی کریں گے اور حقارت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں گے یا کوئی دنیوی نقصان پہونچائینگے اگرچہ اس ارادے سے مباح کا چھوڑنا حرام نہیں، لیکن خلل سے خالی بھی نہیں کیونکہ یہ بھی ایک ایسے امر کا ارتکاب ہے جو ظاہر میں حرام ہوتا ہے اور اس سے بدعتیوں کی موافقت لازم آتی ہے اور اس کا یہ فعل جو ظاہراً منع ہے آئندہ نسلوں کے لئے محلِ اتباع رہیگا اور پچھلے لوگ اس کے کام کو حجّت گردان کر اپنی پلید نیّتیں اس کے ساتھ جوڑ لیں گے۔ اور بدعتی لوگوں کی بدگوئی کا عذر مقبول نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ

www.abulhasanalinadwi.org

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ یعنی اور ضرور تم اپنے سے پہلے اہلِ کتاب اور مشرکوں سے دکھ دینے والی بہت سی باتیں سنو گے، اور اگر تم نے صبر کیا اور پرہیزگار بنے تو بیشک یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔ اور دنیوی نقصان اٹھانا اہلِ بدعت کی موافقت سے بہت بہتر ہے اور دین داری کے کاموں میں اس کا لحاظ کرنا کمالِ ایمان سے دور اور ایمان کے نقصان کا باعث ہے، ہاں ان کی توبہ کی امید یا اسی جیسی کسی اور دینی نفع کے لئے اتنے تساہل کا مضائقہ نہیں۔

چوتھی صورت، دوسری صورت کی ایک باریک شاخ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجلس منعقد کرکے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ شہادت کا قصہ اس ارادے سے بیان کریں کہ لوگ اس کو سُنکر افسوس اور حیرت اور گریہ وزاری کریں اگرچہ ظاہر نظر سے اس میں کچھ خلل ظاہر نہیں ہوتا، لیکن درحقیقت یہ بھی مکروہ ہے اور ناپسندیدہ کام ہے اس لئے کہ صدمے کے حادث ہونے یا اس کے بیان کے وقت میں استرجاع[1] اور صبر کا حکم دیا گیا ہے، افسوس اور حسرت کے اظہار اور تکلف کے ساتھ اس کے پیدا کرنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ پس کسی مصیبت کے آجانے یا اس کے یاد کرنے کے وقت صابرین کے طریق کو اختیار کرنا گو تکلیف ہی سے ہو لازم ہے اور گریہ وزاری اور جزع وفزع کے اسباب کا جمع ہونا بیشک صابرین کے طریق کے برخلاف ہے اور جو لوگ اس صورت کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے دلوں میں اسے حضرت امامین رضی اللہ عنہما کی نہایت محبت اور کمالِ بزرگی جانتے ہیں اور یہ ظاہر مغالطہ ہے کیونکہ مصائب کا تکرار اور اس کا ذکر کرنا مصیبت والوں کی ناخوشی کا باعث ہوا کرتا

---

[1] اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا۔ یعنی ہم (بھی) اللہ کا مال ہیں اور ہم اس کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کرتا ہے تو وہ ایک مصیبت تھی جو گزر گئی، پھر اس کے تکرار اور ذکر کا کچھ فائدہ نہیں۔ جو صحیح العقیدہ مومن اس کو سُنے گا اس کو غم اور اندوہ پیدا ہوگا۔ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ اگر بالفرض ان باتوں کو سنیں تو ضرور رنج حاصل کریں گے۔ اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اور تکلیف حضرت سیدالشہداء اور باقی شہدائے کربلا اور اس مشہدِ مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمالِ بلندی کا باعث ہوئی ہے، پھر ہرگز غم اور اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے۔ اور جو لوگ اپنے زعم باطل سے اپنے آپ کو حضرات اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محب قرار دیکر صریح ممنوع اور حرام امور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود اور مطرود ہیں اس لئے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع امور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لئے بڑی جانبازی کے کام کئے ہیں، پس جو شخص امور مذکورہ بجالا کر ان کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح حضرت امام حسین رضؓ کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز امور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا تو حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا، اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لئے زہر قاتل ہے، اُسے چاہیئے کہ شریعت کے حکم کو لازم الاتّباع جان کر اس کو نہ چھوڑے۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے ماتم وغیرہ امور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے تو اپنی محبت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکمِ شرع پر راجح کرنا ہے ممکن ہے کہ دھوکا دہی کے باعث اپنی چھپی ہوئی بُری صفتیں معلوم نہ ہوں اور

www.abulhasanalinadwi.org

ایک صفت دوسری صفت سے مشتبہ ہو جائے، جیسے بیمار جو اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور جو محبت کے مدعی یہ کام کرتے ہیں ان کے دعویٰ کو جھٹلانے والی بہت نشانیاں موجود ہیں، اس واسطے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ گریہ زاری اور محفل آرائی کے جوش اور تعزیہ سازی سے ہرگز حضرت امام رضی اللہ عنہ راضی نہیں ہوتے۔ اور ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس صرف نفسانی خواہش ہی کے لئے وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس امر کو فریب اور مکر کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا راضی کرنا کہتے ہیں درحقیقت وہ نفس و شیطان کا راضی کرنا ہے اور اس جھوٹے دعویٰ کے ساتھ کہ یہ تمام خرچ اور کام آپ کی محبت کی وجہ سے ہیں جہلا کی نظروں میں اپنے برے کاموں کو نیک ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اگر حضرت امام کا راضی کرنا اور آپ کی محبت منظور ہے تو اس مال کے محتاج سادات پر کیوں خرچ نہیں کرتے اور ان کی تعظیم اور اعزاز میں کوشش کیوں نہیں کرتے اور اشتباہ نسبت کا بہانہ ہر جگہ پیش نہیں کیا جاتا اس لئے کہ بہت سے صحیح النسب سید بھوک کے مارے مرجاتے ہیں اور یہ لاف زن مدعی جان بوجھ کر اپنے غلاموں بلکہ کتوں کے برابر بھی ان کی خبرگیری نہیں کرتے، سادات کے بارہ میں ان کی اس قسم کی بے پروائی کے ظاہر ہونے کے باوجود پھر بھی انکو محب اور مخلص سمجھنا محض نادانی اور حماقت ہے، دین متین کی اشاعت اور شرع مبین کے احکام کے رواج دینے میں اپنی جان و مال کو خرچ کرنا اور امر معروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی پروا نہ کرنا اور کافروں اور فاسقوں، بدعتیوں پر ظاہر انکار کرنا اور ان کی چاپلوسی اور خوشامد سے پرہیز کرنا اور بالکل مداہنت نہ کرنا اور آپ کی بزرگوار آل کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دینا اور قولی اور فعلی اور مالی عبادت کا ثواب آپ کی پاک روح کو پہنچانا سچی محبت کے نشان ہیں۔ پس جو شخص ان امور میں قصور کرکے حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر نفسانی کھیلوں میں مال خرچ کرتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے وہ بیجا اور بے محل جھوٹ باندھ کر اپنی عاقبت کی تباہی سے بے ڈر ہو گیا ہے۔
اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ شَرِّ الْمُنَافِقِیْنَ الضَّالِّیْنَ۔

تیسری ہدایت ان بدعتوں کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے التزام سے عوام الناس میں پھیل گئی ہیں۔ اور اس ایک تمہید، دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔

تمہید۔ جو رسمیں کہ شادی اور ماتم کے موقع پر ہندوستان کے ملک میں رائج ہو گئی ہیں اور ان کا التزام لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا ہے، اور ان کا چھوڑنا رواج کی مخالفت اور طعن و تشنیع کے سبب سے نہایت شاق گذرتا ہے اور جاہل لوگ ان رسموں کے اہتمام کو شرعی واجبات پر مقدم اور ان کے چھوڑنے کو محرمات سے زیادہ جانتے ہیں دینی اور دنیوی امور کی بربادی کا باعث ہیں کہ لوگوں کو نہایت تنگی میں ڈال کر ضروریات دین سے باز رکھتی ہیں۔ مثلاً ختنہ کی دھوم دھام کا التزام یہاں تک پہنچتا ہے کہ نا ختون بالغ بڑی عمر کا ہو جاتا ہے اور بے حیائی اور بے پردگی کا باعث بنتا ہے اور بعض اوقات یہ شرعی شعار رہ ہی جاتا ہے، اور ایسا ہی نکاح کے معاملہ میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے وہ جوان آدمی کے واسطے حرام کاری کا باعث بنتی ہے، بالغ ہونے اور جوانی کے زور کے بعد بڑی مدت تک انتظار کرنا اور ارتکاب حرام سے صبر کرنا نہایت دشوار ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح ماتموں میں اگرچہ تاخیر کو ان میں گنجائش نہیں لیکن ان رسموں کا التزام ضروری امور میں حرج کا باعث ہوتا ہے، اور رسوم کے پابند لوگ تجہیز و تکفین اور قبر کے کھودنے میں سستی کر کے ادائے سنت سے قصور کرتے ہیں اور طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی کرتے ہیں اور ماتم اور شادی کی رسوم کی حفاظت کے لئے واجب حقوق سے غفلت کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسم کے چھوڑنے کی شرمندگی انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے اور رسم کی حفاظت کے واسطے اپنی معاش کے اسباب کو بیچ کر مفلس ہو جاتا ہے اور گداگری کو جو دونوں جہان

www.abulhasanalinadwi.org

کی ذلت کا باعث ہے اپنے آپ پر گوارا کر لیتا ہے اور یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ان رسوم کے سخت پختہ ہو جانے اور ان کے چھوڑنے والے کے حال پر طعنوں کے متوجہ ہونے کے باعث ہی پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کو عمداً چھوڑ دے تو وہ اس قدر ملامت کا سزاوار نہ ہوگا جس قدر کہ شادی کی محفل میں ناچ، راگ کے ترک سے ملامت کا مستحق سمجھا جائیگا، اسی واسطے ایسے آدمیوں کو کھانوں میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے اور وہ شادی کی محفل کی آرائش میں نہایت کوشش کرتے ہیں حالانکہ چھوٹے بچے بھوک کے مارے مرنے لگتے ہیں اور کمالِ جہالت اور نادانی ہے کہ اس الٹی بات کو کمالِ مروّت اور جوانمردی جانتے ہیں، اور ایسی ضرورتوں کے پیش آنے کے موقعوں پر حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتے اور جہاں سے جس طرح مال ہاتھ آئے اس کے لینے کی پروا نہیں کرتے اور جب مال ہاتھ آجاتا ہے تو صریح خلافِ شرع اور خلافِ عقل اور محض شیطانی راستے میں اس کو خرچ کرتے ہیں۔ حاصلِ کلام رسموں کے التزام کی بنا اور ان کا اہتمام دنیا کی غیرت اور عزت اور نام پر ہے اور جس کام کی بنا ایسی ہو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے بلکہ عالم ملکوت سے اس کام اور اسکے کرنے والے پر لعنت کی آوازیں آتی ہیں اور اس کا دیکھنا کامل ایمانداروں کے صاف دلوں کی کدورت اور تاریکی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے مرتکب سے حساب ہوگا کہ اس قدر مال بیجا خرچ کر کے اخوان شیاطین کی جماعت میں کیوں داخل ہوا اور اکثر ناجائز امور کے ارتکاب اور حرام کی پروا نہ کرنے کے باوجود بھی مجبوراً ان سے یہ رسمیں خود بخود موقوف ہو جاتی ہیں پس اگر پہلے ہی پہل اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے اگر بیہودہ رسموں کو چھوڑ دیں تو ان کی معاش اور معاد کی کس قدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی رضامندی اور خوشنودی ان کو نصیب ہو۔ پس راہِ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور

www.abulhasanalinadwi.org

قبیلہ دار محلہ اور شہر اور ملک سے ان کی موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اسے اس کا اجر اور ثواب ملیگا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری سعی کی قدر نہ ہوگی یا میرے خویش اور اقرباء میری متابعت نہ کریں گے ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا محض قبیح ہے، جب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا فکر کیا ڈر۔ ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اس کی کوشش اس حدیث خیر الھدی ما اُتّبِعَ[1] کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگوں کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے، تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعیین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجبِ ثواب ہو بجالائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا منتظر رہتا ہے اور خویش و اقرباء جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعا اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیئے، اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت موکدہ ہے اور سب رسموں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس مقام میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب جان کر

[1] بہتر ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے

www.abulhasanalinadwi.org

اور دل و جان سے اس پر راضی ہوکر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی ان تمام رسموں کو جو آپ کے برخلاف ہوں یا صحابۂ کرام کے طریقہ پر ان سے زیادتی لازم آئے ترک کردے اور ان پر کراہت ظاہر کرے۔ اور اگر بیٹیوں کے مار ڈالنے یا اس جیسی زمانۂ جاہلیت کی وہ رسمیں مروج ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نابود ہو گئی تھیں اور ان کے ابطال میں آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقول ہیں تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے۔

پہلا افادہ۔ بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بد رسموں سے ہے جو ہندوؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہو گئی ہے کہ (لوگ) اس جائز بلکہ مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ بُرا جانتے ہیں، پس اس کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دے اور اگر اس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کے لئے ان سے ملاقات اور برادری ترک کردے کیونکہ غالباً بلکہ یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندوؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو ہرگز پروا نہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہلِ حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلقی کو مدنظر رکھے۔

دوسرا افادہ۔ اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا اور ان کی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسومِ جاہلیت کا وہ بقیہ ہے۔ راہِ امتِ مرحومہ میں نہایت درجہ پھیلی ہوئی ہیں اور سادات اور پیر زادوں جیسے بلند خاندانوں والے اس میں گرفتار ہیں

www.abulhasanalinadwi.org

اور اسی افتخار میں اعتماد کی وجہ سے اہلِ اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہلِ ایمان کی بڑی بزرگی یعنی پرہیزگاری اور نیکوکاری کو بالکل فراموش کرکے ان کی بجائے تکبر اور اکڑ بازی اور بدعتوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کرکے کلام اللہ اور کلام رسول کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، گویا انہوں نے آیتِ کریمہ [1] لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور آیۃ کریمہ [2] لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا اور آیت [3] یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ، اور آیت [4] تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ، اور حدیث [5] اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْا اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ اور انہی جیسی اور آیات اور احادیث کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سنا اور محض اپنے وہموں اور ظنوں اور اپنے جیسے لوگوں کے باطل مسلّمات پر اعتماد کرکے اپنی جان کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا۔ سبحان اللہ یہ کیسی نادانی اور حماقت ہے کہ یہ لوگ

---

[1] اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لئے اس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ [2] کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئیگا۔ [3] جب نرسنگا پھونکا جائیگا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہوگا۔ [3] اے لوگوں ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے تم کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو بیشک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے ہاں زیادہ باعزت ہے۔ [4] وہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی ہے ان کے اعمال کا فائدہ انہی کو پہنچے گا اور تمہارے اعمال کا تم کو [5] بیشک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کردیا ہے آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر بدبخت ہے سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی کے تھے۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

نجات کے یقینی اور قطعی اسباب کو چھوڑ کر وہمی اور ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اس کے مشابہ ہے کہ ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی امید تھی، پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد کر دیا۔ القصہ اگر یہ نسبی علاقہ آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا، کیونکہ نسبی علاقہ اختیاری افعال سے نہیں کہ غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ٹوٹ جائے۔ پس جب غافل آدمی کو قیامت کے دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائیگا، تو اس کو غیر مترقبہ نعمت کے حاصل ہونے کے باعث دوگنی خوشی حاصل ہوگی، اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کارآمد نہیں ہے اور اس شخص نے اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گذار دی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت اٹھائیگا اور نفسانی رنجوں اور روحانی عذابوں میں گرفتار رہے گا۔ پس اس نسبی علاقہ کی پروا نہ کرنا اور ایسے وہمی امور پر بھروسہ نہ کرنا ہر طرح اچھا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

فائدہ:۔ بزرگوں کی اولاد میں میراث کے طور پر ایک استعداد رکھی جاتی ہے لیکن محض استعداد امورِ معاش یا معاد میں کارآمد نہیں ہے، اگر وہی استعداد ظاہر ہو جائے اور سیکھنے سکھانے اور شریعت پر کاربند ہو جانے کے باعث جلوہ گر ہو پڑے تو البتہ اس سے بڑے بڑے کام اور فائدے نکلتے ہیں۔ اور ان استعدادوں کو بھی ان ازلی استعدادوں کے قائم مقام سمجھنا چاہیئے جو بھلی، بری استعدادوں سے ازل الآزال میں ہر شخص کے حصہ میں آئی ہیں۔ لیکن جزا کی بنا محض استعدادوں پر نہیں اسی واسطے جب تک اس استعداد کے آثار ظاہر نہ ہوں جزا کے کارخانے میں وہ استعداد کسی شمار میں نہیں آتی۔ ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ ہدایت اور گمراہی

www.abulhasanalinadwi.org

کے اسباب بہم پہنچنے سے نیک بختی اور برائی کے آثار اسی کے موافق ظاہر ہونگے پس ثمرات بالفعل مترتب ہونا آثار پر موقوف ہے اگرچہ ان کو ایک پوشیدہ سا ربط استعدادوں کے ساتھ بھی ہے لیکن استعدادوں کے ساتھ ثمرات کا ربط بہت پوشیدہ ہے اور آثار کے ساتھ بہت ظاہر، مثلاً آلات حرب کے ساتھ منافعِ حرب کو ایک ظاہری ربط ہے اور لوہے کے ساتھ پوشیدہ، اسی واسطے فولاد کی زنگ خوردہ تلوار وہ کام نہیں کرتی جو لوہے کی مصقل تلوار کیا کرتی ہے۔

دوسری فصل۔ تہذیبِ اخلاق میں۔ اور اس میں دو ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے اجمال ذکر میں۔ اور اس میں تین تمہیدیں اور پانچ افادے ہیں۔

پہلی تمہید بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور ریا اور کذب اور طمع اور حرص جیسی بد عادتوں کے ساتھ سالکانِ راہِ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا ان پر رحمانی فیض کے اترنے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے سلف صالح ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور ان کے دل صاف ہو جاتے، اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے جو محض اللہ تعالیٰ کے خوشنود کرنے کے واسطے عمل میں لاتے، مقبول ہو جاتے اور جو شخص کہ سلوک کے مراتب طے کرنے کے باوجود آثارِ عنایت کا مورد نہ بنے تو بیشک ان تمام رذائل یا بعض کے آثار اس میں موجود ہوں گے پس ان رذائل کا وجود عنایاتِ الٰہی کے ورود کا مانع ہے۔

دوسری تمہید سلف صالح کے واسطے بدعادتوں سے نفس کے پاک کرنے میں۔ اللہ کی توفیق سے یہی اسلامی نیک اعمال اور اپنے پیشواؤں کی ہم نشینی

www.abulhasanalinadwi.org

ہی کافی ہوا کرتی تھی اور اس فن کے لوگوں نے طِب کے طور پر ان کی علامتوں اور اسباب اور معالجوں کو تحقیق کر کے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لیکن وہ بیان نہایت واضح اور روشن ہونے کے باوجود کافی نہ تھا بلکہ پست ہمت لوگ ان بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے یہی گمان کرتے ہیں کہ انہی لوگوں کا حال ہے جو گذر گئے ہیں اور حظیرۃ القدس میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کی ماہیت کچھ اور ہی تھی کہ ان کثیر عملوں اور مشکل محنتوں پر قائم رہے اور اپنے آپ کو اس مقام سے بہت دور خیال کرتے ہیں اور بعض غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو ان بدعادتوں سے بالکل پاک اور ان کی ضد" یعنی محض نیک عادتوں " سے مزیّن جانتے ہیں پس اس زمانے کے لوگوں کے مناسب حال یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کی طرف پہنچنے کے واسطے جس طرح شغل اور مراقبے کرتے ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں، اور بدون اس کے بارگاہِ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے رستے سے نہیں بلکہ ایک اور دروازے سے پہنچتے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پُرسش نہیں ہے، اور نفس اور شیطان جو کہ مقبولیتِ حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کی جا بجا ہیں ان کو نہیں چھوڑتے کہ اس مقام میں پہنچ جائیں، اعمالِ صالحہ اور رذائلِ مذکورہ سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام میں پہنچنا ممکن نہیں اور ان بدعادتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو مقامِ مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک خاص اجتباء حاصل ہو جاتا ہے کہ اعمال کی کثرت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب کر دیتا ہے اور ایسے برگزیدہ بندوں کے تربیت اور تلقین کی کچھ حاجت نہیں خود اللہ تعالیٰ ان کا مربی ہو جاتا ہے، مخلوقات میں سے کسی کا احسان ماننے اور تکلیفیں جھیلنے کے سوا

www.abulhasanalinadwi.org

ہی ان کو پسندیدہ خصلتوں سے مزین اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کر دیتا ہے، پس اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید اور حدیث شریف پڑھنے کا شغل کرے اور اپنے کچھ اوقات کو ان کے حاصل کرنے میں خرچ کرے تاکہ فضائل اور رذائل کی اصلیت سے واقف ہو جائے اور اپنے ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے پریشان نہ ہووے، بعد ازاں اس یاد داشت کے ساتھ مشغول ہو جائے جو نقشبندی طریقے میں مقرر ہے یعنی ذاتِ حق کا ہمیشہ ملاحظہ رکھے اور اسی ملاحظہ میں دوسرا ملاحظہ ملادے جس سے احکام شرعیہ کی تعظیم اور ان کی بجا آوری کا عزم اور منہیات شرعیہ کا اہتمام اور ان سے بچنے کا عزم مراد ہے، پس ہر وقت اور ہر جگہ تنہائی اور مجلس اور کوچہ اور بازار اور مسجد اور خانقاہ اور کھانے اور پینے اور یار دوستوں کی ملاقات اور معاش اور معاد کے وجوہ میں مشغول ہونے، القصہ تمام حالتوں میں باخبر رہے کہ کبھی منہیات شرعیہ کی طرف دل کا میلان نہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے اہتمام میں ہمیشہ دل کو چالاک اور با نشاط رکھے اور جملہ احکام شرعیہ سے نماز اور تلاوتِ قرآن مجید جیسی عمدہ اوامر کو خاص لحاظ کے ساتھ ملحوظ رکھے اور ہر حال میں اس کا دل نماز سے متعلق رہے اور جونہی نماز کا وقت پہنچ جائے یا اذان سن لے تو اس طرف سے غفلت نہ کرے اور کسی کام کو نماز پر مقدم اور اس سے ضروری نہ جانے اور ہر کام کا فوت ہونا نماز کے ادا کرنے کی جانب میں اس کو سہل اور آسان معلوم ہو، جیسے کسی محبوب کی ملاقات کسی عاشق کو میسر ہو جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے کام میں مشغول ہو اگرچہ اس کے ہزاروں کام فوت ہو جائیں گے تاہم وہ اپنے معشوق کے ساتھ بات چیت کو نہایت ہی مرغوب جانیگا، اسی طرح نماز کو حدیث شریف قرۃ عینی فی الصلوٰۃ[1] کے موافق اصلی خوشی اور راحت سمجھے، دنیا اور دین کا اور کوئی کام اس پر مقدم نہ رکھے

---

[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور اسی طرح دوسرے ارکان روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی تخصیص کرے اور اسی طرح جہاد کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھے کیوں کہ وہ سنام الاسلام ہے اور اس میں جان اور مال کے خرچ کرنے اور رنج اور تکلیف اٹھانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے اور جب اسی لحاظ اور خیال پر ہمیشگی کرتے ہوئے کچھ زمانہ گذر جائیگا تو ساری عادتیں عبادت بن جائیں گی، مثلاً وہ کھانا بھی ایسی ہی نیت سے کھائیگا جو اللہ جل شانہٗ کی خوشنودی کا باعث ہوگی، اور اسی وقت سوئیگا جب اس کا دل گواہی دیگا کہ اس وقت کا سونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے، باقی امور کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے، دل سے بدعادات دور ہو جانے کے بعد شجاعت، سخاوت، پاک دامنی، صبر، شکر، رضا، بقاء، توکل وغیرہا جیسی صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی لیکن مستقل طور پر ان کے حاصل کرنے کا بھی ارادہ کرے تاکہ ہر ایک کے ساتھ کمال طور پر موصوف ہو جائے اور جب اپنے دل کو پاک کر کے احکام شرعیہ پر چست وچالاک ہو کر سلوک کی راہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ سلف کی طرح عنایات الٰہی کا مورد ہوگا۔ اس کی عنایت کا کوئی ٹھکانا نہیں، جو لوگ کہ اس کی عنایات سے ممتاز ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم کے آدمی تھے اور جو لوگ کہ اس کی عنایتوں سے محروم ہیں وہ بھی اپنے ہی قصور سے محروم ہیں وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [1] اس کی خبر دے رہا ہے۔ شعر ؎

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بد اندازِ ماست ✲ ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور مامورات اور منہیات کا بیان لمبا ہے ان کی واقفیت کی سبیل یہی ہے کہ سالک کلام اللہ کو مضبوط پنجہ مارتے رہے اگر یاد کرے تو بہتر ہے اور اگر یاد نہ کر سکے

---

[1] اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تو قرآن مجید کی تلاوت کی پوری مہارت حاصل کرے اور اس کے معانی کو ظاہر کرنے والے ترجمہ سے آگاہ ہو کر تدبّر اور سوچ بچار کے ساتھ اس کی تلاوت کیا کرے اور صرف تلاوتِ قرآن کو بڑی غنیمت جانے کیونکہ یہ سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اور یہ اس کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو عربی معجز عبارت کے لحاظ میں ظاہر ہوئی ہیں، اور جب اللہ جل شانہ کی صفتیں اس کی غیر نہیں تو تلاوت قرآن کے وقت اپنے آپ کو ایک قسم کا واصل بذاتِ حق سمجھے اور وصول اور ہمکلامی اور سماع کی لذتیں حاصل کرے اور خود غفلت حجابِ اکبر ہے، جب غفلت کا پردہ اٹھائیگا اس کے ساتھ داصل ہو جائیگا۔ شعر

حضوری گر ہمی خواہی ❊ ازو غائب مشو حافظ

تیسری تمہید۔ اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت " جو تمام اہلِ اسلام میں مروج ہیں " بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبرِ خدا کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے، اور جس وقت سے کتابیں شروع ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہوگئی ہے۔ پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث مل جائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہلِ حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے اٹھانے والے ہیں ایک طرح سے آپ کی مصاحبت کر کے آپ کے مقبول ہوگئے ہیں، اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

پہلا افادہ۔ جو شخص امراء میں سے اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو ان امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکانِ طریقت کو چاہیئے کہ عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی ان کے واسطے ضروری ہے کیوں کہ ان کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے، عدالت میں گذشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے، اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفاء اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا اور اس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے۔ اور خلفا ء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ان یاد کو مقدم اور ضروری جانتے ہیں۔ اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان و شوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی عزت اور شوکت اور رعب ان کے دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا افادہ۔ ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اول تکبر یعنی اس سے کہ اپنے آپ کو سب لوگوں سے بہتر اور بلند جانے اور ہمیشہ اپنی بلندی اور بزرگی کا خواہاں رہے کیوں کہ یہ بری خصلت انسان کو کبر تک پہنچاتی ہے اسی واسطے اور خصلتوں اور عملوں سے بہت قبیح ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ، وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ۔ یعنی ایسا کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی بھر ایمان ہو گا اور

www.abulhasanalinadwi.org

ایسا کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر کبر ہوگا۔

دوم مسلمانوں کی ایک جماعت میں فساد و خرابی ڈالنا اور مکانوں اور وقتوں کے عموم کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں، ایک تو گھر والوں کو خرابی میں ڈالنا، دوم ایک شہر والوں کو، سوم ایک ملک یا چند ملک والوں کو، اور ایک قرن یا دو قرن یا اس سے زیادہ کا فساد بھی اسی طرح ہے۔ اور ان سب سے اعلیٰ وہ فساد ہے کہ کئی زمانوں تک اس کا اثر باقی رہے۔ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر بلوہ کرنے والوں کا فساد کہ اس کا اثر اس امّت کے تمام زمانوں پر محیط رہا ہے اور یہ وہ پہلا فساد ہے جو امت میں واقع ہوا۔ اور فساد کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو قتل سے ہوتا ہے اور کبھی اہانت سے اور کبھی عیبوں کے ڈھونڈنے سے اور کبھی بری صلاح دینے سے۔ اور یہ امور بھی اشخاص کے لحاظ سے فساد کے معنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً محلّے کے امورِ معاش اور معاد کے منتظم رئیس کے مار ڈالنے میں اور قسم کا فساد ہے، اور کسی عادل منتظم بادشاہ کا قتل کرنا پہلی قسم سے ہزار ہا درجہ قبیح ہے کیونکہ یہ کام تمام لوگوں کے امور کی پریشانی کا باعث ہے۔ ایسا ہی کسی مسجد کے ایسے مہتمم کو "جس کے باعث چند مسلمان نماز کے واسطے مسجد میں جمع ہوتے ہیں" قتل کر دینا قبیح ہے۔ اور کسی ایسے باکمال عالم کو "جو مشکلات کا حل کرنے والا اور خاص و عام کا مرجع ہو کر اپنے وقت کا امامِ اعظم اور زمانہ کا بخاری اور غزالی ہو چکا ہو" مار ڈالنا ایسا برا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اور اہانت اور تجسس عیوب کو بھی قتل پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ اور جس قدر خرابی زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان کا نقصان زیادہ ہوگا۔ اور اس بدکام کی زیادہ برائی کا یہی باعث ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے حق ضائع ہوتے ہیں اور بہت سارے گناہوں کا نتیجہ مدتوں تک باقی رہتا ہے اور فتنہ انگیز مفسد پر اس قدر وبال اکٹھا ہو جاتا ہے کہ غضبِ الٰہی

www.abulhasanalinadwi.org

میں گرفتار ہو کر برے خاتمہ کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ در اصل ظلم کا منشا یا تکبّر ہے یا افساد، پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا افساد کی۔ اور تکبر اور افساد سے احتراز کرنا اسی وقت پورا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے۔ حدیث شریف میں ہے:[۱] اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

تیسرا افادہ۔ مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلّی اور مصیبتوں میں توکّل اور اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں میں سے ہر نعمت خاص کر اس نعمت کے لئے جو بمقتضائے[۲] اِنَّ لِلّٰهِ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا۔ خوشبو کے طور پر ہواؤں کے پیچوں میں چلتی ہے اور ان عالی دماغ لوگوں کے دماغوں کے سوا جو "خاص الٰہی رحمت کے مہبط ہو گئے ہیں" نہیں پہنچتی۔ اس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جس طرح کہ چاہیے اپنے دل میں نقش کرنی ضروری ہے کیونکہ اسی نقش کے اہمال نے ہی ایک جماعت کو جو اہل کتاب کے نام سے موسوم تھی[۳] وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ کے داغ سے داغدار کر دیا اور ایک بد انجام گروہ کے حال کی برائی کے بیان میں، جو مشرکین کے نام سے تمام

---

[۱] کیا میں تم کو روزے اور صدقے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتاؤں، لوگوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) کیوں نہیں! آپ نے فرمایا وہ آپس کی بگاڑ کی اصلاح ہے، اور آپس میں پھوٹ ڈالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے ۱۲ منہ۔ [۲] بے شک تمہارے زمانہ کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں خبردار پس ان کا تعرض پکڑو۔ [۳] اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اس کی۔ جس وقت کہا انہوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ۔ ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

مخلوق میں بدنام ہے نشان[1] وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ جو کہ سخت انتقام کی علامت ہے، بلند کیا۔ پس جاننا چاہیئے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچاننا ایمان کا لازمہ ہے۔ ہر ایماندار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اس کی سمجھنے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ کوئی عجیب امر سنتا ہے اس کو بعید جانتا ہے، ہاں اسلامی عقیدہ کی طرف رجوع کر کے ایسا انکار نہیں کرتا کہ اس کو اسلامی دائرے سے نکال کر کفر کے گڑھے میں پھینک دے لیکن شدید استبعاد اس کے دل سے نکلتا نہیں اگرچہ ایمان کے واسطے تو اسی قدر جاننا کافی ہے مگر جو معرفت یہاں مطلوب ہے وہ تو اس مرتبہ سے بہت بلند ہے، یعنی وہ جاننے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر ہوتی ہے اور جب کسی امر کو گو وہ نہایت ہی عجیب ہو حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ آدھا آسمان ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور باقی دھا کھڑا ہے تو اس بات کو سن کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لحاظ سے ن کا دل قبول کر لے ہاں ان دوسرے عقائد کی طرف رجوع کرنے کے بعد کہ قیامت سے پہلے تو آسمان ٹوٹنا نہیں اور قیامت کے واسطے فلاں فلاں علامتیں ہیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اس قول کو خلاف واقع جان لے گا اور اسی بات کی تحقیق کے واسطے اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ ط اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔

---

[1] اور جس طرح کہ چاہیئے تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے جس چیز کو وہ اسے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ٹلنے سے روکا ہوا ہے اور اگر ٹل جائیں تو اس کے سوا ان کو کوئی روک نہیں سکتا بیشک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹال دینے کا مانع اسی کا حلم اور اسی کی مغفرت ہے ورنہ اس کی قدرت اور اس کا انتقام تو اس کام کا تقاضا کرتے ہیں اور ان صفات میں کسی قسم کا قصور اور فتور نہیں ہے اور اسی بات کے ذہن نشین کرنے کے لئے حدیث شریف میں شام کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ ذَرَأَ وَ بَرَأَ یعنی اُس اللہ کے ساتھ جس نے اپنے اِذن کے سوا آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ معرفتِ قدرت کا کمال یہ ہے کہ کسی امر کے وقوع کو سُن کر گو نہایت ہی دشوار اور نادر ہے واقع ہی گمان کرے اور یہ دریافت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے دل میں بے تامل ظاہر ہو، ہاں اس کے وقوع کی تصدیق کے واسطے خبر دینے والوں کی خبروں کے صدق کی تحقیق کرے اور اس کے سوا اس کے وقوع کا یقین نہ کرے اور اس کے سہل الوقوع ہونے کی ہمیشہ تصدیق کرتا رہے۔ اسی طرح اس کی باقی صفاتِ کمال کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

چوتھا افادہ ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ محبت اور الفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ محب کے ایمان اور اعمال اور علم اور عقائد کے ہر باب میں کمال اور نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز اعلیٰ درجہ پر ہونے کے باوجود اگر اس کو ایسی مصیبتیں اور بلائیں پہنچیں کہ اس کی جان اور مال اور اولاد اور بی بی اور قوم اور آبرو کو گھیر لیں اور وہ نہایت ہی بُرے امراض میں گرفتار ہو جائے اور انہی بلاؤں میں جان دیگر اُس

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں کے سخت عذاب میں گرفتار ہو جائے تو شکایت کی ذرہ سی بات بھی اس کے دل میں نہ گھسے، ہاں ان مصیبتوں کی عدم برداشت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے نہایت اعتقاد کے باعث اس کی بارگاہ میں جس قدر کہ التجا اور زاری اور عاجزی اور بیقراری کرے بہتر اور بجا ہوگی، بلکہ یہ تو کمالِ ایمان کا مقتضا ہے لیکن اس ذاتِ پاک کی بہ نسبت شکایت کے معنی کو وہم اور خیال میں جگہ نہ دے بلکہ اس کو بالکل حال اور مال کے قصور اور اپنے ازلی استعداد کے نقصان کی طرف نسبت کرے اور آیتِ کریمہ[1] مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ اور آیتِ کریمہ[2] وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ کو اپنے حال کا مبین سمجھے اور یہی امر صبر اور رضا بالقضاء کے مقام اور مرتبے کے حاصل ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یقین کرلے کہ وہ اس سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق تھا۔ اور جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کے استحقاق کے موافق نہیں اور یہ اس معاف کرنے والے، بخشنے والے خدا کی مہربانی ہے کہ اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا جو اس کے قصور کے برابر تھا۔ اور یہی امر بلاؤں اور مصیبتوں کے عین ہجوم کے وقتوں میں شکر کے اعلیٰ مقام کے صادر ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ حاصلِ کلام انسان درحقیقت اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی متوجہ ہونے کے لائق ہیں اس کی قدر دانی کرے اس لئے کہ انسان کی ایسی کوئی قدر نہیں کہ وہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت قدر دان یا نا قدر دان خیال کرے۔

---

[1] اور جو بھلائی تجھکو پہونچے وہ اللہ (کی طرف) سے ہے اور جو بدی تجھکو پہنچے پس وہ اپنی طرف سے ہے۔

[2] اور جو مصیبت تمکو پہنچے پس تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور بہت تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے ۱۲

www.abulhasanalinadwi.org

پانچواں افادہ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر عام لطف اور مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔ یعنی رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

اور رحمت کا یہ معنی نہیں کہ ہر ایک کو راضی رکھے بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ جو چیز فی الواقع ان کے حق میں بہتر ہے ان کے واسطے اس کا حاصل کرنا دل سے چاہئے، اور اس میں کوشش کرے اگرچہ وہ اپنی ناقص رائے میں اسے نقصان ہی سمجھیں اور تمام لوگوں کے حق میں ظاہری کوشش تو ہو نہیں سکتی، لیکن عام لوگوں کے حق میں خواہ کافر ہوں خواہ مسلمان ہدایت کی دعا کرے کیونکہ رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور بمقتضائے اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ خلق کو اللہ کا عیال جان کر ان پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانے اور تمام مخلوقات میں سے امتِ محمدی کو خلق اور تعظیم اور رحم سے مخصوص کرے اور ان کو اور اپنے آپ کو ایک آقا کا غلام سمجھے اور ربانی خلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے اور اگر مقدور ہو تو ہر طرح کی خدمت بجا لائے اور جس طرح کہ مالی غم خواری کر سکے کرے اور خوراک اور پوشاک میں دریغ نہ کرے اور چیزوں کے دینے کا کچھ مضائقہ نہ رکھے خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اخلاق میں تمام لوگوں کی مساوات نہ کرے بلکہ فضیلت والوں کے درجوں کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، جو شخص کہ دینی اوصاف میں سے کوئی وصف رکھتا ہو اسی کے موافق تعظیم و تکریم وغیرہ امور میں اس کو ترجیح دے اور اخلاق کی تفصیل مرتبوں کا تفاوت کتبِ حدیث سے معلوم کرے اور دنیا داروں میں سے جو شخص اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرے اور اپنی جاہ و دولت سے مغرور ہو

www.abulhasanalinadwi.org

ہو اس کے ساتھ ظاہری اخلاق نہ چاہئیں بلکہ اس سے بے پروا رہے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ لیکن جس طرح پہلے گذر چکا ہے اس کے واسطے غائبانہ دعا کرنے سے قصور نہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار۔

فائدہ:۔ جب انسان اچھی عادتوں کے ساتھ مزین ہو جائے اور بدعادتیں اس سے دور ہو جائیں، اور روزہ اور نماز باقی عبادات سے آراستہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محض عنایت اور توفیق جانے اور اپنی کوشش اور علمی اور عملی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے اس واسطے کہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ہم جنس اور اس جیسی عقل اور سمجھ والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ فضائل اور رذائل کو جانتے بھی نہیں۔ اور بہت سارے باخبر بھی ایسے ہیں کہ انکی ماہیتوں کو پوری تمیز اور ان کے اسباب اور علامتوں اور نفعوں اور نقصان کو جاننے کے باوجود بھی بدعادتوں سے خالی نہیں ہو سکتے اور عمدہ خصائل سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پس ہر صبح اور شام کو بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی مضمون اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ کا اقرار اور اعتراف کرتا رہے اور اپنے آپ کو محض عاجز اور ناچیز سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی بے خوف نہ رہے اور رجا کی جانب کو غالب رکھے۔

دوسری ہدایت بدعادتوں کے مفصّل معالجہ کے بیان میں۔

اور اس میں ایک تمہید اور گیارہ ۱۱ افادے ہیں۔

تمہید۔ بدعادتوں میں سے یہ دس عادتیں نہایت ہی خبیث ہیں۔ پس طالبِ حق کو چاہئے کہ تمام بدعادتوں سے ان کے دور کرنے کی اس حد تک تخصیص کرے کہ یہ کبھی بھی اس کے دل میں کھٹکنے نہ پائیں اور ان کی طرف اس کا دل مائل نہ ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک خصلت کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر اور

www.abulhasanalinadwi.org

بغض کا موجب اور اس کے قبول اور رضا کی بارگاہ سے نہایت دوری کا باعث جان کر تہِ دل سے اس کا دشمن بن جائے اور اس کو اپنے محبوب کے وصال سے بھاری مانع سمجھے اور اوامر اور نواہی کے اہتمام میں اس قدر تعمیم کرے کہ مسلمانوں کے راستے سے کانٹا دور کرنے جیسا ادنیٰ حکم اور مسجد میں تھوک ڈالنے جیسا ادنیٰ ممنوع اس کے اہتمام کے لحاظ اور اعتبار کی نظر سے رہ نہ جائے اور ایسے امور کے صادر ہونے سے بے پروائی نہ کرے اس لئے کہ کمالِ محبت تو یہی ہے جو کہ قبولیت کا سبب بنتی ہے اور اس درگاہ میں مشکل کام کے بہ نسبت سہل کام زیادہ مقبول ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مسلمانوں کی راہ سے خاردار شاخ دور کرنے کی وجہ سے ایک شخص بہشتی ہوگیا۔ اور اگر کسی وقت اوامر و نواہی کے اہتمام میں کچھ سستی یا غفلت ہوجائے تو نفس کو اس سستی کے بدلے مناسب سزا دے اس واسطے کہ ہر نفس اپنا آرام چاہتا ہے اور جب کہ احکام اور نواہی کی مخالفت میں تکلیف اور ذلت پائیگا اور عبادات پر ہمیشگی کرنے اور اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بغیر یقیناً خلاصی کو محال جانے گا تو خود بخود امورِ شرعیہ کا انحراف اس میں پیدا نہ ہوگا، اس لئے کہ ہر نفس کو تکلیف اور ذلت سے بچنا منظور رہے اور جب حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں وہ اپنا بچاؤ سمجھیگا تو مخالف راہ اختیار نہ کریگا۔ اور سزا کا نمونہ یہ ہے کہ نماز سے سستی کرنے کے مقابلہ میں جو کہ بہت کھانے اور پینے سے پیدا ہوتی ہے "روزہ رکھے اور اگر دوست یاروں کی ہم نشینی اور دل پذیر باتوں سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرے اور ان کی صحبت چھوڑ دے اور اس قسم کی باتوں سے خاموشی لازم جانے اور وہ دس بد عادتیں اس رباعی میں بیان کی گئی ہیں:

رباعی

خواہی کہ شود دل چوں آئینہ ۔۔۔ دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ

www.abulhasanalinadwi.org

حرص وطمع و بخل و حرام و غیبت　　کذب وحسد و کبر و ریا و کینہ

حرص اور طمع میں فرق یہ ہے کہ حرص تو موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور غائب خیالی چیزوں کی خواہش طمع ہے خواہ وہ چیزیں بعید الوقوع ہی ہوں۔

پہلا افادہ۔ کافی قدر کے حاصل ہوتے زیادتی کی طلب اور خواہش حرص ہے۔ پس اگر اس زیادتی کی مقدار جو نفس کو مطلوب ہے موجود چیز کی مقدار سے کم ہو تو مطلوب نفس کے اندازے پر موجود سے خیرات کر دینا اور باقی پر قناعت کرنا اس کا علاج ہے۔ مثلاً ایک سیر موجود ہے اور نفس حرص کی وجہ سے آدھ سیر کی زیادتی چاہتا ہے۔ تو آدمی کو چاہئے کہ اس ایک سیر سے آدھ سیر خیرات کر دے اور باقی آدھ سیر پر قناعت کرے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اور نفس کو کہہ دے کہ اگر تو موجود چیز پر قناعت نہ کریگا تو اسی طرح میں تیری مخالفت کروں گا۔ اور لباس اور مکان اور ان کے سوا اور جن چیزوں میں نفس کی حرص معلوم کرے ایسا ہی عمل در آمد کرے اور اگر نفس کی خواہش موجود چیز کے برابر یا اس سے کئی گنا ہو تو بھی موجود کا نصف خیرات کر دے اور مذکور کلام سے نفس کو تنبیہ کرے۔ اور اگر پھر حرص باقی رہے اور نفس موجود مقدار پر قناعت نہ کرے تو پھر اس کا نصف صدقہ کر دے اور اسی کلام سے نفس کو خطاب کرے پھر بھی اگر وہ بدعادات اس کے نفس سے بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر قدر موجود میں سے نصف دیدے اور نفس کو وہی بات کہے القصہ یا تو نفس قدر موجود پر قناعت کرے گا اور وہ بدعادات اس سے جاتی رہیں گی یا وہ مرغوب چیز بالکل اس کے ہاتھوں سے جاتی رہے گی اور اس طرح کرنے سے حرص کی جڑ اس کے دل سے اکھڑ جائیگی۔

دوسرا افادہ۔ طمع کا یہ علاج ہے کہ جب کسی چیز کی طمع اس کے دل میں آئے تو اس قسم کی جو چیز فائدہ میں اس جیسی چیز کے پاس موجود ہو، اسی کو للہ

www.abulhasanalinadwi.org

خرچ کر دے۔ مثلاً اگر عمدہ پوشاکوں کی طمع اس کے دل میں آجائے تو زینت کے موجود لباس کو خیرات کر دے۔ اور اگر عام چیزوں کی طمع اس کے دل میں کھٹکے تو آہستہ آہستہ تمام موجودہ اشیاء کو خرچ کر دے۔ اس بدعادات کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا نفس اس سے پاک ہو جائے یا ساری مرغوب چیزیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ لیکن مال کو اس طرح نہ خرچ کرے کہ اس سے کسی ناجائز کام کا ارتکاب لازم آئے۔ مثلاً جس لباس سے ستر عورت کرتا ہے یا اس کے ساتھ گرمی یا سردی سے بچتا ہے نہ دے یا اپنی گذران کا سارا سرمایہ برباد کر کے اس قدر محتاج ہو جائے کہ بھیک مانگنے لگے، اس طرح کا خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ اس طرح سے طمع کا علاج کرنے میں صریح ناجائز کام لازم آتا ہے اور ناجائز سے بچنا لازم ہے۔ پس اس طرح ہرگز خرچ نہ کرے۔ مگر اس قوی ہمت کو اپنا تمام سرمایہ صرف کرنا جائز ہے جو اپنی معاش کا تمام سامان خرچ کر دینے کے باوجود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہوگا، اور شریعت کے حکم پر مضبوط رہے گا۔

تیسرا افادہ۔ صفت ذمیمہ بخل جو دل کے ساتھ چسپاں ہو اگرچہ بظاہر اس کے آثار میں سے کوئی اثر آشکارا نہ ہو اس کا یہ علاج ہے کہ ہر حال میں اپنے آپ پر بخشش کے اعلیٰ مراتب کے التزام کو رکھے اور ہمیشہ سخی لوگوں کے طریقہ پر چلنا اختیار کرے تاکہ کبھی بھی اس کا وسوسہ اس کے دل میں نہ آئے۔

فائدہ:۔ طمع اور بخل کے علاج میں یہ فرق ہے کہ طمع کے رفع کرنے کے واسطے تو اپنی ضروری حاجات کے سوا جو کچھ اس کے پاس موجود ہو دیدے۔ اور بخل کے دور کرنے کے لئے، جس چیز پر خیال گذرے دیدینی چاہیئے۔ اگر کوئی بخیل اپنا تمام اسباب خرچ کر کے بے سامان فقیر بن جائے تو بھی بخل کی بدعادت اس سے دور نہ ہوگی بلکہ اس بدعادت کے دور کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کپڑے

www.abulhasanalinadwi.org

کا دینا اس پر گراں گذرے تو کپڑا دیدے، اور اگر طعام کا دینا دشوار معلوم ہو اور نفس اس کے دینے سے سرکشی کرے تو وہی کھانا فقیر کے حوالے کردے اور اپنی تمام مملوکہ چیزوں میں اسی طرح کا تصرف کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیزیں ختم ہونے کو پہنچیں اس وقت مال کے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لے اور حلال طریق سے اور مال حاصل کرے پھر اس مال میں اس طرح کا تصرف کرے اور اس بدعادت کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ نفس اُس سے پاک ہو جائے اور جب رات دن نفس کے ساتھ اس طرح کا مقابلہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ بدخصلت اس سے دور ہو جائے گی۔

چوتھا افادہ۔ حرام کا یہ علاج ہے کہ جب نفس حرام کی خواہش کرے تو اس حرام کی جنس کا جو حلال ہو اس کو بھی ترک کردے خواہش نفسانی سے اس کا تناول نہ کرے بلکہ جان بچانے یا شرعی عبادت اور احکام کے بجالانے یا حق داروں کے حق ادا کرنے کے واسطے استعمال کرے۔ مثلاً نفس کہے کہ غیر کا مال چھین کر یا چُرا کر کھانا چاہیئے تب حلال طعام خواہش کے وقت اُسے نہ دے، اور جب نفس چاہے کہ اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنا چاہیئے اس وقت کھانا نہ کھائے بلکہ جب وقت کے بدل جانے سے کھانے کی خواہش اور بھوک جاتی رہے تو اس نیت سے کہ ضعفِ بدنی جہاد جیسی عبادتِ شاقہ یا نماز جیسی عبادتِ غیر شاقہ میں ماندگی کا باعث ہوگا بقدرِ حاجت کھالے اور طعام کی جنس میں بھی اسی طرح کرے۔ مثلاً نفس چاہے کہ فلاں کھانا کھانا چاہیئے تو ضرورت ٹال لینے کے لئے دوسری قسم کا کھانا کھائے۔ اور دوسری قسم کی حرام خواہشوں کو بھی اسی پر قیاس کرلے۔ مثلاً نفس زنا کی خواہش کرے تو حلال مجامعت سے بھی نفس کے ارادے کے مطابق پرہیز کرے اور وقت اور حالت کو ٹال کر لی

www.abulhasanalinadwi.org

کا حق ادا کرنے کے واسطے دوسرے وقت میں جماع کرے۔

فائدہ:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیگانی عورت کے دیکھنے اور اس کی طرف اپنے دل کے میلان کے وقت اپنی حلال عورت کے ساتھ حاجت کو دور کرلے۔ جیسے مشکوٰۃ شریف میں ہے: اِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَةِ شَیْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَةِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ وَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِهٖ فَلْیَعْمِدْ اِلٰی اِمْرَأَتِهٖ فَلْیُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِهٖ۔ یعنی بیشک عورت شیطان کی شکل میں سامنے ہوتی ہے اور اسی کی شکل میں پیٹھ پھیرتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آجائے اور (اس کی محبت) اس کے دل میں بیٹھ جائے تو اسے چاہئے کہ اپنی عورت کا ارادہ کرے اور اس سے صحبت کرے بیشک یہ کام اس کے دل کی بات کو دور کردیگا۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا پس آنجناب کو وہ عورت اچھی معلوم ہوئی پس آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، وہ خوشبو تیار کررہی تھیں اور ان کے پاس اور بھی چند عورتیں بیٹھی تھیں پس وہ مکان کو خالی کرنے کے واسطے وہاں سے چلی گئیں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی۔ اور فرمایا تَعْجَبُہٗ فَلْیَقُمْ اِلٰی اَھْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَهَا یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور وہ اسے خوش لگے تو اسے چاہئے کہ اپنے اہل کی طرف اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اس کی بی بی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے۔ یعنی حاجت روائی میں دونوں برابر ہیں۔ یہ سنت قولی اور فعلی بیان مذکور کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ اگر اس حدیث شریف میں پاک پرہیزگار کے حال کا بیان ہے اور بیانِ مذکور اس بدکار حرام کے گرفتار کا معالجہ ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا نفس ارتکابِ حرام سے ہرگز باز نہیں آتا۔ پس اس کا علاج خواہش نفس کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا اور اس مقام کی پوری ماہیت یہ ہے کہ جماع کی خواہش دو طرح پر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ نفس اس کی لذت میں مستغرق ہو جائے اور دل کا حرام کی طرف مائل ہو جانا اور حرام سے باز نہ آنا اور خاص کر اس وقت کہ نفسانی اور شیطانی لذت حلال میں کم ہو اور حرام میں زیادہ ہو، حلال سے انحراف کرنا اس کے آثار میں سے ہے۔ مثلاً ایک شخص کی منکوحہ نہایت خوبصورت، خوش وضع اور خوش لباس ہے۔ اور ایک دوسری عورت ایسی تو نہیں لیکن عین جماع کی حالت میں شہوت انگیز ادائیں اور صدائیں پوری بے حیائی سے کرتی ہے وہ نفس و شیطان کے دام کا گرفتار اس دوسری عورت کی طرف زیادہ مائل ہوگا اور اس کی وجہ لذتِ جماع میں گرفتار ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ناتوانی اور مادۂ منی کی قلت کے باوجود شہوت انگیزی میں تکلف اسی کے آثار میں سے ہے۔ اس کے حال کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا، بیت

؎ بہ بے رغبتی شہوت انگیختن — برغبت بود خونِ خود ریختن

جماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ منی سے مکانِ منی کے سخت بھر جانے کی وجہ سے انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو جائے۔ اس میلان میں کسی عورت یا طریقِ جماع کی کسی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح بول کے ساتھ مثانہ بھر جانے کے وقت انسان کی طبیعت میں قلق اور بے آرامی پیدا ہوتی ہے اور اسی بے آرامی کی وجہ سے چار و ناچار دفع حاجت کے لئے کوئی مکان تلاش کرتا ہے، اور جب کوئی مناسب مکان مل جائے اور اس میں

www.abulhasanalinadwi.org

بول کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع ہو تو اس شخص کی طبیعت اس مکان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جب تک اس کو حاجت سے فراغت حاصل نہ ہو اس کا خیال اسی مکان کی طرف لگا رہتا ہے اور اگر کوئی مانع ہو تو مثلاً ایسا مکان ہو کہ اس کا مالک اس جگہ بول کرنے سے ناخوش ہو، یا اسی جیسا کوئی اور مانع ہو تو اس کا دل اس مکان کی طرف متعلق نہ ہوگا۔ لیکن وہ بے آرامی کہ کثرت بول کے سبب لگی ہوئی ہے سخت ہو جائیگی پس اس مکان کی خصوصیت یا غصب یا بیع یا ہبہ جیسے وجوہ تحصیل کی طرف اس کی طبیعت کو مطلق توجہ نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کہ منی کا ظرف بھر جائے طبیعت میں سخت شہوت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس جس وقت اپنی قضائے حاجت کے مناسب کسی عورت کو دیکھتا ہے اس کی شہوت کا جوش بڑھ جاتا ہے۔ اور جب تک اس کی حاجت پوری نہ ہو اس کا خیال اپنی حاجت سے لگا رہتا ہے۔ پس اس میلان میں اس عورت کی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں ہوتا، بلکہ اس عورت اور حرام کاری سے برکنار رہتا ہے۔ لیکن جماع کا وہ اشتیاق جو اس عورت کے دیکھنے سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے دل میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ حلال طریقہ سے اپنی حاجت کو پورا کرے۔ پس حدیث شریف کا مورد یہی دوسری قسم ہے، چنانچہ فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلُ الَّذِيْ مَعَهَا کا لفظ اس کی خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اس جگہ محض حاجت روائی میں مماثلت مقصود ہے صورت اور سیرت میں مماثلت مراد نہیں۔

اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جناب امام المعصومین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اجنبی عورت کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ محض حاجت پورا کرنے کا وہ تقاضا جو دل میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا اور پہلی قسم سے نفس کی مخالفت جو کہ نفس کو اس کی خواہش سے روکنے میں داخل ہے ایک ایسا امر ہے

www.abulhasanalinadwi.org

جز اہلِ شرع اور اہلِ عقل دونوں کے ہاں مسلّم ہے۔ **شعر**

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى ۔۔۔ حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

یعنی نفس بچے کی مانند ہے اگر تو اس کو چھوڑ دے تو دودھ پینے کی محبت پر وہ جوان ہو جائیگا اور اگر اس کا دودھ چھوڑا دے تو دودھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام اس فن کی اصلاح کے بموجب یہ حدیث شریف حقوقِ نفس کے ادا کرنے کے بیان میں ہے اور مذکورہ معالجہ اس کو اپنی لذتوں کی پیروی کرنے سے پاک کرنے کے بیان میں ہے۔

پانچواں افادہ۔ غیبت کا علاج یہ ہے کہ اگر صرف اس کا خیال ہی دل میں گذرے تو چاہیئے کہ ما سوی اللہ سے منقطع ہو کر نہایت زاری کے ساتھ اس شخص کی بہتری کی دعاء کرے جس کی غیبت کا خیال دل میں گذرا ہے۔ اور بہتری بھی وہ ہونی چاہیئے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہو اور دعا بھی ایسی کیفیت سے ہونی چاہیئے کہ اپنی اشد ضرورت کے موقع پر کیا کرتا ہے۔ اور اگر اس کام میں نفس سستی کرے تو نفس کے درپے ہو کر خواہ مخواہ یہ دعا کرے اور نفس کو اس دعا میں ہرگز سستی نہ کرنے بلکہ دو یا تین روز تک اس کے درپے رہے۔ اور غیبت ہو جائے تو دعاء کے علاوہ اس شخص سے اپنا قصور معاف کرائے اور تنہائی میں اس کو کہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے۔ ظاہر کرنے کا تو یہ فائدہ ہے کہ نفس اپنے عیبوں کے ظاہر کرنے سے بھاگتا ہے اور اپنے عیب کا ہرگز اقرار نہیں کرتا اور عیب کے ظاہر کرنے میں نفس کو سخت شکستگی پہنچتی ہے۔ اور تنہائی کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا شائع کرنا منع ہے اور ناجائز کام کا کرنا برا اور اس کا افشا بھی برا ہے اور شخص کو بھی اس کے اظہار کرنے سے منع کرے۔

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹا افادہ۔ جھوٹ اگر محض زبانی لذت کے واسطے ہو اور اس میں کسی کا نفع نقصان نہ ہو تو اس کا علاج خاموشی ہے اور مجلسوں میں بھی گفتگو سے پرہیز کرے تاکہ کلام کی لذت اس کے دل سے جاتی رہے اور مجلسوں میں بیٹھنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ مجلسوں میں بیٹھ کر خاموش رہے کیونکہ یہ بات نفس پر نہایت شاق گذرتی ہے۔ اور اگر دو شخصوں کے درمیان بگاڑ اور فتنہ انگیزی کے لئے جھوٹ بولا ہے تو اس کا علاج غیبت کے علاج کی مانند ہے۔ دونوں کو اکٹھا کرکے تنہائی میں ان کو مطلع کرے کہ میرے نفس نے مجھ کو تمہارے درمیان فساد ڈالنے پر اغوا کیا تھا میں تم سے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور ان کو اپنے آپ سے راضی اور خوش کرے اور ہمیشہ ان کی بہتری میں کوشش کرے اور جو امر کہ ان کے زیادہ اتحاد کا باعث ہو اس میں نہایت سعی بجالائے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو اکٹھا کرے اور بطور سابق اغیار سے پرہیز کرے اور غیبت اور کذب میں اہل حق سے معافی طلب کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبۂ نصوح کرے کیونکہ اس کا حق تمام اہل حقوق کے حقوق سے اعلیٰ اور اصل ہے۔

ساتواں افادہ۔ حسد اگر صرف دل میں ہو تو اس کا علاج تو محسود کے کمالات اور عزت اور مرتبے کی زیادتی کے لئے جس میں حسد کیا ہے دعا کرنا ہے اور جیسا غیبت کے بیان میں مذکور ہوا ہے نہایت زاری کے ساتھ دعا کرے اور ظاہر میں بھی حتی المقدور اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ محسود کی ترقی میں کوشش کرے تاکہ حسد کا وسوسہ نفس کے مقابلہ اور مخالفت کے باعث اس کے دل سے جاتا رہے اور پھر کبھی نہ آئے اور اس محسود مسلمان کو فائدہ حاصل ہو اور اگر حسد کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو گیا مثلاً جو کمال حسد کا باعث ہوا ہے اس میں محسود کی نالائقی کی نسبت کوئی کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا ہو تو محسود کو اس پر مطلع کر دے اور

www.abulhasanalinadwi.org

جس کے سامنے اس کی نالائقی کی بابت کہا ہو اس کو بھی اپنی غلطی کی خبر دے کر اپنے قصور کا اقرار کرے اور جس قدر اس کی لیاقت معلوم ہو نہایت خوبی اور عمدہ تقریر کے ساتھ بیان کر دے۔ مثلاً آقا کے حضور میں کسی شخص کی نسبت حسد سے کہا ہو کہ وہ لیاقت اور اعتبار کے لائق نہیں تو اس شخص کو بھی اطلاع دیکر اپنے قصور کا اقرار کرے اور اس سے معافی مانگے اور آقا کو بھی اپنی غلطی پر آگاہ کرکے نالائقی کے بجائے اس کی لیاقت اس کے ذہن نشین کر دے۔ جتلانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ شخص اپنے کام کے خلل سے آگاہ ہوکر اس کا تدارک کریگا اور اگر واقعی لیاقت والا ہے تو اپنی لیاقت کو ظاہر کرے گا۔ ورنہ اظہارِ لیاقت کے بغیر ہی کوشش کریگا۔

آٹھواں افادہ۔ اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہوگیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کرے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کی وجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کی نقلیں ہوں اور اپنے ہمجنسوں میں اس پر ہنسی اڑے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اپنے آپ کو اس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پروانہ کریگا۔

تم دیکھتے نہیں یہی باعزت لوگ ہوتے ہیں جب اپنے آپ کو آزاد دل کے زمرے میں داخل کرتے ہیں، ان کا لباس اور ان کی روش کے قبول کرنے میں جو بالکل عقل کے برخلاف ہے ہرگز کسی چیز کی پروا نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی عزت اور فخر جانتے ہیں۔

معزز امیر زادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہوکر وہ سب باتیں جن کو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارہ نہیں کرتا جان ودل سے قبول کرکے انہیں اوضاع واطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگوں کے سامنے پھرا کرتا ہے اگر

www.abulhasanalinadwi.org

سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو کہ عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہیں گو مرضیاتِ الٰہی سے بے خبر لوگوں کی ناقص عقلوں کے مخالف ہیں اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جدا اور علیحدہ ہے۔ مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پورا کیا ہے۔

نواں افادہ۔ مثال کے طور پر ریا کا علاج یہ ہے کہ جو ریا نماز میں عارض ہو جائے اس کے خیال کو اپنے مقدور کے موافق دور کرے اور اگر کوشش کے باوجود بھی دفع نہ ہوئی تو ریا کے لمحوں کو گن کر یاد رکھے اور تنہائی کے وقت میں مثلاً رات کے وقت جبکہ بالکل اکیلا ہو اور کسی آدمی کے آگاہ ہونے کا امکان نہ ہو، پس اگر یہ معاملہ دو رکعت والی نماز میں ہوا تو دو دو رکعتیں، اور اگر چار رکعت والی نماز میں ہوا تو چار رکعتیں لمحاتِ ریا کی گنتی کے موافق نہایت ہی حضور اور خلوص کے ساتھ ادا کرے۔ اور اگر اس وقت بھی خلل ہو تو جس نماز میں خلل واقع ہوا ہو اس کو گنتی سے ساقط کر دے اور دوسری دفعہ پڑھے یہاں تک کہ لمحاتِ مذکورہ کے برابر ریا سے پاک اور خالص نماز پوری ہو جائے اور اس کے پورا کر لینے تک نفس کو ہرگز نہ چھوڑے۔

اور اسی طرح اگر للہ دینے میں ریا پیش آئے تو اپنے نفس کو جھڑکے کہ محبوب کا مال دس گنا اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور باز نہ آئے تو ایسا ہی کرے بلکہ نفس کی کمالِ سرکشی کی صورت میں اس کو کہے کہ جس قدر تو چاہتا ہے

www.abulhasanalinadwi.org

سیر ہو کر اپنا کام کرے، انشاء اللہ تعالیٰ تو اس کی پوری سزا پائیگا۔ پھر اسی سرکشی کے موافق اس کو سزا دے اور فرضوں کے ادا کرنے میں ریا نہیں۔ سنتیں اور نفل ریا کا مقام ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ ریا پیش آگئی ہے یا آجائیگی سنتوں اور نفلوں کو چھوڑ نہ دے، بلکہ پڑھے۔ اور جس طرح ریا کا علاج مذکور ہوا ہے اس کی تعمیل کرے۔

دسواں افادہ۔ اگر کینہ دل سے تجاوز نہ کرچکا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح سے اخلاص کا طریقہ اختیار کرے کہ اس کے دل میں بھی اخلاص پیدا ہو جائے اور دلی موافقت کے سوا ظاہری اخلاص کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر کینے کی وجہ سے کوئی بات یا حرکت ظاہر ہو جائے تو جیسے مفصل بیان ہو چکا ہے، معافی مانگنا اور اپنے قصور کا اقرار کرنا اور اخلاص اور دوستی میں کوشش کرنا ہی اس کا علاج ہے۔

گیارہواں افادہ:۔ جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کا ملاحظہ کرتا رہے گا تو پکی امید ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی لیکن دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کے گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنا امتحان کرے۔ مثلاً خانقاہ پر بیٹھنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا امیر کو ٹھاٹ باٹ دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھ کر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم کیا تو یہ نہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں بلکہ اس بد عادت سے اس کی پاکیزگی اس وقت ظاہر ہوگی کہ اس کا کوئی پیر بھائی اور ہم خانقاہ اور ہم نسبت اور ہم پیشہ ان ہی اشغال اور اعمال میں مشغول ہو کر تھوڑی مدت میں بہت سارے فائدے حاصل کرے اور اس کا دہ پیر اسی کام میں کہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس نے اس کے واسطے مدت دراز تک بہت ساری محنتیں اٹھائی تھیں بہت جلدی محنت کے سوا ہی مشار الیہ اور ممتاز ہو گیا۔ اور اس کے سامنے اس کا مقدم ہونا اور آگے بڑھ جانا واضح ہو گیا۔ اور اس کام کے داناؤں اور خانقاہ نشینوں اور اس کے مرشد کی زبان سے جو اس خانقاہ کا رئیس ہے اس کام میں اس کی چالا کی مشہور و معروف ہو گئی اور وہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے سامنے معظم و محترم ہو گیا۔

پس مذکورہ اتحادات کے لحاظ سے اس شخص کو بہت خوشی حاصل ہو اور کسی وجہ کی کوئی سوزش اور قلق اس کے دل میں نہ آئے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ البتہ اس کا اندر، حسد کی بد عادت سے پاک ہو گیا ہے، اسی طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال علیحدہ علیحدہ ہے۔

تیسری فصل :۔ عبادت میں خلل انداز چیزوں کے بیان میں۔ اور اس میں دو ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت۔ عبادت میں خلل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں۔ اور اس میں دو افادے ہیں۔

پہلا افادہ۔ نامِ خدا کی محبت اور اس کی تعظیم کا نہ ہونا عبادت کے بڑے مخلوں میں سے ہے اگرچہ ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور اس کی تعظیم ہوا کرتی ہے مگر جس قدر کہ کامیابی کا موجب ہو اور جس طرح بزرگانِ دین کو ہوا کرتی تھی نہیں ہوتی۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے لئے کچھ غایتیں اور غرضیں ہوتی ہیں کہ انہی اغراض اور غایات کے موافق محبت اور تعظیم بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک شخص بہت ساری قیدوں اور شرطوں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس غرض سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

کہ اس کے نام پاک کی برکت سے چند روپیہ کی نوکری ہاتھ آجائے یا کسی سردار یا امیر کے سامنے معزز ہو جاؤں۔ جس قدر وہ غرض زیادہ ہوتی ہے تعظیم اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کی اغراض میں سب سے اعلیٰ سلطنت اور بادشاہی ہے اگرچہ اس عمدہ غرض کے واسطے جو شخص اللہ عزوجل کا نام یاد کریگا اس نام پاک کی تعظیم اور محبت اس کے دل میں احاطۂ بیان سے باہر ہوگی۔ لیکن رب العباد کے اس فرمانِ لازم الانقیاد قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ[1] اور حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ ہدایت نشان لَوْ کَانَتْ تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَّا سَقٰی مِنْھَا کَافِرًا شُرْبَۃَ مَآءٍ[2] کے بموجب یہ دنیا فانی اور تھوڑی اور ذلیل چیز ہے۔ جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کو اس کے حاصل ہونیکا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کا مرتبہ اور اس کی قدر نہ جانی اور اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہی حقیقت دین داری کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اسی لباس سے آراستہ کرکے جلوہ دیتی ہے۔

مثلاً کوئی شخص اس نیت سے اذکارِ الٰہی پر ہمیشگی کرے کہ میں ایسا کمال حاصل کروں کہ اس کے وسیلے سے بادشاہ اور امیر اور عزت والے لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس التجا کریں۔ اور میرا نام ونشان اور میرے کمالات کا آوازہ زمانۂ دراز تک باقی رہے اور دور دراز کے ملکوں میں میری ولایت کا آوازہ مشہور ہو جائے دراصل اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ[3]

---

[1] یعنی اے پیغمبر کہدو کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ [2] اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ عزوجل اس سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ [3] یعنی سب کچھ دنیاوی زندگی ہی کا سامان ہے اور تیرے پروردگار کے ہاں آخرت (کی بہتری) پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ اور اس کا حال ظاہر ہے ۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ قاری اور سخی اور شہید کو قیامت کے دن لائیں گے، ان اشخاص مذکورین میں سے ہر ایک محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی کوشش بیان کریگا اور ظاہر اور باطن کا جاننے والا جو کہ دل کے بھید سے واقف ہے ہر ایک کو اُن کی اس نیت پر کہ اپنی مشہوری اور آوازہ ہی چاہتے تھے مطلع فرماکر دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دیگا۔

اس بیان سے یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ رزق کی طلب یا امور دنیادی کیلئے اذکار الٰہی حرام اور منع ہیں۔ یہ بات تو صریح نصوص قطعیہ کے برخلاف ہے بلکہ اس موقع پر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم کے درجوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ذکر کرنے والے ان میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور ان تینوں فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا جو حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن فعلوں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی طلب کرسکتے ہیں اور دنیا بھی حاصل کرسکتے ہیں ان کو دو وجہ سے ادا کیا جاتا ہے کہ وہ فعل بجالا کر یہ ظاہر کیا جائے کہ محض اللہ عزوجل کے لئے کئے گئے ہیں حالانکہ اپنے دل میں غیر خدا کی رضا کے حاصل کرنے کی نیت ہوتی ہے۔ پس بیشک اس کا فاعل تو بارگاہِ الٰہی سے دھتکارا ہوا اور دوزخ میں داخل ہونے کے قابل ہے۔ اور ایسے ہی اشخاص کا حال بیان حدیثِ مذکورہ میں واقع ہوا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال مذکورہ بجالاکر اپنی دلی نیت کے موافق غیر خدا کی رضامندی کا طلب کرنا ظاہر کرے پس یہ شخص اگرچہ بارگاہِ الٰہی میں حقیر ہوگا مگر اس قدر نہیں کہ اس کے دوزخ میں داخل کرنے کا حکم صادر ہو۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہی دنیادی کام دھندے ہیں جو صحیح نیتوں کی وجہ سے اچھی خاصی عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً نیند کہ

www.abulhasanalinadwi.org

سراسر غفلت اور حجاب ہی معلوم ہوتی ہے، صحیح ارادے اور درست نیت کے باعث ریاکاروں کی عبادت سے عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے۔ عبادت میں اخلاص کرنے والے کے لئے جب بحرانی حواس کے تھک جانے کا باعث ہو جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور عبادات کی کیفیتوں میں خلل انداز ہو جاتی ہے تو وہ بے ریا مخلص اس لذت اور ان کیفیتوں کا مشتاق ہو کر ان کے دوبارہ حاصل ہونے کو خواب میں ہی منحصر جان کر اسی ارادہ اور نیت سے سو جاتا ہے (اور اس کا یہ سو رہنا) صدہا ریاکاروں اور غافلوں کی نماز پڑھنے سے بہتر ہو گا۔ بلکہ اس کی نیند کو ریاکار کی نماز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں، تاکہ اس کو بہتر کہا جائے۔ کیونکہ اس کی نماز تو خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے اور عالم علوی سے اس پر پھٹکار پہنچتی ہے اور اس سونے والے پر صدہا رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا اس پر فیضان ہوتا ہے وَشَتَّانَ بَیْنَ الْمَرْتَبَتَیْنِ۔ یعنی ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

اور جب دنیاوی غرضوں کا تقاضا معلوم ہو گیا تو اخروی اغراض کی طرف انتقال کرنا چاہیئے۔ اگرچہ آخرت کی تمام غرضیں بہتر ہیں لیکن ان سب میں مرتبوں اور درجوں کا بڑا فرق ہے۔ اہلِ جنت کے مرتبوں اور درجوں کے تفاوت سے آخرت کی اغراض کا فرق معلوم کرنا چاہیئے۔ ان ہی خصالِ فطرت یعنی مسواک اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور مانگ نکالنے اور استنجا کرنے اور استرہ لینے اور ختنہ کرنے اور بغلوں کے بال اکھیڑنے کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ معتبر مفسرین کے قول کے موجب حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انہی امور سے امتحان کیا گیا اور اسی معتبر کسوٹی کے ساتھ ان کی استعداد کے نقد کو پرکھ کر امامتِ کبریٰ تک پہنچا دیا۔ اور یہی نماز اور روزہ اور قرآن شریف

www.abulhasanalinadwi.org

کا پڑھنا اور اذکار اور جہاد اور زکوٰۃ اور حج ہے کہ انہی کے ادا کرنے سے ارادوں اور نیتوں کے فرق کے باعث حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ اور انہی جیسے دوسرے لوگوں کے مرتبے بدل گئے، پس اللہ کے نام پاک کی محبت اور تعظیم میں اسی کی رضامندی کا طلب کرنا سب غرضوں اور تمام نیتوں سے بہتر ہے۔ اس کے نام سے اس کے سوا کچھ نہ مانگے اور اس کے سوا کسی دنیاوی یا اخروی مطلب کو اس کی اجرت نہ سمجھے بلکہ وہ جلیل القدر انعام کہ دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی ہے کہ اس کے پاک نام کے ذکر کی توفیق اور قوت ملی ہے اسی انعام کو جو محض اس کی قوت اور توفیق سے ہے مفصل طور پر سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دیکر تہِ دل سے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ممنون ہو اور اس کی شرح اور تفصیل یہ ہے کہ ذکر کے مبادی اور اسباب کا ملاحظہ کرے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ سارے اعضاء اور وہ ظاہری اور باطنی حواس کہ ہر ایک کو ذکر میں دخل ہے سب اسی کے عام انعام میں سے ہیں اس کے بعد وہ توفیق بھی جو کہ خاص لوگوں کے واسطے ایک خاص انعام ہے اسی کی طرف سے ہے اس لئے کہ بہت سے ایسے شخص ہیں کہ ان کے سارے اعضاء اور قویٰ اور دل اور زبان اور فہم اور عقل سب کچھ درست ہوتا ہے اور ہزار دنیوی تقریریں اور معاشی فکر اس کی زبان اور دل پر گذرتے ہیں اور جوں ہی زبانی ذکر اور قلبی فکر کا ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اس کی زبان پر ایسا بوجھ اور اس کے دل میں ایسے وہم ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی زبان اور عقل ہرگز ذکر اور فکر نہیں کر سکتی۔ حاصل کلام انسان کی زبان پر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا جاری ہو جانا ایک بڑی نعمت ہے اسی انعام کو سب انعاموں سے بہتر جان کر جزا اور ثواب کی طلب سے اغماض کرے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم تمام کمالات کے لئے اصل اور

www.abulhasanalinadwi.org

بنیاد کے جا بجا ہے۔

دوسرا افادہ ۔ شرعی احکام اور عبادات میں اہتمام نہ کرنا بھی عبادات کے لئے عمدہ خلل انداز ہے اور اس کی اصل بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی راہ دو طرح کے ساتھ ان کے ہاتھ سے گم ہوجاتی ہے۔ اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا خیال ہی دل میں نہیں آتا بلکہ محض اپنا کمال جو در اصل نقصان ہے مدِ نظر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے۔ لیکن اس کے طریق میں خطا واقع ہوجاتی ہے اور جو کچھ ان کی ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ اس کی رضامندی کا موجب ہے اسی کو اس کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اور اصلیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی رضا جوئی کی راہ سے بالکل بھولا ہوا سمجھ کر اندھے کی مانند یَا بَصِیْرُ خُذْ بِیَدِیْ[1] ہمیشہ اپنے حال کی زبان کا ورد بنائے رکھے۔ اور اللہ عزوجل کے اس ازلی کلام وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى[2] کو جس میں اکمل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث قدسی كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ[3] کو جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے صادق البیان سرورِ عالم کی زبان سے فرمائی ہے اچھی طرح سوچ کر اس کی رضا کے طریق کو اسی کے جتلانے میں منحصر جانے اور شرع شریف کو جو کہ مضبوط رسا ہے اپنا رہبر سمجھ کر اس کے خلاف کو کبھی بہتری کا موجب نہ جانے اگرچہ اس کی مخالفت میں کشف و کرامات اور انوارِ تجلیات کے ظہور اور اہلِ سمٰوات اور ارواح کے ساتھ مصاحبت کا اسے گمان ہو۔

فائدہ: ۔ نامقبول سالکوں میں اس مانع کے ڈھونڈنے کی یہ علامت

---

[1] اے آنکھوں والے میرا ہاتھ کو پکڑ لو۔ [2] اور اس نے تجھے بھولا ہوا پاکر ہدایت کی۔ [3] تم سب لوگ گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کردوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ وہ مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں جو اہتمام کرتے ہیں فرض نماز کے ادا کرنے میں اس اہتمام کا عشرِ عشیر بھی نہیں کرتے، بلکہ جب ملعون شیطان اس جماعت پر قابو پالیتا ہے اور ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ ان کو راہِ حق سے بہت ہی دور لے جاتا ہے۔ نماز کو سرکاری بیگاری کی مانند جانتے ہیں اور جو وقت کہ نماز اور وضو میں گذرتا ہے ضائع جانتے ہیں اور اسے اپنے لئے کار آمد نہیں سمجھتے مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ اور یہ تو اس جماعت کا حال ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے۔ اور جو لوگ اسلام سے خارج ہیں اس مقام میں ان کے حال کی گفتگو نہیں ہے۔

دوسری ہدایت۔ عبادت میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور ان کے علاجوں کے بیان میں۔ اور اس میں تین افادے ہیں۔

پہلا افادہ۔ نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ نفس تو اسی طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکانِ نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کرکے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیز میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ مسنون طور پر نہیں کرتا بلکہ لاغر اور فالج زدہ لوگوں کی طرح اس کے اعضاء میں سستی اور استرخا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اعضاء کو ارکانِ نماز کے ساتھ بے پروائی کی وجہ سے کیف ما اتفق یا جس طرح اس کی بدنی راحت کے مناسب رکھتا ہے۔ اور اسی طرح تپ زدہ لوگوں کی مانند حواس باطنہ کی پراگندگی اور وہم اور خیال کی پریشانی اس کے معترض حال ہو کر نماز کی طرف قویٰ باطنہ اور

ؔ اور ان کے بھائی گمراہی میں ان کو مدد دیتے ہیں پھر وہ قصور نہیں کرتے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اعضائے ظاہرہ کی توجہ میں بڑا خلل ڈالتی ہے۔ لیکن شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نمازی کی شان میں سُبکی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کارآمد نہ جاننا اس کے بدترین وساوس سے ہے اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتا ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہیے ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے واسطے متشابہاتِ قرآنی کے خیال میں ڈال دیتا ہے۔ باوجود آنکہ وہی نماز خواں، ایک دفعہ یا دو دفعہ یا سو دفعہ آزما چکا ہوتا ہے کہ بقائے حضور میں نہ تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے یہ شیطان کا مکر ہے۔ اور رکعتوں اور تسبیحوں اور متشابہات کا یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبے سے ادنیٰ کی طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچاتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود پورا نہ ہو تو لاچار ہو کر بمقتضائے [1] اِذَا فَاتَكَ اللَّحْمُ فَاشْرَبِ الْمَرَقَةَ آہستہ آہستہ گاؤ خر کے خیال کی طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے

ع برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر

گاؤ خر تو ایک مثال ہے۔ حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا ہاتھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے۔ طالبعلم یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں

---

[1] یعنی جب گوشت ہاتھ سے جاتا رہا تو شوربا ہی سہی وہی پی لو

www.abulhasanalinadwi.org

میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں، افسوس افسوس، بلکہ یہ تو گاؤ خر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ مخل ہے اور دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے غریب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے۔ اور اہلِ مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفیٰ، یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے، بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اسی مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا، اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضورِ حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ ان کے حق میں ایسا کمال ہے کہ مثال کے موقعہ پر مجسم ہو گیا ہے۔ اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔ ہاں حاجتوں کی وہ دعائیں جو باکمال نمازی سے مطلق بے نمازی کی ذات میں حاجت روائی کے منحصر ہونے کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں یعنی نماز کے لئے کمال ہے گو وہ قلیل حاجتیں معاش ہی کے متعلق ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارہ میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا قبیح وسوسوں اور نماز کے وسوسوں میں سے ہے۔ اور جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز میں سامانِ لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہئے۔

شعر

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لئے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ بچے کے

مارڈ النے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے ۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے ہو جاتی تھی۔ اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ۔ ہاں بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ [1] زنا کے وسوسے سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے ۔ اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں ۔ اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے ۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے ۔ اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اسقدر چپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے ۔ اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے ۔

حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے ۔ انسان کو چاہیئے کہ آگاہی حاصل کر کے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزّوجل کے حضور سے نہ رکے اور پیچھے نہ ہٹے ۔ اور اس موقعہ پر اس خلل کا علاج اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے ۔ پس اگر وسوسہ بدترین وساوس سے ہو تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے لیکن بعض

---

[1] یعنی اندھیرے ہیں جو درجے میں بعض سے بعض اوپر ہیں ۔

چیزوں میں ظاہری اسباب کو کسی قدر مداخلت ہوتی ہے اور ان وسوسوں کا دفع کرنا
تو بالکل اسی کے فضل پر منحصر ہے ظاہری اسباب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور اپنے
پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے، کیوں کہ پیر اس کام میں اس سے زیادہ باخبر ہے
شاید کوئی عمدہ تدبیر تبلا دے اور دعا کرے۔ اور شیطان یا نفس کی طرف سے
اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ وسوسہ
ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے تو فرض اور سنتوں سے فارغ ہو کر تنہائی اور خلوت میں
وسوسے کو دل سے بالکل نکال کر سولہ رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ ساری
رکعتوں میں خیالات کا سلسلہ لگا رہا تھا اور اگر ساری رکعتوں میں وسوسے نہیں رہے
تھے بلکہ بعض تو حضور کے ساتھ خیالات سے خالی پڑی تھیں اور بعض خیالات سے
آلودہ ہو گئی تھیں تو وسوسے والی رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت کے بدلے چار
رکعتیں ادا کرے۔ اور مغرب کی نماز کے بعد نماز عصر کا تدارک کرے اور اس
کے بعد نماز مغرب کا اور اس طرح عشاء کا تدارک اس کے بعد کرے اور فجر کا
تدارک طلوع آفتاب کے بعد چاہیئے تاکہ نفل ناجائز نہ ہو جائیں۔ اور چونکہ یہ کام نفس
کے واسطے نہایت شاق ہے البتہ باز آجائیگا اور اپنے آپ کو وساوس سے روک
رکھے گا اور جس وقت نفس قابو میں آجائے اللہ تعالیٰ کا بہت سارا شکر بجا لائے اور
شرع کے بموجب اس کی خواہش کو پورا کرے اور اس کام کے بدلے اس کی دار و مدار
کرے اور اس کو آرام دے۔ اور اگر نفسانی یا شیطانی حرکت سے تہجد قضا ہو جائے
تو اس دن روزہ رکھے۔ اور اگر روزے میں بھی کوئی شیطانی یا نفسانی خلل واقع
ہو جائے تو اس روزے کے ساتھ ساری رات کا جاگنا ملا کر تنبیہ کرے۔ جب
شیطان اپنے اثر سے ناامید ہو جاتا ہے تو نفس کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے تاکہ
اس کا مدعا حاصل ہو جائے۔ اور نفس کی تادیب اور تنبیہ سے نفس اور شیطان

www.abulhasanalinadwi.org

دونوں اپنی شرارت سے باز آجاتے ہیں بلکہ نفس حکم خداوندی کا مطیع ہوجاتا ہے اور شیطان کو انسان پر حکومت کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔

دوسرا افادہ۔ اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے نفس بہانہ کرے اور اپنے پر اس کو گراں جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی اور شاکر نہ ہو تو زکوٰۃ سے چارگنا اپنے مال سے محض اللہ کے واسطے خرچ کرے تاکہ نفس پھر بہانہ نہ کرے اور اس کو سمجھاوے کہ جس قدر بہانے کریگا اسی قدر مال خرچ کروں گا۔

تیسرا افادہ۔ جس وقت حج اور جہاد فرض ہوں، اور نفس کو اس کے ادا کرنے سے سستی معلوم کرے پس غور کرے کہ کونسی چیز اس امر کا باعث ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد اور حج کے ادا کرنے میں نفس سستی کرتا ہے اسی چیز کو چھوڑ دے مثلاً اگر ریاست اور حکومت مانع ہے اور وہ فرماں روائی جو صدہا لوگوں پر اس کو حاصل ہے اسے نہیں چھوڑتی کہ چست اور چالاک ہو کر حج اور جہاد کا ارادہ کرے تو اپنے لباس اور خوراک اور نشست و برخاست غریبوں اور ذلیلوں کی طرح اختیار کرے اگرچہ حج اور جہاد بلکہ ساری عبادتیں نفس کے جھگڑے اور کشاکش کے باوجود ادا ہوجاتی ہیں۔ لیکن جو برکت اور رونق فرصت اور اطمینان میں حاصل ہوتی ہے وہ اس صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتی اور جس وقت نفس مطیع ہوگیا اور عبادت میں نشاط کے ساتھ قدم رکھا یہ کام کئی برکتوں کا باعث اور عبادات میں رونق کا موجب ہوگیا۔ اور اگر امور جہاد میں آجانے کے باوجود بھی نفس اس کے حق کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور اپنی محافظت کرتا ہے تو جو کام پوشیدہ طور پر کسی کافر رئیس کے قتل کرنے کی مانند زیادہ مشکل ہو اسی کام کو اپنے ذمے لازم سمجھ کر پورا کرے اور نفس کو سمجھائے کہ اگر تو سستی کریگا تو اسی طرح تجھ کو ہلاکت کے مکاموں میں ڈالوں گا یہاں تک کہ وہ باز آجائے اسی طرح کرتا رہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

چوتھی فصل اداے طاعات کے طریقوں کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید ہے اور پانچ افادے ہیں۔

تمہید ۔ تہذیبِ اخلاق اور ادائے طاعات سے اصلی مقصود تو نفس کا سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور بدعادات سے پاک ہو جائے۔ اور بدعادتوں سے نفس کا پاک ہونا ہی نیک عادتوں کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ہے۔ اور عام اہلِ سلوک جو اس کو نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں محض خطا ہے کیوں کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے مار ڈالنے کا حکم ہے اور نہ زندگی کے باوجود اس کا کرنا ممکن ہے اور جو ممکن ہے اسی کی بجا آوری کا حکم بھی ہے۔ یعنی نفس کی اصلاح کر کے اسے احکامِ شرعیہ کا مطیع کیا جائے جیسے جاہل انسان کو عالم بنا دیا جائے پس اس کو مار ڈالنے سے تعبیر کرنا غلط ہے۔ اور نفس کشی میں جو مشکل ریاضتیں اور کھانے پینے کی کمی معمول ہے یہ سب غلط ہے ان ریاضتوں کے ساتھ نفس مرتا نہیں بلکہ انسانی وجود کمزور ہو جاتا ہے اور مشکل عبادتوں کے لائق نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ ان ریاضتوں سے نفس میں ایک وجہ کی شکستگی آجائے اور کئی وجہ سے نازگی پیدا ہو جائے۔

پہلا افادہ ۔ ارکانِ اسلام کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر یہ طریقہ ہے کہ ان ارکان کی عظمت اچھی طرح سمجھ لے اور جب ان کا بہت سا فائدہ اور عزت جان لے گا تو ان کا اہتمام اور ان کے اصلاح کی بہت تدبیریں کریگا پس ارکانِ اسلام خاص کر ان سے افضل رکن یعنی نماز کی عظمت کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ہی دشوار ہے لیکن بحکم ؎ مَا لَا یُدْرَكُ کُلُّهٗ فَلَا یُتْرَكُ کُلُّهٗ کسی قدر نماز

ؔ جو چیز ساری کی سا[ری سمجھ] میں نہ آئے ساری چھوڑ نی بھی نہ چاہیئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی عظمت لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسرے ارکان کی بابت نمونے کے طور پر کچھ بیان کیا جائیگا۔ پس پہلے ایک مثال سن لینی چاہیئے۔ ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت بڑی وسیع ہے اور اس کی رعیت بیشمار اور ان گنت لشکر ہیں اور مختلف مقاموں اور جگہوں میں بے حساب متباین کارخانے موجود ہیں اور ہر کارخانہ پر کئی قسم کے آدمی مقرر ہیں اور ہر ایک کارخانے میں طرح طرح کی چیزوں کو مداخلت ہے۔ مثلاً مزارع اپنے مختلف مرتبوں کے باوجود اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اور پیل بے شمار مختلف حاجتوں میں لگائے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح سپاہی اور کام میں مشغول ہیں۔ اور منشی اور کام میں اور ہر ایک کے لئے اس کے کام کے موافق ایک معین اُجرت اور عہدہ مقرر ہے اور اسی کام کے باعث ہر ایک کو جناب بادشاہ کے ساتھ ایک علاقہ اور ربط ہے اور اس علاقے کو معلوم کرکے اپنے آپ میں پھولا نہیں سماتا اور اپنی کوشش اور کام پر فخر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ بادشاہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور میرا جو علاقہ اس کے ساتھ ہے یہ اسی کی عنایت ہے اور میرے فخر کا دارومدار ہے۔ لیکن ان تمام کارخانوں کے ملازموں کے لئے ایک دوسرے پر درجوں اور مرتبوں میں تفاوت اور بعض کے اعلیٰ درجوں پر بلند ہونے کے باوجود ایک معین کام ہے کہ اس سے تجاوز کرنا اور بدلنا ممکن نہیں اور اسی واسطے کمی بیشی کے لحاظ سے ان کی اجرت میں تفاوت نہیں ہوتا اور بعد ازاں بادشاہ نے ایک خاص چیلے کو نائب اور خلیفہ بناکر تمام کارخانوں کے قیام کے لئے واسطہ بنایا ہے اور اس کے حاضر ہونے کے واسطے چند وقت مقرر کئے ہیں تاکہ ان وقتوں میں حاضر ہو اپنی حاجتیں بیان کرے اور سلطانی احکام سُنکر ان کارخانوں میں ان کو جاری کرے۔ اور چونکہ اس کے لئے دربار کے وقت معین ہیں اور مقررہ اوقات پر حاضر ہونے کے بارے میں اس پر

www.abulhasanalinadwi.org

سخت تاکید ہے۔ تمام کارخانوں والے اس کے حال کے نگراں اور اس کے مقام کے مشتاق رہتے ہیں اور ہر دربار میں اس کے واسطے ایک عجیب چیز اور ایک بلند مرتبہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ان مقرر وقتوں میں بادشاہ کی طرف سے اس پر ایک خاص عنایت تمام کارخانہ جات والوں کی عقلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح زمین سے لیکر آسمان تک کی مخلوقات کا یہی حال سمجھنا چاہیئے جو احکام الٰہی میں سرگرم اور مسخر ہیں۔ اور اگرچہ مقرب فرشتوں کے لئے عمدہ عہدے اور بڑے بڑے کام مقرر ہیں مگر وہ اپنے کام اور مرتبہ سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے کارخانہ میں کچھ دخل نہیں اور اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے امور میں کچھ دخل نہیں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس جو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے مقرر ہوچکا ہے نہ ان کو اس سے تنزل ہے اور نہ ترقی اور تنزل تو معصوم ہونے کی وجہ سے نہیں اور ترقی نہ ہونے کے لئے معراج کا قصّہ گواہ۔ بیت

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ✻ فروغِ تجلی بسوزد پرم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صفی اللہ کو خلافت کے واسطے پیدا کیا اور بے نہایت کمالوں کی استعداد آپ میں رکھی اور انہیں بہت سارے کارخانوں کا مظہر بنایا اور ترقی اور تنزل درحقیقت انسان کے لئے مقرر فرمائی۔ اور اول اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو افرادِ انسانی کا اصل میں اس کا پورا مظہر بنایا تاکہ اس حقیقت کے تمام افراد میں وہ سِرّ اثر کرجائے اور اسی واسطے جس طرح خاص شاہی چیلہ ان امور مملکت میں سے ہر ایک امر کا مصدر ہوسکتا ہے جو شاہت کے تمام نوکر چاکروں پر بانٹے ہوئے ہیں مثلاً مگس رانی اور جوڑا برداری جیسے کام جو غلاموں کے متعلق ہیں تنہائی میں حاجت کے وقت اس چیلہ سے لئے جاسکتے ہیں۔ اور اسی

www.abulhasanalinadwi.org

طرح کسی کو پیغام پہنچانا اور عند الطلب کسی کا حاضر کرنا جو نقیبوں اور چوبداروں کے متعلق ہے ضرورت کے موقعہ پر اس خاص چیلہ یا خلیفہ سے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں ۔ اور ایسا ہی فرمان نویسی اور جمع ، خرچ کا حساب کتاب جو منشی متصدی لوگوں کے سپرد ہوتا ہے ضرورت کے وقت اس خاص خلیفہ سے بھی کرالیا جاتا ہے ۔ اور ایلچی گری اور انتظام سلطنت اور لشکر کی سرداری اور امور متعلقہ وزارت جیسے عمدہ کاموں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے ۔

اسی طرح افرادِ انسانی میں سے کامل لوگ تدبیر کرنے والے فرشتوں کی ساری خدمتوں کا مصدر ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً جہاد یا دعا کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کی خدمت جو فرشتگانِ غضب سے متعلق ہے جہاد اور دعا کے ذریعہ اس کامل انسان سے ظاہر ہو جاتی ہے ۔ اور اعلیٰ درجہ کے منافع پہنچانے کی جو فرشتگانِ رحمت کے متعلق ہے اس سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور تسبیح واذکار اور بجا آوریِ عبادت کی جو خدمت فرشتگانِ مسبحین کے متعلق ہے اس سے صادر ہوتی ہے اور پڑھنے پڑھانے اور ارشاد وتلقین کی جو خدمت فرشتگانِ خدام وحی سے متعلق ہے اس سے درست ہوتی ہے ۔ اور سلطنتِ عادلہ اور خلافتِ کبریٰ کے قائم کرنے اور امامِ باطنہ اور نبوّت اور رسالت اور اولو العزم اور خاتمیت کے عہدوں اور مرتبوں کے مرتب کرنے کی جو خدمتیں ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے متعلق ہیں اس سے ہوا کرتی ہیں ۔ اور باقی خدمتوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیئے ۔

القصہ اللہ عزّوجل نے اپنے خلیفہ کی درباری کے لئے چند وقت مقرر فرمائے ہیں اور وراثت کے طور پر سارے بنی آدم میں وہ استعداد پوشیدہ کر رکھی ہے اور اس کا اظہار اسی کے اختیار میں دیدیا ہے ۔ اور نہایت ہی مہربانی اور عنایت کی راہ سے رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کے اتارنے اور ان ہی جیسے اور

بواعثِ ظہور استعداد کے ساتھ ہر طرح اس کی امداد فرمائی ہے۔ پس پانچ نمازوں کے وقت جو اس اشرفِ مخلوقات کے لئے نہایت قرب اور حضور کے وقت ہیں اور اسی واسطے بہترین امت پر فرض ہوئے ہیں وہی دربار کے وقت ہیں۔ اور معنی خلافت کی ایک شاخ سب لوگوں میں موجود ہے جو چاہے اس کو ظاہر کرے اور جو چاہے اس کو برباد کرے[1] قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔

پانچ وقتی نمازوں کا بندوں پر فرض ہونا تمام مخلوقات کی ماہیتوں پر انسانی ماہیت کے بلند ہونے پر معتبر گواہ ہے، گو اس کے افراد آپس میں متنا قض اور متفاوت ہوں بلکہ تنزل کرتے کرتے اسفل السافلین تک پہنچ جائیں اور دراصل ان کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے کے باعث بھی ان کی وہی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بڑی بلاؤں اور بڑی سزاؤں میں گرفتار ہونا بادشاہ کے خاص حضوری ملازموں کا حصہ ہوتا ہے۔ ع

ہم بیشتر عنایت وہم بیشتر عذاب

پس ایمانی کمال کی طلب کرنے والے مومن کو چاہیئے کہ نماز کی حقیقت اس طرح جانے کہ پروردگارِ عالم جلّ جلالہٗ نے جس کی بادشاہت کی بندگی اور اس کے اوصافِ کمال کی کوئی انتہا نہیں اسے تمام مخلوقات سے چن کر سخت تاکید کے ساتھ پانچ وقت دربار میں حاضر ہونے کا مطلق اذن دیکر دستوری لینے کا محتاج نہیں رکھا اور دربانوں اور نقیبوں کی منت اٹھانے سے سبکدوش کر دیا ہے اور غیر حاضری کی سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ پس اپنے آپ کو اس بڑی نعمت سے جو تمام جہانوں کے رشک کا مقام ہے محروم کر کے سخت سزا کا مستحق بنانا کس درجہ کی جہالت

---

[1] جس نے اس کو سنوارا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام رہا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور نادانی ہے۔ نماز کی عظمت کو اس طرح سمجھ کر نہایت ہی ادب اور اس خشوع کے ساتھ اس کو بجالائے جو اس حقیقی بادشاہ کے دربار کی قبولیت کے لائق ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ خدائی کام میں رکھ کر نماز کے وقتوں کو بے شبہ دربار اور حاضری کا وقت جانے اور تلاوت اور تسبیحوں اور دعاؤں کو اپنے حق میں مناجات اور مکالمہ اور عرضِ حاجات سمجھے۔ نماز کی اجمالی حقیقت تو یہ ہے، لیکن مفصل طور پر اس کے ارکان کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ مثال سمجھ لینی چاہیئے کہ جس طرح وہ بادشاہ خلیفہ یا نائب جس وقت مناجات اور عرضِ حاجات کا ارادہ اپنے دل میں پکا کر کے اپنے آقا کے دربار میں نہایت ہی خضوع اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے اعراض کر کے اس کی بادشاہت کی ہیبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر امید اور مناجات کی آنکھ اس کی طرف لگا لیتا ہے پس خواہ مخواہ جونہی وہ عالی جاہ بادشاہ اس کی سرگوشی کے ارادے سے مطلع ہوتا ہے اور اس کی عرضِ حاجات کی امید کو دیکھتا ہے اس کے حق میں ایک خاص مہربانی کرتا ہے اور قبولیت اور پیار کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور تعظیم کے جتنے قول اور فعل اس خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بادشاہت کی عنایت اور بھی اس پر زیادہ ہوتی ہے۔ پس جس وقت وہ فرمانبردار بندہ اپنے آقا کی عنایتوں کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ معلوم کرتا ہے تو تخت بوسی یا اسی جیسی اور تعظیمیں جو کہ سرگوشی کی اجازت طلبی کا مقدمہ اور عرضِ حاجات کا توطیہ ہوتی ہیں بجالانے کے لئے ٹیڑھا ہوتا ہے اور اس تعظیم کے صادر ہونے کے باعث بادشاہ کی بے نہایت مہربانیاں اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے مناجات اور عرضِ حاجات کی دستوری دیتی ہیں۔ پس وہ مطیع بندہ مناجات کا اذن حاصل ہو جانے کے شکریہ میں اپنی زبان سے وہ تعریف اور مدح کرنے لگ جاتا ہے جو اس کے مولا کے

www.abulhasanalinadwi.org

شان کے لائق ہوتی ہے اور اپنے آقا کی تعظیم کو ظاہر کرنے والا فعل بجالا کر مناجات اور عرضِ حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ وقت اس فرمانبردار بندہ کے لئے نہایت ہی کمال اور عالی جاہ بادشاہ کے نہایت قرب اور سلطنت کی ہیبت اور بادشاہت کے غلبہ کے نہایت ظاہر اور واضح ہونے کا وقت ہے اور ایسے وقت میں مناجات کے بعض مضامین اور حاجات کے بعض مقامات میں بھول چوک کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر مقام مناجات سے جدا ہو کر اپنے خیال اور عقل کو درست کر کے پھر محلِ قرب میں داخل ہو تاکہ اچھی طرح فوت شدہ چیز کا تدارک ہو سکے اور جبکہ اس قسم کے قرب اور اتصال کی حالتیں اس مطیع بندہ پر وارد ہوتی ہیں، نہایت قدردانی اور قبولیت کا قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیٹھنے کی اجازت دیکر اس بندے کی عزت افزائی کی جائے، لیکن چونکہ بادشاہی دربار میں بیٹھ جانا سخت بے ادبی ہے اس لئے بادشاہت کی حکمتِ عملی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس بندے کو ایسی خدمت کی بجاآوری کا حکم دیا جائے جو بیٹھنے کے مناسب ہو۔ مثلاً وہ بادشاہ عالی جاہ اس کی طرف اپنا پاؤں دراز کر دیتا ہے تاکہ چاپی کی خدمت ادا کرنے کے لئے بیٹھ جائے۔

اسی طرح جس وقت شرک سے پاک درست عقیدے والا، خالص نیت والا، بدعت سے بچنے والا بدعادتوں سے خالی اور عمدہ خصائل سے مزیّن ایماندار اپنی جان و بیہی آلودگیوں اور اندرکی گندگیوں سے صاف اور اپنے بدن کو حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاک اور اپنے دل کی تختی کو نقوشِ ماسوی اللہ سے صاف اور دل کو علائق غیر اللہ سے خالی کر کے اپنے دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نہایت محبت اور رغبت سے [1] اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ

---

[1] بیشک میں نے اپنے مُنھ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اَلْاَرْحَنَ کے مضمون کو اپنے تہ دل سے مضبوط کر کے تکبیرِ تحریمہ کہتا ہے، صرف اسی عقد کے ساتھ رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور ایک خاص قسم کی عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ حدیث[1] اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْہِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ۔ وفی روایۃ[2] فَاِنَّ الرَّحْمَۃَ تُوَاجِہُہٗ۔ اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور تلاوتِ قرآن اور دعاؤں سے جس قدر تعظیمی اقوال اس سے ظاہر ہوتے ہیں اسی قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیض اس کے حق میں مبذول ہوتا ہے تاکہ غایتِ تعظیم کا توطیہ یعنی نہایت قرب کی تمہید یعنی سجدہ بجالاتا ہے اور جب اپنے خالص عقل کی طرف ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ عزوجل شانہٗ نے مجھ کو ایسے رفیع مقام یعنی سجود پر مطلق ماذون کر کے کوئی مانع نہیں چھوڑا تو اس بڑی نعمت اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو کر جو حمد و ثنا اس کی شان کے شایاں ہے بجالا کر اپنے ماتھے کو عاجزی کی مٹی پر گھس کر مناجات اور عرضِ حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ سجود نہایت ہی قرب اور تجلیاتِ جمالی اور جلالی کے ظاہر ہونے کا مقام ہے، لہٰذا حاجات کے بعض مضامین میں بھول جانے کے گمان پر اس کو حکم کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اس رفیع مقام سے تھوڑی دیر اُتار کر پھر فوت شدہ حاجت کے تدارک کے لئے آجانا۔ اور جب وہ پاک مومن ان پسندیدہ حالات کو جن کے ادنیٰ درجہ کا تکرار دو رکعتوں میں پایا جاتا ہے باربار بجالا کر بیٹھنے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے تو بزرگی کے قانون کی محافظت کے لئے نماز کے قعود کو

---

[1] تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہو تو اپنے سامنے تھوک نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔ [2] کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اُسے اُس تشہد کے پڑھنے کا حکم ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے۔ اور ارکانِ نماز میں تکرار اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ افعال تعظیمی کا بار بار بجالانا نہایت ہی اطاعت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ ایک بار تعظیمی فعل بجالانے میں اس کے اتفاقی صادر ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اور قومہ میں بھی ایک بھید ہے جس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ نماز کے ہر رکن میں ایک نئی شیرینی اور تازہ لذّت ہے، پس ضرور ہے کہ رکوع کو سجود سے ایک اجنبی فعل کے ساتھ جدا کرنا چاہیئے تاکہ ہر ایک رکن کی مستقل لذت نمازی کو حاصل ہو جائے، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی ایک گہرا بھید ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی بے حیثیت آدمی دفعۃً کسی بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اس کا ہاتھ پایۂ تخت شاہی تک پہنچ جاتا ہے یا مستقل دستار سے بہرہ ور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ہم جنس اور ہم جولی اس امر کا اتفاقی ہونا خیال کرتے ہیں۔ اور جب یہ امر بار بار متحقق ہو جائے تو وہ بیہودہ خیال باطل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح جب اس مٹھی بھر مٹی کو قرب کے ان اعلیٰ مرتبوں کے ساتھ سجود میں حاصل ہوتے ہیں معزز کرتے ہیں تو خواہ مخواہ سب جہان والوں کے دلوں میں بلکہ اس نمازی کے نفس میں اس امر کے اتفاقی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ پس اس گمان کے دور کرنے کے واسطے ہر رکعت میں اس پاک مومن کو اس فاخرہ خلعت کے ساتھ دوبارہ معزز فرمایا جاتا ہے۔ ارکانِ نماز کے اسرار کی طرف اجمالی اشارہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل بیس مقام کی تنگی کی وجہ سے عقلمندوں کی عقل کے حوالہ کی گئی ہے۔ اگر اتنی بات پر اچھی طرح مطلع ہو کر مداومت کریگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اپنی استعداد کے موافق الہامات صادقہ کا مورد بن جائیگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت فاروقؓ کے قول اُجَہِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ[1] کا بھید اس جگہ سے معلوم کر سکتے ہیں، اپنے دربار کے وقت مسلمانوں کے لشکروں کی وہ تدبیر جو کہ دینِ متین کی زیادہ قوت اور شوکت کا باعث تھی کیا کرتے تھے، اسی واسطے جتنی فتوحات اور اسلام کی ترقیات آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور کسی زمانہ میں معلوم نہیں ہوئیں۔

الغرض انسان کے دل میں ایمان اس بیج کے جا بجا ہے جو زمین میں چھپا ہوا ہے۔ جونہی اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اس کی عبودیت خدائی عالموں میں معلوم ہو گئی ہے تو فرشتوں کی اعلیٰ جماعت سے زبانِ حال کے ساتھ اس کی عبودیت اور قبولیت کی مبارکباد کی آواز نے جہان والوں کے کانوں کو زینت بخشی اور محض کلمہ شہادت کے صادر ہوتے ہی دربار میں پانچ وقت حاضر ہونے اور پاک ہونے کے بہت ان حکموں کے ساتھ جو دربار میں حاضر ہونے کے لئے ایک مقدمہ ہیں، معزز کیا گیا۔ اور بہت سے قولی اور فعلی آداب اور بلند اور آہستہ عرضداشت کے سکھانے سے ممتاز ہو گیا۔

دوسرا افادہ :- چونکہ بموجب منطوق آیت جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا[2]۔ دنیاوی مال اس جہان کی زندگی کا ستون ہیں۔ بالکل ان اموال سے قطع تعلق کر لینے کا امر نہیں کیا گیا، اور ممکن ہے انسان مسلمان ہوتے ہی مالدار بن جائے یا پہلے سے ہی مالدار ہو اسی واسطے زکوٰۃ کو نماز کا ضمیمہ بنا دیا گیا تاکہ جو مال اکثر غفلت کا موجب ہوا کرتا ہے، اور اس کی محبت سیاہ دلی کا باعث بنتی ہے مسلمان آدمی کے حق میں ایک قسم کی ہمیشہ کی حاضری بن جائے اس کی شرح یہ ہے

---

[1] میں نماز پڑھتے ہوئے لشکر کی تیاری کرتا ہوں۔ [2] جو بنائی اللہ نے تمہاری گزران۔

www.abulhasanalinadwi.org

جب آدمی مسلمان ہوا اور اس نے جان لیا کہ میں ارکانِ اسلام کے ساتھ مامور ہوں اور عمدہ ارکان جن میں سے زکوٰۃ بھی ایک عمدہ رکن ہے اس کے دل میں جاگزیں ہوگئے اسی وقت اجناس اموال کی تفتیش میں لگ گیا کہ کونسا مال زکوٰۃ کے قبیل سے ہے اور کونسا نہیں اور جو پہلی قسم سے ہے اس کی کیا مقدار ہے اور اور مقدار کی زکوٰۃ کتنی ہے، اور سال کا گذرنا جو زکوٰۃ کی ایک شرط ہے کس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ پس جب تک یہ اہتمام اس کے دل کو دامن گیر رہے گا خواہ عین ترقی اموال کی تدبیر میں ہو تو ایک قسم کی حاضری اس کو نصیب رہیگی اور جب فرضیت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیگا، یعنی جان لیگا کہ اتنا مال جو ہر سال میں نذرانہ اور تحفے کے طور پر اس کے دربار میں حاضر کرنے کے لئے میرے ذمے مقرر کیا گیا ہے وہ محض اپنا جلیل القدر انعام مجھ پر بڑھانے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی واسطے مستقل طور پر زکوٰۃ کا لینا جس طرح کہ قرآن شریف اور حدیث سے سمجھا جاتا ہے امام اور خلیفہ کا حق ہے۔ گویا اس طرح ادا کرنا خود اللہ جل جلالہٗ کے ہاتھ میں دینا ہے۔ پس ہر سال زکوٰۃ کے ادا کرنے میں مسلمان آدمی اس شخص کی مانند ہے جس کو بے پرواہ عالی جاہ بادشاہ کی جانب سے ایک تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور استعمال کی چیزوں میں سے ہر سال اس قدر نیاز عید یا جشن کے طور پر ہمارے حضور میں لایا کرو تاکہ ہم اس کو اپنی عنایت کے ہاتھ سے قبول کر کے تم کو اپنی مہربانیوں کا مورد بنا دیویں۔ پس دوسرے کارخانوں والے جن سے عید اور جشن کے موقعہ پر اس طرح کی نذر مطلوب نہیں بلکہ وہ ادا بھی نہیں کر سکتے اس کے مرتبہ کی اس بلندی اور اس کی محبت اور عزت کے مقر ہو جائیں جو بادشاہ کی درگاہ میں اس کو حاصل ہے، وہ شخص ہمیشہ زیادہ اور ترقی میں رہتا ہے۔ اور عین شغلِ اموال میں غفلت اس کے سامنے نہیں آتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

فائدہ:۔ جس طرح طاقتور اور سخاوت شعار بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ نذر و نیاز کے مالوں کو اپنی خاص حاجتوں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ عالی مقدار شاہزادوں اور بڑے بڑے امیروں جیسے اہلِ عزت کے مخارج میں بھی ان کے خرچ کرنے کی تجویز نہیں کرتے ان کے نزدیک ایسے مالوں کے مصرف فقط حاجتمند لوگ ہیں۔ اسی طرح حضرت شاہنشاہ نے زکوٰۃ کے مالوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام کر دیا، کہ دراصل آنجناب کے خرچ خاص حضرت رب الارباب کے مخارج میں سے ہیں، اور تمام بنی ہاشم پر جن کو آپ کے ساتھ قرابت کا رشتہ ہے صدقے حرام کر دیئے۔ اور ان مالوں کا مصرف صرف حاجتمند لوگوں کو فرمائے۔ پس جن لوگوں پر صدقات حرام کئے گئے ہیں ان کو وہ عزت اور فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ اس کے شکر کو کسی زبان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے، اگر فقط اسی نعمت کے مقابلہ میں صدہا قسم کی عبادتیں بجالائیں ان کو لائق ہے اور اس جیسی بڑی نعمت کے مقابلہ میں کفران اور نافرمانی کس درجہ کی نالائقی ہے۔

تیسرا افادہ۔ روزے کی فرضیت میں بھی مومن آدمی کی توجہ سارے سال حکمِ الٰہی کی تعظیم کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور خود انتظار میں رہتا ہے اور تیاری کرتا رہتا ہے کہ جب رمضان شریف آئیگا تو اس طرح روزہ اور نمازِ تراویح ادا کروں گا۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کروں گا۔ اور اس انتظار اور تیاری اور نیت کے اخلاص میں لوگوں کی حاجتیں مختلف ہوا کرتی ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے ان کی قبولیت کے درجے مختلف ہو جاتے ہیں۔ پورے سال اس انتظار کی وجہ سے رمضان کو زکوٰۃ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہے، جس طرح زکوٰۃ کے بیان میں مذکور ہوا۔

اگرچہ سب امتوں پر روزہ فرض تھا لیکن اللہ جل شانہٗ کی بے غایات

www.abulhasanalinadwi.org

عنایتوں سے اس امتِ مرحومہ کے بدنی ضعف اور عمر کی کمی اور بے ہمتی وغیرہ امور کے لحاظ سے اس مبارک مہینے کی تخصیص اور لیلۃ القدر کا تقرر ہوا۔ تاکہ یہ لوگ بھی مشکل احوال کی مزاولت کے سوا ہی ماہِ موصوف اور شبِ قدر کی برکات کے ذریعہ سے پہلے لوگوں کی مانند یا ان سے زیادہ عالی درجوں پر کامیاب ہوں اور روزے سے ہر سال میں نفس پر ایک قوی لستاڑ ہوتی ہے جس کا اثر پورے سال تک رہتا ہے۔ اور آدمی کی شہوت اور اس کے غضب اور حرص کی اصلاح ہوجاتی ہے، گو ہر انسان کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

چوتھا افادہ۔ لیکن اس کے جا بجا ہے کہ بادشاہ نے ایک مقام کو مقرر کرکے اسے اپنی بے نہایت مہربانیوں کا مورد بنا دیا ہے، اور جس شخص کو اس مکان میں طلب کرتا ہے اس کو بہت سا فیض پہنچاتا ہے اور اس کو اپنے ہم جلیسوں میں معظم اور معزز بنا دیتا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بلانے کے سوا اس مکان میں داخل ہو اس پر بھی وہ مہربانیاں کرتا ہے جن کی اس کو لیاقت ہے اور اس کو بھی اپنے ہم جولیوں میں ایک طرح کی عظمت حاصل ہوجاتی ہے۔

الفصہ اس مکان کو خوانِ یغما بنا دیتا ہے۔ پس جو شخص بلانے پر وہاں حاضر ہو، اس کے حال کے موافق اس پر اعزاز وانعام فرماتا ہے اور جو شخص بلا طلب وہاں پہنچ جائے اس کو بھی خالی نہیں چھوڑتا اور کسی نہ کسی وجہ سے اس کو عزت اور انعام دے ہی دیتا ہے۔ اسی طرح بادشاہِ مطلق جلّ شانہ نے خانۂ کعبہ اور اس کے اردگرد کو جسے حرم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ساری دنیا سے ممتاز کرکے اپنے فیوض کا مورد بنا کر ہر کس وناکس کے واسطے خوانِ یغما کر دیا ہے پس وہاں بلائے ہوئے جو اشخاص یعنی بنی آدم حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رنگا رنگ نعمتوں سے مالامال ہوجاتے ہیں، تمام گناہوں سے مغفرتِ عامّہ بھی

www.abulhasanalinadwi.org

انہی نعمتوں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بخش کر اس طرح بنا دیتا ہے گویا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آئندہ کے لئے بھی اللہ جل شانہٗ کی عنایتیں اس کے شاملِ حال رہیں گی۔

اور حیوانات اور نباتات جیسی چیزوں سے جو بلا طلب وہاں پہنچ جاتی ہیں وہ حرم حُرمت سے معزز ہو کر اپنے امثال میں سے ایک درجہ کا امتیاز حاصل کر لیتی ہیں۔ پس ہر ایک کو چاہیئے کہ اس امرِ عظیم یعنی محض اعزاز اور اکرام کے واسطے ایسے عاجز کو ایسے مقام میں اپنے پروردگار کے بلانے کا دھیان کر کے عظمتِ حج کو اپنے دل میں پختہ کر لے۔

پانچواں افادہ۔ جاننا چاہیئے کہ جہاد بھی بے نہایت فوائد اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور اس امرِ عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ عام فائدہ ہے کہ فرمانبردار مؤمن اور سرکش کافر اور فاسق اور منافق بلکہ جن اور انس اور حیوانات اور نباتات اس میں شریک ہیں۔ اور دوسری قسم فوائدِ مخصوصہ ہیں جو مخصوص لوگوں کو پہنچا کرتے ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کو ایک طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسرے طرح کا۔ لیکن منفعتِ عامّہ کا بیان یہ ہے کہ جس طرح صحیح تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ حکّام کی عدالت اور اہلِ معاملات کی دیانت اور مالداروں کی سخاوت اور بخشش اور عام لوگوں کی نیک نیتی کے باعث وقت پر بارشیں ہونے اور فصلوں کی کثرت اور کاروبار کی برکت، اور بلاؤں اور آفتوں کے دفع ہونے اور مالوں کی ترقی اور زیادہ سے زیادہ اہلِ ہنر اور کمال کے پیدا ہونے کے مانند آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح دینِ حق کی شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور ان کی حکومت کے ظاہر ہونے اور مذہبِ حق

www.abulhasanalinadwi.org

کے لشکروں کی قوت اور شہروں اور دیہات میں احکامِ شرع کے پھیلنے کے سبب زمین کے قطروں میں اسی طرح کی آسمانی برکتیں بلکہ ان سے سَو گُنا زیادہ ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ برکاتِ سماویہ کے نزول میں روم اور ترکستان کے حال کے ساتھ ہندوستان کے حال کا موازنہ کرسکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ ہجری کے حال کو کہ اس کا اکثر حصہ حرب بن چکا ہے آسمانی برکات کے نازل ہونے اور اولیاءِ عظام اور علماءِ کرام کے ظاہر ہونے میں اسی ملک کے اس وقت دو سو یا تین سو سال کے پہلے حال کے ساتھ قیاس کرنا چاہیئے ولیکن اس کے مخصوص فائدے سو شہید مومنوں اور غازی مسلمانوں اور طاقتور بادشاہوں اور لڑائی کرنے والے جواں مردوں کی نسبت ان کا حاصل ہونا بیان کا محتاج نہیں اور صاف باطن لوگوں کی نسبت اس جہاد کا یہ فائدہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بہت سی بڑی بڑی ترقیاں پاتے اور تھوڑی ریاضت سے ولایت کے مرتبوں پر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور علماء کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ علومِ حقہ پھیلتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والے زیادہ ہوتے ہیں علماء، قاضی، مفتی، مجتہد کے مرتبوں پر فائز عام لوگوں کو مقبول مذہب کی طرف عام دعوت کرکے امامتِ باطنہ کے منصب پر کامیاب ہوتے ہیں۔ اور عقائدِ حقہ اور احکامِ پسندیدہ کے پھیلانے کے باعث نیابتِ انبیاء کو حاصل کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوتا ہے۔ اور عام صلحاء کی طرف نسبت کرنے سے ان کے یہ فائدے ہیں کہ نیکوکار لوگوں کی عزت اور بدکار لوگوں کی بے عزتی اور پسندیدہ جائز امور کی مشہوری اور ناپسندیدہ ناجائز امور کی گمنامی کی وجہ سے صلاح اور پرہیزگاری کی طرف ان کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور نیز اہلِ اسلام کے بادشاہوں کی اطاعت اور باعزت علماء اور بزرگ اور

www.abulhasanalinadwi.org

اولیاء کی تعظیم اور بڑی بڑی جماعتوں میں داخلِ اسلام ہونے کے باعث ان کی عبادات کے اجر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور عام مومنوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے منافع یہ ہیں کہ معاملات میں ان کی نیتیں صحیح ہو جاتی ہیں اور اللہ عزوجل کی مہربانیوں، دینِ حق کے انوار کے پھیل جانے کے باعث ان کے دلوں میں عبادات کی طرف محبت اور رسوم شرعیہ کے مشہور ہونے کے سبب سے ان کی متابعت اگرچہ تقلیداً ہو پیدا ہوتی ہے اور نیز برکاتِ سماویہ کے نازل ہونے اور ذوالاقتدار بادشاہوں کی عدالت اور سخی لوگوں کی سخاوت کی وجہ سے ان کو معاش میں فراخی حاصل ہوتی ہے اور قوانینِ شرعیہ کی متابعت کے باعث ان امورِ معاشیہ اور معادیہ میں انتظام پاتے ہیں اور بدکاروں اور فاسقوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فوائد ہیں کہ بنی آدم کے دلوں میں حق مذہب کے انوار کی سرایت اور عام لوگوں کی عقلوں میں بُرے افعال کی برائی مضبوط ہو جاتی اور حق مذہب کے مشہور ہونے کے باعث ان کے دل میں فسق و فجور کے کراہیت پیدا ہو جاتی ہے یا حدود اور تعزیروں کے ڈر اور اپنے خویش و اقران کی طعن و تشنیع کے خوف کے مارے اظہارِ بدعات و منکرات سے دست کش ہو جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق پاتے ہیں اور منافقوں کی بہ نسبت اس کے یہ فائدے ہیں کہ قتل کے خوف یا ایمانداروں کی عزت اور سرکشوں کی ذلت دیکھ کر بظاہر حق پر مستقیم رہتے ہیں اور ظاہر ہو کر کفار کی جماعت میں داخل نہیں ہوتے، اور ان کے حق میں یہ امید بھی ہو سکتی ہے کہ حق مذہب کے انوار کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نازل ہونے اور اہلِ اسلام کے شوکت کے دیکھنے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ساتھ میل جول کرنے اور ان کے انوار کے عکس اور ان بزرگوں کی نصیحت کے تاثیر کرنے کی وجہ سے مذہبِ حق کا نور ان کے دل کی تہ میں اثر

www.abulhasanalinadwi.org

کر جائے اور ذمی کافروں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ آسمانی برکتوں کے نازل ہونے سے ان کی معاش فراخ ہوجاتی ہے اور بادشاہوں کی عدالت کے باعث چوروں اور رہزنوں سے وہ مطمئن ہوجاتے ہیں اور امید ہے کہ اہلِ حق کے ساتھ خلط ملط رکھنے اور ان کی رسموں کے مشہور ہونے اور ان کے امورِ معاش اور معاد کے انتظام کے دیکھنے کے باعث اسلام کی طرف راغب ہوجائیں۔ اور اہلِ حرب کی طرف نسبت کرنے سے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جائیں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، کیوں کہ اگر وہ مارے نہ جاتے تو مدت تک اپنے کفر پر قائم رہتے۔ پس خواہ مخواہ ان کا کفر بڑھتا رہتا، اور جس قدر کفر بڑھتا عذاب بھی زیادہ ہوتا۔ اور ان کی بی بی بچوں کے حق میں فائدہ یہ ہے کہ غلام ہوجانے کی وجہ سے ان کو اہلِ حق کی صحبت حاصل ہوجاتی ہے جس سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ بھی ان کے رنگ سے رنگے جائیں۔ مختصر طور پر منافعِ جہاد بیان کئے گئے۔ اور اس مقام میں اس کے فوائد کا مفصل طور پر احاطہ نہیں ہوسکتا۔

الغرض شریعت کے کارخانہ میں اہلِ ایمان پر جہاد کا واجب ہونا دنیا کے کارخانہ میں بارش اتارنے اور نہروں کے جاری کرنے کے قائم مقام ہے اور بعض بدطینت لوگوں کا ہلاک ہونا، مثلاً وہ اہلِ اسلام جو کہ جہاد سے مانع ہوتے ہیں اور اپنے باطن کی خباثت اور کافروں کی محبت کے باعث غازیوں اور مجاہدوں کی مخالفت اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیتے ہیں۔ اور خبیث منافقوں کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں، اس قسم کے چند فاسد الاستعداد اشخاص کا ضائع ہوجانا جہاد کے عام فائدوں میں خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ بارش ہی کو دیکھو کہ اس کے عام فائدے تمام

www.abulhasanalinadwi.org

مخلوقات کے حق میں ظاہر ہیں باآنکہ نہروں اور سیلابوں کی طغیانی کے باعث چند لوگوں کی عمارتیں گر بھی جاتی ہیں۔

خاتمہ متفرق فائدوں کے بیان میں

اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ ۔ جاننا چاہیئے کہ سرود کا سننا بغیر مزامیر کے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ میل جول کرنا بدون شہوت کے اگرچہ ممنوعاتِ شرعیہ سے نہیں لیکن اس قسم کے امور کو راہِ حق کے سالکوں کے لئے، خصوصاً راہِ نبوت کے طالبوں کے حق میں خالی خلل سے نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس قسم کے امور مبتدیوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہیں۔

مبتدیوں کے حق میں ان کے مضر ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام روحانی طبیبوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ راہِ حق کے سالکوں کے لئے حقوقِ نفس کا پورا لینا ضرور ہے اور حظوظِ نفس یعنی نفس کے مزوں کے پیچھے پڑنا مضر ہے اور خاصکر ایسے مزے جن کی لذت صلبِ نفس میں واضح ہو جائے۔ اور ان کی شیرینی سویدائے[1] دل میں محکم بیٹھ جائے اور ان کی طلب میں نفس سرگشتہ و حیران ہو جائے زیادہ تر مضر ہیں اور یہ حالت بالکل ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کے امور حقوقِ نفس کے قبیل سے نہیں کیوں کہ ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے کبھی جسم میں ضعف اور ناتوانی نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے (ضعف پیدا ہو جاتا ہے)

---

[1] دل کے اندر ایک سیاہ نقطہ ہے جو نفسانی خواہشوں کا محرک، باعث ہوتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور نیز ان کے ترک کر دینے سے کبھی انتشارِ حواس اور طبیعت کی بے چینی اور عقل کی پراگندگی نہیں ہوتی۔ جیسے نیند اور استراحت کے ترک کر دینے سے یہ امور پیدا ہوتے ہیں۔ و علیٰ ہٰذا القیاس کبھی ان کے ترک کر دینے سے اس امر کا خطرہ نہیں ہوتا کہ کسی شرعی حرام میں واقع ہو جائے، جیسے جماع کے چھوڑنے سے (اس امر کا خطرہ ہوتا ہے)۔

الغرض اس قسم کے امور کو کوئی عاقل حقوقِ نفس کے قبیل سے نہیں شمار کر سکتا۔ پس معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے امور حظوظِ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ اس قسم کے حظوظ سے ہیں جن سے طالب کو پرہیز کرنا نہایت مؤکد وضروری ہے کیونکہ رسیلی آواز اور صورتِ دل رُبا ایسی چیزوں سے ہیں جن کی لذت دل کی تہ میں گھس جاتی ہے اور ان کا اثر دور دراز زمانہ تک نفس کے دامن میں لگا رہتا ہے۔ اور ان کی طلب میں نفس کو بڑا جوش اور اضطراب رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے امور ان مباحات کی جنس سے ہیں جن کا من وجہٍ امورِ محرمہ سے پیوند لگا ہوا ہے۔ اور بعض وقتوں میں بعض شخصوں کو کھینچ کھینچا کر گناہوں تک لے جاتے ہیں۔ مثلاً راگ کے سننے کے ساتھ دل کا کمالِ تعلق مزامیر اور باجوں کے سننے کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط اور تنہائی میں ان کے ساتھ بیٹھنا شہوت کے پیدا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہلِ فطانت اور تجربہ کاروں پر پوشیدہ نہیں۔ اور اس قسم کے مباح امور سے پرہیز کرنا اہلِ تقوےٰ اور نیکوکاروں کا شعار ہے۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون بصراحت مذکور ہے اور کسی شخص کو اپنے تقویٰ اور صلاح کے بھروسے پر ایسے امور میں قدم نہ ڈالنا چاہیئے کہ کلامِ ہدایت التیام إِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِی مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ[1] اس قسم

---

[1] یعنی شیطان کا دخل انسان کے باطن میں ایسا ہے جیسے خون انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے شبہات کے دور کرنے میں شافی اور کافی ہے۔ لیکن منتہیوں کے حق میں راگ کے سماع کا عادی ہونا ایک اور قسم کا نقصان پہنچاتا ہے اور امردوں کے ساتھ دل کا تعلق ایک اور قسم کا ضرر پہنچاتا ہے۔ ولیکن سماعِ غنا کے عادی ہونے کا نقصان پس اس کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔

بیان اس کا اس طرح ہے کہ ہر انسانِ سلیم الوجدان اپنے باطن میں دریافت کر سکتا ہے کہ کیفیتِ غضبیہ اور ملکۂ شجاعت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں اگرچہ ہر دو کے آثار اور احکام آپس میں ہم جنس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ضرب وقتل کہ غضب کے عارض ہونے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور ملکۂ شجاعت سے بھی۔ لیکن اول یعنی غضب جلدی زائل ہونے والے عوارض سے ہے۔ اور اس سے افعال کا صادر ہونا بے انتظام ہوتا ہے۔ اور ثانی ملکاتِ راسخہ سے ہے، اور افعال کا صدور اس سے انتظام اور استحکام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اول کیفیاتِ مذمومہ سے ہے اور ثانی ملکاتِ[1] محمودہ سے۔ پس کیفیتِ غضب کا طاری ہونا اور اس کے آثار کا صادر ہونا اگرچہ آثارِ شجاعت کے ظہور کا محل نہیں بلکہ اس کا مؤید ہے لیکن اس کیفیت کا غلبہ اور نفس پر اس کا مسلط ہوجانا اور اس کے مقتضیٰ کی (اس طرح) پیروی کرنا کہ جس کام کا غضب حکم کرے اس کو کرہی ڈالے، خواہ عقل اور عرف کے مطابق ہو، خواہ اور کے مخالف ملکۂ شجاعت کو بے رونق کردیتا ہے اور جس طرح صاحبِ شجاعت متین باتمکین ہوتا ہے اسی طرح صاحبِ غضب سبک مزاج اور بے وقار ہوتا ہے۔

جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہوچکا تو اب اصلی مقصود میں غور کرنا چاہیئے اور

---

[1] ملکہ اس خلق کو کہتے ہیں جو بلا تکلف انسان سے صادر ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

کمالِ تعمق سے نظر کرنی چاہیئے کہ وہ جوش اور ہیجان کہ آوازِ خوش کے سننے سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ امورِ قدسیہ الٰہیہ سے نہیں کیوں کہ اس قسم کے حالات فاسقوں فاجروں بلکہ بدعتیوں اور کافروں کے نفس پر بلکہ سب حیوانات کے نفس پر وارد ہوتے ہیں، لیکن انوارِ عبادات اور طاعات کے اختلاط اور خالق الارض والسمٰوٰت کی محبت کی آمیزش کے سبب سے سالکِ راہِ حق کے لئے بظاہر ایک قسم کی تائید سی معلوم ہوتی ہے۔ اور عارضی طور پر حالاتِ محمودہ سے شمار ہو جاتا ہے، لیکن حبّ ایمانی کے آثار و مقامات کے سامنے اس کی وہی مثال ہے جیسے کیفیتِ غضبیہ کو شجاعت کے سامنے۔ اور جس طرح سونے یا چاندی کے ٹکڑے کے نیچے آگ لگاتے ہیں تو آگ کی تیزی کی وجہ سے اس کے ٹکڑے میں ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے تا کہ پانی کی طرح ہو کر جھاگ اس پر ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا خلاصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ پس فی الحقیقت امرِ مرغوب وہی ہے جو نیچے بیٹھ جاتا ہے اور یہ جھاگ جو اوپر چڑھ آئی ہے کسی کام کی نہیں[1] فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ۔ اسی طرح راگ کے سننے سے جو جوش ظاہر ہو کر سننے والے کے تمام باطن کو گھیر لیتا ہے، یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کی طرف نفس کو رغبت ہوتی ہے۔ اور احکامِ بہیمیہ جو کہ انوارِ قدسیہ سے ملے ہوئے ہیں اس قدر ابھرتے ہیں کہ گویا آسمان پر سر بلند کرتے ہیں۔ اور حبِ ایمانی کے احکام و آثار کی تہ میں بیٹھ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہیجان اور جوش امورِ معتدبہا میں کسی طرح کارآمد نہیں۔ ہاں ایک قسم کا طلسم ہے جو عالمِ ملکوت کے تماشائیوں کے نظارہ کے لئے ظاہر ہو گیا ہے۔ پس اس قسم کے امور کے پیچھے پڑ جانا اور ان کے

---

[1] وہ جو جھاگ ہو جاتا ہے سوکھ کر اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سو رہتا ہے زمین میں۔

www.abulhasanalinadwi.org

حاصل کرنے کے سببوں کا عادی ہوجانا حبِ ایمانی کے مقامات کو بے رونق کردیتا ہے کیونکہ حبِ ایمانی کے صاحب کا کام سراسر اطمینان وتسکین اور وقار وتمکین ہے اور اہلِ وجد کا کام سراسر اضطراب اور پیچ وتاب ہے۔ ولیکن امردوں کے ساتھ دل لگانے کا نقصان پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ان کے حق میں اگرچہ حظوظِ نفسانیہ سے محظوظ ہونا (چنداں) مضر نہیں، لیکن تہِ دل میں کسی پیر کا راسخ ہوجانا ان کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اور دل کا تعلق امردوں کے ساتھ اسی قبیل سے ہوتا ہے یا اس کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے، چنانچہ صاحبِ وجدانِ سلیم پر پوشیدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابرِ سالکانِ راہِ حق سے، جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اس قسم کے امور سے کچھ منقول نہیں بلکہ جو کچھ ان کے کلام ہدایت التیام سے اہلِ فطانت کے ذہن میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان امور سے پرہیز و اجتناب کا اشارہ اور ان کی کراہت کا شعار ہے۔ چنانچہ ماہرینِ اہلِ حدیث پر یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ولیکن جناب سرورِ کائنات علیہ التسلیمات التحیات کا ان امور کی تحریم پر تصریح نہ فرمانا پس ایک حکمتِ غامضہ پر مبنی ہے۔

بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ امور بالفعل مفاسدِ شرعیہ میں سے کسی مفسدہ پر مشتمل نہیں، باوجودیکہ ان امور کی طرف نفس کے کمالِ رغبت کی وجہ سے اور مخلوقات کے تمام ان اصناف میں ان کے کمالِ رواج کے سبب سے ان سے پرہیز کرنا عام لوگوں کے حق میں نہایت دشوار دکھائی دیتا تھا، پس اگر اس قسم کے امور سے شریعت میں صریح نہی وارد ہوتی تو قطعِ نظر اس سے کہ ان امور کے سبب سے کوئی مفسدہ ظاہر ہو یا کوئی مضرت ان پر مرتب ہو محض ان امور کے کرنے سے ایک معصیتِ شرعیہ کا ارتکاب لازم آجاتا، اور اکثر امتِ مرحومہ شقاوتِ عصیاں میں گرفتار ہوجاتی۔ بنائً علیہ صرف ان امور کی کراہت کے

www.abulhasanalinadwi.org

شعار پر اکتفا کی گئی۔ پس طالبِ راہِ حق کو مناسب ہے کہ اس قسم کے امور کا عادی نہ ہو جائے اور اپنے دل کے سویدا میں ان کو جگہ نہ دے اور ان کی طلب میں سرگشتہ و بیقرار نہ ہووے۔ صمیمِ قلب سے ان کی طرف التفات نہ کرے۔ ہاں اگر بطورِ اتفاق کبھی اس قسم کے امور پیش آجائیں تو ان کے انکار پر زور دینا چنداں ضروری نہیں اور اور اس قسم کا کام کرنے والوں کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہیے تاکہ تشدد فی الدین اور تحریمِ حلال لازم نہ آئے اور اگر اپنے عقیدتمندوں بلکہ تمام طالبانِ راہِ حق پر جنھوں نے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں کمرِ ہمت چست کی ہوئی ہے اس امر کی کراہت ظاہر کرے، اور اس سے ممانعت کا ارشاد کرے تو احسن و اولیٰ ہوگا۔

بہرحال جن لوگوں نے ان امور کو قربِ الٰہی کا وسیلہ جان کر عباداتِ شرعیہ کی مد میں داخل کر رکھا ہے پس یہ لوگ بلاشک اہلِ بدعت ہیں۔

دوسرا افادہ۔ جو کچھ اس کتاب میں تخلیہ (از اخلاقِ رذیلہ) اور تحلیہ (با خلاقِ جمیلہ) کا ذکر مرقوم ہوا ہے وہ دو وجہ پر متحقق ہوتا ہے۔ وجہِ اول طریقہ اصحابِ یمین کا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مردِ مسلمان اپنے افعال اور اقوال کو میزانِ شرع سے تول کر ضروری مقدار تخلیہ اور تحلیہ کا حاصل کرکے اپنی سعیِ جمیل پر اجرِ جزیل کا امیدوار ہوتا ہے، اور ان حظوظِ نفسانیہ اور لذتِ جسمانیہ سے جو جائز و مباح ہیں پرہیز نہیں کرتا۔ مثلاً مال و منال کے جمع کرنے اور امتعہ و اقمشہ[1] کے فراہم کرنے میں نہایت کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ نفقاتِ واجبہ کے ادا کرنے اور اقربا اور خویشاوندوں پر خرچ کرنے پر سستی اور تساہل نہیں کرتا۔ علیٰ ہٰذا القیاس پس اس شخص کی سعی مشکور[2] ہوگی اور اس کا صاحب

---

[1] امتعہ جمعِ متاع یعنی اسبابِ خانہ، اقمشہ جمعِ قماش بمعنی فراش و جامہائے منقش۔

[2] یعنی اس کی کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔

www.abulhasanalinadwi.org

بقدر اعمال کے ماجور ہوگا۔ اور اپنی طاعات و عبادات کے حساب پر جنت کے درجات سے کامیاب ہوگا۔

دوسری وجہ طریقۂ سابقین ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ یہ لوگ صرف قدرِ ضرورت پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اپنی عالی ہمت کے بدولت کارِ عزیمت کو اختیار کرتے ہیں، اور ماسوی اللہ سے اپنا تعلق قطع کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال اور اپنے مساعی و اعمال اور جوارح و اعضاء سے منقطع العلاقہ ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو اپنے منعمِ حقیقی اور مولائے تحقیقی کا مال سمجھتے ہیں۔ مثلاً اپنے ہاتھ کو اپنا ہاتھ نہیں جانتے اور اپنے سر کو اپنا سر خیال نہیں کرتے۔ اور تمام حشمت و شوکت اور مال و منال اور تمام اسبابِ دنیا کو حضرتِ حق جل شانہ' کا ملک سمجھ کر ان پر کسی قسم کا بھروسہ ہرگز نہیں کرتے اور حق سبحانہ' و تعالیٰ کی رضاجوئی میں ان کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ اور قصور نہیں کرتے۔ اور یہ وسوسہ ان کے خیال میں کبھی نہیں گذرتا کہ ہماری زندگانی اور معاش کس طرح گذرے گی۔ مثلاً اگر ان کو طعام کی طرف سخت حاجت ہو اور اس حال میں اس کے خیرات کر دینے میں اپنے مولائے حقیقی کی رضا سمجھیں تو اس کے خرچ کر دینے میں کچھ صرفہ نہ کریں گے حتیٰ کہ جو مشقتیں اور کوششیں انہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کی ہیں ان کو بھی ہرگز اپنا ملک نہیں سمجھتے، مثلاً اگر ان کے تمام اعمال حق جل و علا کسی سرکش کافر کو بخشدے یا بلا سبب نیست و نابود کر دے تو ہرگز گلہ کا حرف اور شکایت کی حکایت ان کے وہم و خیال میں بھی نہ گذرے گی۔ ہمارے اعمال مفت جاتے رہے یا کوئی چیز تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی، بلکہ جانتے ہیں کہ مالکِ حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے، ہمارا ان کاموں کے ساتھ کسی طرح کا کچھ علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ

www.abulhasanalinadwi.org

سے صادر ہونا اس چیز کی مثل ہے جسے اس کا مالک ایک صندوق میں جو محض اس کا مملوک ہے رکھدے، پس اس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا تعلق نہیں۔ مثلاً اگر مالک اس چیز کو بالکل برباد کرکے تو صندوق کو ہرگز اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے ان بزرگواروں کو ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر ان کو اطلاع ہو کہ ان کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرمادیئے گئے ہیں اور انہی اعمال کے سبب سے ان کا کاروبار درست ہوگیا ہے اور ان کا حال بد مآل رو باصلاح ہوگیا ہے تو البتہ ان بزرگوں کو ان کے اعمال کے ذریعہ ان گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچیگی، اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگوار ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کو ادا فرماتے تھے:

بیت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پُر شدی　　مگر دیگراں را رہائی بُدی

القصہ جب یہ یعنی امورِ دنیا و عقبیٰ سے تبریّ اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جائے گیر ہوجاتی ہے اور اس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنائے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہوجاتا ہے تو عنایتِ غیبی اس کو برگزیدہ کرکے بمنزلہ چیلۂ خاص کے کر دیتی ہے۔ جس طرح کہ بادشاہانِ ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کرکے چیلۂ خاص کا خطاب اسے دیدیتے ہیں۔ پس جس طرح کہ چیلۂ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعہ و اقمشہ میں تصرف کرنے کی

www.abulhasanalinadwi.org

مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا مثلاً بادشاہِ ہندوستان کے چیلۂ خاص کو حق پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لیکر سمندر کے کنارہ تک ہے۔ اسی طرح ان مراتبِ عالیہ اور مناصبِ رفیعہ کے صاحبانِ عالمِ مثال اور عالمِ شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون ومجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں۔ مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے، اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت متساوی ہے۔ یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا افادہ ۔ جو حالات ومقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جو شخص ان سے متصف ہو جائے یا صرف ان کی دریافتِ علمی سے بہرہ مند ہو جائے اس کو لازم ہے کہ ان مومنوں کی تعظیم وتکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔ جو ان امور سے عاطل[1] اور غافل ہیں بلکہ ہر ایک کے حال کے موافق اس کی تعظیم کا حق بجالاوے، کیونکہ ہر مسلمان اللہ جل شانہٗ کا نامِ پاک کہنے سے کوتاہی نہیں کرتا۔ پس اوّلاً تو عظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیئے، یہ نامِ پاک نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کُنہِ کمال میں ادراک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کے اجر وثواب کی نہایت نہیں۔ ثانیاً اپنے ابتداء اور انجام کے حال کا ملاحظہ کرکے تکبر کی بُری صفت سے بَری ہو کر اپنا بازو پست کرے، کیونکہ ابتدائے

---

[1] عاطل یعنی خالی، جو ان صفات سے موصوف نہیں ہوئے۔ غافل بے خبر۔

www.abulhasanalinadwi.org

آفرینش میں ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل ناکارہ ہوتا ہے۔ اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا، پھر اپنے حق میں خود بینی کس بھروسہ پر کرے۔ ثالثاً حضرت حق جل شانہٗ کی عموم رحمت کے لحاظ سے (ہر ایک کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیئے) کیوں کہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنائے۔ پس کافر کو ایک لمحہ میں نعمتِ ایمان سے فائز کرکے اسی وقت اس کو نعمتِ قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت اور انعام محنت اور استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد بھی اس کے انعام عام میں سے ہے۔ اگر کسی کو بڑے عرصہ میں نہایت سخت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخششِ الٰہی ایسی محنت کے سوا کسی کو حاصل ہو ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے ہزار درجہ بڑھ کر بلا محنت ایک لحظہ میں عطا فرمائے۔ کسی نے خوب کہا ہے: **بیت**

دادِ حق را قابلیت شرط نیست   بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

چوتھا افادہ۔ جاننا چاہیئے کہ کچھ تہذیبِ اخلاق یعنی خصائلِ رذیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا اور اخلاقِ فاضلہ سے اپنے آپ کو موصوف کرنا اور اصلاحِ اعمال و عبادات کے متعلق پہلے تفصیل وار بیان ہو چکا ہے، یہ سب کچھ اس شخص کے حق میں ہے جو خدائے تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور باوجود رضائے مولیٰ کے حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں مقبولیت اور عزت اور اعتبار حاصل کرنا چاہیئے۔ اور مطلق نجات کا دار و مدار ان امور پر منحصر نہیں بلکہ نجات کا مدار صرف کلمہ (توحید) پر ہے کہ صدقِ دل اور اعتقادِ درست سے پڑھ لے اور بُرے عقیدہ اور کلمۂ کفر سے بچتا رہے، اگرچہ بڑے بڑے کبیرہ گناہ جیسے زنا وغیرہ اس سے صادر ہو جائیں لیکن جس شخص نے تصدیقِ کامل اور اذعانِ دل سے کلمہ (اسلام) کہہ لیا وہ

www.abulhasanalinadwi.org

ضرور نجات پائیگا اور بہشت میں پہنچے گا، اور جو شخص کلمہ کے مضمون پر اعتقادِ کامل اور تصدیقِ صحیح رکھتا ہوگا وہ ضرور ہے کہ ناشائستہ کاموں کو قبیح جانے گا اور دل میں ان سے بیزار اور پشیمان بھی ہوگا، گو بالکل ان کو ترک نہ کر سکے بلکہ ہر روز چند بار بلکہ سو سو بار ان کا مرتکب ہو، اور گناہوں کا ارتکاب بھی مختلف صورتیں رکھتا ہے۔ پس گناہ کا ارتکاب اس صورت سے کہ گناہ کرتا جائے اور عین مشغولیٔ گناہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کو غفور رحیم جانے اور یہی جاننا گناہ کرنے پر اس کی دلیری اور جرأت کا موجب ہو جائے۔ یہ صورت ارتکابِ معاصی کی صورتوں میں سے بدترین صورت ہے کیونکہ اس صورت سے گناہ کرنا گویا حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے استہزاء کرنا ہے، معاذ اللہِ مِن ذالک۔ یہ صورت مرتکبِ گناہ پر غضبِ الٰہی کے متوجہ ہونے کا باعث ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص گناہ کرنے کے وقت میں اپنے آپ کو ہلاک شدہ اور گیا گذرا ہوا اور مستحق عذاب کا جانے گو بعد میں توبہ بھی نہ کرے اس شخص کا انجام انشاء اللہ تعالیٰ نیک ہوگا۔ اور اس کی نیک انجامی کا تعین مشیتِ خداوندی کے حوالہ ہے اگر چاہے تو اسے ایسے نیک عمل کی توفیق دیدے جو تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور سب خطاؤں کو محو کر دے، یا کسی شفیع کو اس کی شفاعت کی توفیق اور قوت دیکر اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے یا بدون ان دونوں امر کے کسی طور پر اس کی آمرزش کر دے یا اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں یا جہنم میں بھگتا کر بہشت میں پہنچا دے۔

پانچواں افادہ ۔ چونکہ مردِ مسلمان کی زندگی اور موت سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے مطابق ہونا کمالِ ایمان کی علامت ہے اور زندگانی میں تو اس کے کام کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور موت کے بعد مردہ بدستِ زندہ ہوتا ہے جو کچھ اغیار چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا مردِ مسلمان محبِّ

www.abulhasanalinadwi.org

سنت اور مبغض بدعت کو چاہیئے کہ جس وقت قریب الموت ہونے کے آثار نمودار ہونے لگیں تو یہ داستغفار کر کے اپنے ایمان کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ہر وقت میں معین و مددگار ہے اور ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنا ایمان ہر وقت و زمان میں اس کے حوالہ اور سپرد کر رکھے لیکن اس کو اس وقت کام میں زیادہ کوشش کرنی چاہیئے کہ غفلت اور بیہوشی کے طاری ہونے کا وقت ہے اور اپنی تجہیز یعنی گور و جنازہ، دفن و کفن واسطے وصیت تجویز کر کے لکھ کر نگاہ رکھے اور دفن کرنے والوں کو اس بات پر آگاہ کر دے کہ جو شخص کوئی عمل خلاف طریقۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میری تجہیز و تکفین اور دفن میں کریگا قیامت کے دن اس سے مواخذہ کروں گا، اور خداوند تعالیٰ کے روبرو اس کا دامن پکڑوں گا۔ اور معاملۂ دفن و کفن میں جس بدعت کا رواج ہو نہایت اہتمام سے اس کی ممانعت کرے جیسے قبروں پر قبہ بنانا اور چونہ، گچ لگا کر قبروں کو پختہ کرنا اور مقبروں کی سجاوٹ میں تکلف کرنا اور چراغ جلا کر روشنی کرنا، کیونکہ یہ اعمال لعنت کے موجب ہیں خصوصاً جس جگہ ان کو اعمالِ صالحہ سے شمار کرتے ہوں۔ اعاذنا اللّٰہ وجمیع المؤمنین من البدعات ورزقنا اتباع المصطفٰی فی جمیع الحالات۔

تیسرا باب

راہِ ولایت کے سلوک کے طریقہ کے بیان میں

اور یہ باب چار فصل اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے

www.abulhasanalinadwi.org

پہلی فصل:- طریقۂ قادریہ کے اشغال کے بیان میں۔ اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے۔

تمہید:- اشغالِ طریقۂ قادریہ کا خلاصہ مع کسی قدر تغیر کے" جو سہولت سلوک اور جلد کامیاب ہونے کا موجب ہے۔ اور نہایت کے ہدایت میں درج ہو جانے کا اثر اس میں ظاہر ہو" اِس فصل میں تحریر کیا گیا اور چونکہ تمام اشغال ذکر اور فکر میں مندرج ہیں اس لئے اس فصل کو دو ہدایت پر تقسیم کیا گیا۔

پہلی ہدایت ذکر کے طریقوں کے بیان میں

اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ پہلے پہل ذکر یک ضربی کرنا چاہیئے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانوں بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آوازی سے نکال کر اپنے منھ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اس کے منھ سے نکلا ہے، اور جس وقت ضرب تمام ہو جائیگی اس وقت ایک لمبی سی آواز گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے۔ پہلے اس سے کہ کوئی سنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صوتِ خیالی کہہ سکتے ہیں، اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی اس کے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آجائے اور اور منھ اور لب اور زبان کی ہیئت و شکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتدادِ صوتی خیال میں رہتا ہے، کہ کان کو اس کے سننے سے کچھ

www.abulhasanalinadwi.org

حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے۔ پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نورِ متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادرِ نورانی کی طرح بناکر اپنے منھ کے سامنے سے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اس کے ساتھ احاطہ کرلے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کرکے اس طرح خیال کرے کہ چادرِ نورانی ہر طرف سے اس کے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جاکر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار بسبب تکرار اس نور کے تہ بر تہ ہوکر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑلے گا اور اس کے سکوت میں اپنے لحاظ کو ذاتِ بحث کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھیرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے، تاکہ قابو میں آجائے۔

دوسرا افادہ ۔ ذکرِ یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد طریقِ مسطور ذکرِ دو ضربی شروع کرے۔ اس کا طریق اس طرح ہے کہ نماز کی ہیئت پر دوزانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر متخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جابجا تمام وہ نور ہو گیا ہے، یعنی یہ سب اعضاء باطل و نابود ہو گئے ہیں۔ اور اس نور نے ان کی جگہ لے لی ہے، پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضاءِ مذکور کے جابجا ہونا لحاظ میں رکھے تاکہ اس کے ذہن میں اس نور کی صورت جابجا ان اعضاء کے خوب بیٹھ جائے۔ بعد ازاں اسی لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچکر دل پر

www.abulhasanalinadwi.org

شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے داہنے جانب پر محیط ہوگیا تھا دل میں اتر گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ طریقہ ذکرِ سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے۔ اور تیسری ضرب دل پر لگائے۔

چوتھا افادہ۔ ذکرِ چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طریقِ مذکور پر داہنی جانب میں لگاوے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھی اپنے روبرو لگاوے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرلے کہ گویا جو نور اس کے ساتھ برآمد ہوا ہے پیچھے سے احاطہ کرتا ہے تاکہ اس شخص کو پورا گھیر لیا ہے اور وہ شخص بالکل اس میں محو اور مستغرق ہوگیا ہے بلکہ اس شخص کے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑ لیا ہے۔

فائدہ۔ اس طریقِ مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً و تفصیلاً احاطہ کرلے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے اور فنائے جسمانی کی توحید ہوجائے اور فکر ذکر کے ساتھ مختلط ہوجائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال کرنے میں قریب تر ہو۔

خلاصہ یہ کہ جب اذکارِ چہارگانہ کے آثار یک ضربی سے لیکر چہار ضربی تک ظاہر ہوجائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہئے۔

دوسری ہدایت۔ اقسامِ فکر کے بیان میں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ سات افادے پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ۔ پہلا مراقبہ وحدانیت کا مراقبہ ہے۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کو کہ وحدہٗ لاشریک لہٗ اس کا مبیّن ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان ومکان میں وہی ذاتِ پاک یگانہ وبے ہمتا موجود ہے۔ اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں خیال میں گذرتی ہیں: اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کرکے اس کی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے۔ دوسرے یہ کہ وجودِ حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے، یہ دو طریق مراد نہیں۔ ان دونوں طریق سے پرہیز اور اجتناب کو لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اس کے وجود کو یگانہ اور تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے، نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ ان کو عین خداوند تعالیٰ کا جانے۔ مثال اس کی اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی میں لفظ "ہست" کے ساتھ اور ہندی میں لفظ "ہے" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے۔ باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔

دوسرا افادہ۔ مراقبۂ وحدانیت کے استحکام اور استقرار کے بعد مراقبۂ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں۔ ایک ابتداء اور ایک انتہاء۔ اس کی ابتداء سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کے لئے محتاج ہوئے اور اس کے تمام اشیاء سے مستغنی اور بے نیاز ہونے اجمالاً ملاحظہ کرے۔ پس جب یہ مرتبہ محکم ہوجائے تو اس کے انتہاء کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امورِ معاش ومعاد میں تفصیل وار، ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز اور زاری کے ساتھ ممتزج اور ملا ہوا ہو، یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے

www.abulhasanalinadwi.org

ہر چیز میں اس کی طرف حاجت ہے اور اس کی امداد اور اعانت کے بغیر کسی کام کا سر انجام نہیں ہو سکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو، امور معاش سے ہو یا معاد سے۔ اور اس مراقبہ سے اس کو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جنابِ کبریائی میں حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت و آبرو کو اس کی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اس کو اپنے فخر و امتیاز اور عزت اور مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کریگا۔ اور یہ امر اس کے اعتقاد میں بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائیگا۔ مثال اس کی اس طرح ہے کہ جس شخص کو ہمیشہ کے لئے کسی بادشاہ کی طرف سے انعام و جاگیریں موروثی اَبًا عَنْ جَدٍّ ملی ہوئی ہیں اور تمام اس کی معاش اور عزت و اعتبار کا کاروبار انہیں کے وسیلہ سے بنا ہوا ہے، اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کے سر انجام کے لئے مامور ہو تو اس مہم کے بہم پہنچانے میں جانبازی کو بھی اپنا فخر سمجھے گا، اور اس مراقبہ سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنیٰ بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں۔ اور اس مراقبہ کے ثمرات سے توحیدِ الٰہی کا انکشاف ہے کہ باوجود کثرتِ انعام اور کثرت کارکنندوں کے صاحب اس مراقبہ کو ایک ہی فاعل اور ایک ہی مؤثر ہر فعل اور ہر جنبش سکون میں ظاہر ہو جاتا ہے اور فاعل حقیقی کی ذات پاک ہے۔

تیسرا افادہ۔ اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کرے، اور اس شغل کے چار اسم ہیں اسماءِ حسنیٰ سے۔ یعنی سمیع اور بصیر اور قدیر اور علیم۔ ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ اسم ذات کو ضم کرے۔ پس مراقبہ کے طور پر بیٹھ کر خاطر کو جمع کر کے حضورِ دل سے اپنے خیال میں کہے کہ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ، اور اس ناف سے جو "لطیفۂ نفس کا مقام ہے" وسط سینہ تک کھینچے جو لطیفۂ سر کا مقام ہے اور اس طرح سمجھے کہ اس کی روح جو تمام بدن میں ہر چیز کے سمجھنے اور ادراک کرنے

www.abulhasanalinadwi.org

والی چیز صرف وہی ہے اکٹھی اور فراہم ہوکر ذکرِ مذکور کے ہمراہ ناف سے وسطِ سینہ تک پہنچ گئی ہے۔ اور اگر ناف سے وسطِ سینہ تک روح کا انتقال کرنا اس پر دشوار ہو تو ایسا خیال کرے کہ ان دونوں اسموں یعنی اللہ اور سمیع کے درمیان اسی طرح پر گھری ہوئی ہے کہ لفظ "اللہ" اس کے اوپر ہے اور لفظ "سمیع" اس کے نیچے ہے۔ پس اس تدبیر سے روح کا انتقال ان دونوں اسموں کے انتقال کے ہمراہ آسان ہوجائیگا۔ پھر اَللہُ بَصِیْرٌ کے ہمراہ بطور مذکور لطیفۂ اخفیٰ تک جس کا مقام سر میں تالو کے مقابلہ میں ہے پہنچا دے۔ پھر اَللہُ قَدِیْرٌ کو اخفیٰ سے چوتھے آسمان تک پہنچائے اور اپنی روح کو اس کے تابع اور ہمراہ کرے۔ پھر اَللہُ عَلِیْمٌ کو وہاں سے عرشِ معلّیٰ تک پہنچائے اور اس ذکر کی استعانت سے روح کو چوتھے آسمان سے عرشِ مجید تک ترقی دے اور چاہیئے کہ تیسری اور چوتھی منزل میں یعنی چوتھے آسمان اور عرشِ مجید پر روح کو کچھ دیر تک یعنی گھڑی آدھ گھڑی تک جتنا ہو سکے ٹھیرا کر اس جگہ روح کو چپ و راست دَور و سیر کرائے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان مقاموں میں روح کا ٹھیرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بوجھل چیز کی طرح خود بخود نیچے گر پڑتی ہے۔ پس اس چیز کی تدبیر اس طرح ہے کہ چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخ کے طور پر خیال سا راستہ بن جائیگا تو وہاں روح کے ٹھیرنے اور اقامت کرنے کے لئے اس راستہ کو خیال کی کوشش سے بند کرے تاکہ روح اس جگہ توقف کرے۔ پھر انھیں بدرقوں کے ساتھ عرشِ مجید سے لطیفۂ نفس تک اسی وضع و ترتیب سے جو مذکور ہو چکی ہے نزول کرے۔

اَللہُ عَلِیْمٌ کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک۔ اور اَللہُ قَدِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفۂ اخفیٰ تک۔ اور

www.abulhasanalinadwi.org

اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ اخفیٰ سے سر تک، پھر اَللّٰہُ سَمِیْعٌ کے ذکر کے ساتھ سر سے لطیفۂ نفس تک اترے۔ اور آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تاکہ اس کے آثار ظاہر ہوں۔

منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کے روح کی نورانیت ہے۔ اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکۂ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنّت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوحِ محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات منکشف ہونا۔ اور انہیں امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھیرا کر وہاں دَور و سیر کرانا مناسب ہے۔ اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی بموجب اپنی قوتِ ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے۔ اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہمکلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اور کبھی کسی نیک صلاح پر جو سالک کی راہ کے لئے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذات پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور انس میسّر ہو جاتا ہے اور اپنے جسم سے بیگانگی سی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغلِ نفی میں اعانت و امداد کرتی ہے۔ اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سمٰوٰت میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکرِ الٰہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے۔ پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ جاتی ہے۔

چوتھا افادہ۔ بعدِ ازاں شغل نفی کو شروع کرے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ بمقتضائے فرمودۂ خداوندی[۱] اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ انوارِ الٰہی

---

[۱] اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہر جگہ موجود ہیں جس طرح کہ وجودِ ہستی ہر جگہ ثابت ہے ۔ چنانچہ مراقبۂ وحدانیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوچکا ہے اور انوار اس وجود کو لازم ہیں ۔ پس جس جگہ وجود ہے اس جگہ انوار بھی متحقق ہیں ۔ اور جس طرح وجود کا احاطہ معلوم ہوچکا ہے اسی طرح اس کے انوار کا وجود سمجھنا چاہیئے ۔ اور با وجودآنکہ انوار سب جگہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوتِ درّکہ اشیائے کثیفہ ظلمانیہ یعنی اجسامِ فلکی وعنصری کے خیالات کے اختلاط کی وجہ سے ان کے ادراک سے محجوب اور محروم ہے نہ انوار کی غیبت اور دوری کی وجہ سے ۔ اور ذاتِ بحث تک واصل ہونے کے لئے حجب کا طے کرنا جن سے مراد انوار ہیں ضروری امر ہے اور اکثر لوگوں کے حق میں بدون ان کے ادراک کے ان کا طے کرنا محال ہے اور جو بعض بلند فطرت والوں کو بدون انکشافِ انوار کے ذاتِ بحث کا وصول میسّر ہوجاتا ہے ۔ پس یہ اکثر لوگوں کے انکشاف انوار کی طرف محتاج ہونے میں قدح نہیں کرتا ۔ پس ان انوار کے ادراک کے لئے اپنی قوتِ درّاکہ کو خیالاتِ[1] مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہیئے تاکہ انوارِ الٰہی مدرَک ہوجاویں اور جوں ہی طالب کی قوتِ دراکہ کا آئینہ خیالاتِ مذکورہ کے زنگ سے مصفّا اور مصقول ہوگا فوراً وہ انوار ہر جگہ موجود ہیں بلا دِقّت دریافت ہونے لگ جائیں گے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفی کرے ۔ اور شغل نفی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے خیال سے اشیاء کو نیست و نابود کرے اگرچہ فی الحقیقت کوئی چیز نیست نہ ہوگی اور حقیقۃً اشیاء کو نیست و نابود جاننا بالکل خیالِ باطل اور محض جھوٹا وہم ہے ، جو کچھ موجود ہے وہ موجودِ حقیقی تبارک و تعالیٰ کے موجود کرنے سے موجود ہے اور اس کے وجودِ پاک کے ساتھ ہر موجود چیز کو ایک خاص ربط حاصل ہے ۔ پس کسی چیز

---

[1] اشیاء کثیفہ جسمانیہ جیسے اجسامِ فلکیہ اور عنصریہ کے خیالات ۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے وجود کی فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں اور اس امر کا مقصد کرنا گویا خالق تعالےٰ کا مقابلہ کرنا ہے۔ علاوہ ازیں نفیِ واقعی کے ساتھ کوئی غرض بھی متعلق نہیں، کیوں کہ غرض تو اپنے مدرکہ کا صاف کرنا ہے۔ جب مدرکہ صاف ہوگیا اپنا مدعیٰ حاصل ہو جائیگا نفیِ واقعی سے کچھ مطلب نہیں۔ ہر چند تمام عالم کی نفی کرنا ایک دشوار سا کام نظر آتا ہے لیکن اس جگہ صرف دو مرتبے ہیں اور بس۔ کیوں کہ تمام عالم کی نفی اور عالم کے ایک جزء کی نفی برابر ہے۔ انسان کو اپنے خیال کا ایک مچھر کے پَر سے خالی کرنا اور تمام افلاک سے خالی کرنا یکساں ہے۔ البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا ایک مشکل سا کام ہے۔ اس لئے نفی کے دو مرتبے مقرر کرنے چاہئیں۔ اول اپنی نفی۔ دوسری تمام عالم کی نفی۔ اور دوسرے مرتبہ کے سہل اور پہلے مرتبہ کے دشوار ہونے کا سبب یہ ہے کہ قوتِ دراکہ اپنے آپ کے علم اور دانست سے ہر وقت ممتلی اور پُر ہے۔ اور اپنے غیر کا دریافت کرنا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ پس دوسری نفی میں کسی چیز کو اپنی قوتِ دراکہ میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے۔ اور پہلی نفی میں جو چیز قوتِ دراکہ میں قرار پذیر اور جائے گیر ہو چکی ہے اس کو نکالنا چاہتا ہے۔ پس باہر کی چیز کو داخل ہونے سے روکنے اور اندر گھسی ہوئی چیز کو باہر نکالنے میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں، کہ اول بہ نسبت دوسری کے نہایت سہل اور آسان ہے۔ یا اس کا فرق اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ جس شخص نے بارش کبھی دیکھی ہو اس کو بارش کی نفی کرنا آسان ہے، بہ نسبت اس شخص کے جو عین بارش میں کھڑا ہے۔ اور متواتر قطرے اس کے بدن پر پڑ رہے ہیں۔ بناءً علیہ خود اپنی نفی میں جسم کی نفی سہل تر ہے۔ لیکن جسم کے جس مقام پر علم اور دانست کا قرار ہوتا ہے اس کی نفی دشوار تر ہو جاتی ہے۔ اور کبھی سر کی نفی جو کہ ادراک اور امتیاز کا مقام ہے مشکل ہو جاتی ہے۔ اور بعض لوگوں کو جو کہ اپنے سانس اور دم کی آمد و رفت پر زیادہ مطلع رہتے ہیں ان کو اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

حلق اور سینہ کی نفی سخت مشکل پڑتی ہے۔

الغرض جس چیز پر آگاہی اور اطلاع زیادہ تر ہو اس کی نفی بھی مشکل اور سخت تر ہوتی ہے۔ پس پہلے پہل تمام عالم کی نفی کرکے اپنے بدن کی نفی کرے۔ اور اس جگہ کی نفی سے شروع کرے جس کی نفی دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اس عضو کی نفی سے یکبارگی تمام بدن کی نفی ہو جائے گی۔ اور اصل اور عمدہ نفی کے حاصل کرنے میں کسی کامل صاحب نفی کی توجہ ہے کہ اپنی نفی کرکے ہمت کے ساتھ متوجہ ہوکر القا کرے اور اس کام کے مبتدی پر اول اول نفی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کہ سینہ اور شکم کے مقام میں اوّل ایک خلاءؔ سا معلوم ہوتا ہے۔ اور کبھی اپنے آپکو بے سر گمان کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بغیر دونوں ہاتھوں کے خیال کرتا ہے۔ اور کبھی سمجھتا ہے کہ میں چھوٹا سا ہو گیا ہوں اور کبھی اپنے آپکو بغیر ضخامت اور جثّہ کے ایک طول کا طول خیال کرتا ہے۔ گویا ایک گوشت کی نلکی سی ہے کہ دم بدم لمبی اور باریک ہوتی چلی جاتی ہے اور سہل طریقہ تصور کا یہ ہے کہ اپنے سینہ یا شکم میں خلا کا خیال کرے، جس طرح توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ جاتا ہے اور بدن کے اس مقام کو خالی چھوڑ جاتا ہے۔ پھر اس خیالی سوراخ کو آہستہ آہستہ فراخ تر اور کشادہ تر کرتا جائے تاکہ انجام کو پہنچے۔ اور اس کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد فنا ہے عالمِ غیب سے اس کی طرف متوجہ ہوکر یکبارگی اس کے جسم کو نیست و نابود کر دے۔ جیسے سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکری پر پڑ کر اس کو چوُر کر دیتا ہے اور کبھی اس کا تصور اس طرح سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس کی جان نکل گئی ہے، یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے وجود سے نکل کر معدوم

ؔ یعنی کھوکھلا پن اور خالی ہونا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہو گیا ہے اور چونکہ جسم بغیر جان اور دل کے باقی نہیں رہ سکتا۔ پس وہ جسم بھی بے جان ہو کر مضمحل ہو گیا ہے اگرچہ اس کام سے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا تطویل بلا طائل[۱] ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مجمل نفی کا معنی بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا تعین کسی بڑے زیرک قوی الذکر کو بھی میسر نہیں ہوتا اور گاہ گاہ باوجود دریافت کرنے بہت سی صورتوں کے کند ذہن غافل کو بھی ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی اور ہی صورت ظاہر پڑتی ہے۔

غرض کہ اس کی مختلف صورتوں کا دریافت کرنا فائدہ سے خالی نہیں جس وضع پر اس کا ابتدا، نمودار ہوا ہو اس کو بخوبی اپنے خیال میں پکڑ کر اس کے زیادہ کرنے میں کوشش کرے تاکہ تمام بدن کی نفی انجام کو پہنچے اور نفی کی دشواری کے وقت کلمہ لاموجود الا اللہ ولا فاعل الا اللہ کو دونوں کلموں کے معنیٰ سمجھ کر جس جگہ کی نفی مشکل ہو پڑھے اسی جگہ پر قوتِ خیال کے ساتھ ضرب کرے۔ انشاء اللہ یہ شغل اس کے لئے کافی ہوگا۔ اور کبھی بعد نفی کے ایک اس قسم کا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خیال کرے کہ تلوار کی ضرب اس کے بدن پر لگے تو بدن اسکا مانع اور مزاحم نہ ہوگا، جس طرح خلا میں سے ضرب خیالی گذر جاتی ہے اسی طرح اس کے درمیان سے خالی کی خالی نکل جاتی ہے۔ اور کبھی ایک تاریکی کاجل کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے اردگرد ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ خطِ نورانی مکدر اور تاریکی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے شعلۂ آگ کا کنارہ دھوئیں کے اختلاط کے سبب سے بہت باریک اور مکدر دکھائی دیتا ہے۔ اور نیز وہ خطِ نورانی بالاستقلال نہیں محسوس ہوتا ہے بلکہ تاریکی کے ضمن میں دریافت

---

[۱] یعنی بے فائدہ کلام کو طول کرنا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتا ہے۔ اگر اس کی طرف استقلال کی نظر متوجہ کریں تو اسی وقت معدوم ہوجاتا ہے اور سوائے تاریکی کے کوئی دوسرا مدرک نہیں ہوتا۔ پس اس تاریکی کا نام رکھتے ہیں نورِ نفی۔ اور اس شغل کی نفی کو بخوبی مزاولت کرنا چاہیئے کہ امورِ مکدرہ سے جو خس وخاشاک کے حکم میں ہیں اسی شغل کے سبب سے طالب کا ذہن مصفّا ہوتا ہے اور سالکوں کو اکثر اوقات اس شغل کی حاجت پڑتی ہے۔

فائدہ۔ طالب کو چاہیئے کہ شغلِ نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغل یادداشت بھی کرے اور اس کی حقیقت شغلِ دائمی ہے۔ ذاتِ بیچون وبیچگوں کی طرف نشست و برخاست اور کسب وکار اور مصیبت وآواز اور کھانے پینے وغیرہ ہر وقت میں ادھر ہی دھیان لگا رہے۔ بایں طور کہ کوئی امر اس التفات سے مانع نہ ہو۔ جیسے جب کسی شخص کو کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام دل میں راسخ ہوجائے تو حوائجِ ضروریہ اور اعمالِ معاشیہ کے عین اشتغال کے وقت اس کا دل کما ینبغی اسی امر کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ چنانچہ ہر صاحب وجدان پر پوشیدہ نہیں۔

پس جو لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں ان کو چاہیئے کہ تمثیلِ مذکور کو اپنے وجدان سے دریافت کرکے خدا تعالیٰ کی یادداشت کو ممتنعاتِ عقلیہ یا محالاتِ عادیہ سے نہ شمار کریں بلکہ اس کو سہل اور آسان سمجھ کر اس کے حاصل کرنے پر کمرِ ہمت چست باندھ لیں۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس طرح بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اس چیز کی یادداشت پر متنبہ نہیں ہوتے مگر بوقت حاصل ہونے کسی ایسے امر کے جو اس چیز کی یادداشت حاصل ہونے پر مشعر ہو مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفاتِ دائمی حاصل ہے اور اس علم کا علم

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں ہوتا۔ مگر جب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے یا کوئی درد پہنچے۔

اسی طرح بعض سالکوں کو خدا تعالیٰ کی یاد داشت حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کا شعور نہیں ہوتا، مگر بوقت عارض ہونے غفلت یا کسی اور امر کے جو یادداشت میں خلل انداز ہو اور یادداشتِ حق کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے ساتھ ضم کرنا چاہیئے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گذر چکا۔

پانچواں افادہ۔ جب اپنی نفی اور تمام عالَم کی نفی طالب کے قابو میں آگئی تو اب نفی النفی اور فنا، الفناء کو شروع کرے۔ یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور تمام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست کرنا چاہیئے اور چونکہ نفی النفی نیستیِ محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور بودگی اور قوتِ دراکہ کا محض خالی ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس شغل میں کمالِ ملازمت کریگا تو اس کا بدن معدوم ہوجائیگا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہے گا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسندِ خاطر نہ ہوگی لیکن چونکہ آئندہ کارآمد ہے اس لئے اس کو مہمل نہ چھوڑے بلکہ عمل میں لائے۔ اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے۔ اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوسی ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے۔ اور اگرچہ شغلِ نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی، جس طرح صاف طبیعت والے میدانِ صفا میں مانوس ہوجاتے ہیں اسی طرح نفی میں بھی ایک قسم کی انسیت ہوتی ہے۔ برخلاف نفی النفی کے کہ اس مقام اُنسیت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں۔

چھٹا افادہ۔ شغلِ نفی کی تکمیل و اتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں کبھی تو توحیدِ صفاتی منکشف ہوجاتی ہے۔ اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ:

www.abulhasanalinadwi.org

صاحب اس شغل کا اپنے آپکو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے۔ اور اس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرشِ مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہاں کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ افلاک و عناصر، جبال و بحار، اشجار و احجار، حیوان و انسان سب کو اپنے جسم کے اجزار و اعضاء خیال کرتا ہے اس حالت میں آسمانوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر جو اس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطورِ کشف حاصل ہوتی ہیں۔ اور اس کا وہ کشف مطابقِ واقع ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو واقعی تمام عالم کا کل نہ سمجھے بلکہ اس طرح اعتقاد کرے کہ یہ خیال مخالفِ واقع اس مرتبہ کے آثار سے ہے اور اس حالت میں توقف اور درنگ نہ کرے کہ یہ منزلِ مقصود کا راہِ راست نہیں، اگرچہ فی الجملہ راستہ ہے لیکن راہِ راست سے بہت دُور اور سیر وسلوک کی دشواری اور مسافت کے لمبا ہونے کا باعث ہے، اس حالت سے انوار کی جو کہ ذات پاک کے حجب ہیں انتقال کا قصد کرے اور کبھی بعد تمامیٔ شغلِ فنا کے رنگارنگ کے انوار دکھلائی دینے لگتے ہیں اور یہی صورت طالب کی مقصد برآری کا راستہ ہے اور وہ انوار ذاتِ بحت حضرت حق جل و علا کے حجب میں اور ان کے طے کرنے کے لئے کوئی مدّت مقرر نہیں۔ اگر عنایتِ الٰہی شاملِ حال ہو تو ایک لحظہ بھر میں ہزارہا حجب طے ہو جائیں لیکن طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سببِ عادی یہ ہے کہ ان انوار میں سے ہر ایک کو اپنی قوتِ خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہان کا احاطہ کر کے قیدِ مکان سے فضائے لامکان کی طرف تجاوز کرے۔ بعد ازاں انتقال کا پختہ ارادہ دل سے

www.abulhasanalinadwi.org

اٹھا کر اس امر کی درخواست بارگاہِ خداوندی سے کرے اور اپنی نظرِ خیالی سے اس نور میں اس قدر غور کرے کہ ایک اور نور اس نور کے اندر ہی سے ظاہر پڑے اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقے پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف انتقال کرے اور لگاتار اسی طرح انوار کی سلسلہ جنبانی کرتا جائے۔

اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان انہی حجب میں اٹک جاتا ہے اور اس کو اصل مقصود کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں ملتا اور ان سب حجابوں سے آخر تک حجاب میں بھی (بعض سالکوں کو) توقف اور اٹکاؤ لگ جاتا ہے اور کبھی بعض طالب اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ کر اسی جگہ ٹھیر جاتے ہیں۔

ساتواں افادہ۔ جس شخص کو عنایتِ خداوندی اور جذبۂ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذاتِ بحث کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ عمدہ حالات اور رنگا رنگ اطوار پیش آتے ہیں اور جو غوص و فکر اس جگہ کرتا ہے اس کا نام سیر فی اللہ رکھتے ہیں۔ اور یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ اس مقام میں تفاوت اور تبدلِ احوال نہیں ہوتا بلکہ بموجب مضمونِ آیۃ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہر وقت اس ذاتِ پاک کی ایک جدا سے جدا شان جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے دل کے احوال کے تبدل سے غیب میں بھی تبدل و تفاوت اس کی بصیرت کی آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ مطابق حدیثِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام آدمی کا دل ایک پر کے ریشہ کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا ہوا ہے، اور ہواؤں کے جھونکے اس کو الٹا سیدھا زیروزبر کرتے رہتے ہیں۔ انسان کے دل کو قرار نہیں لہٰذا شیون ذاتِ الٰہیہ کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بدم متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ اور شیونِ الٰہیہ کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملاتِ مختلفہ مطابق استعداداتِ بنی آدم کے پیش آتے ہیں

www.abulhasanalinadwi.org

اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی تفصیل رکھتا ہے کہ اس کی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے۔ لیکن جو سلوک کہ متعارف ہے اور اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے وہ مقام معرفت تک ختم ہو جاتا ہے پس بس۔

دوسری فصل:۔ اشغالِ طریقۂ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوتِ اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں، اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں۔ اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی ہدایت ۔ اشغالِ طریقۂ چشتیہ کے بیان میں۔

اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ۔ طالب کو چاہئے کہ پہلے باوضو دو زانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیازِ بے انداز اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتح یاب کے لئے دعا کرکے ذکر دوضربی شروع کرے، اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ، کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے اتصال کے واسطے پہلے لفظ کے آخر کو ضمہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے۔ اور دو ذکروں کے درمیان فرق اور امتیاز کے لئے لفظ اللہ کو جو دوسری بار دونوں ذکروں میں کہیگا وقف کے طور پر کہے۔ یعنی حرف "ھا" کو جزم دیکر پڑھے اور خوب زور کے ساتھ سینہ سے نکال کر اور جہر اور شدت اور مد کے ساتھ کہے۔ اور دوسرے لفظ کو جہر اور شدت اور مد اور قوت میں پہلے سے زیادہ کرے اور پہلے کے ساتھ خیال کرے کہ ایک نور اس کے سینہ سے نکل کر

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے لب تک پہنچکر وہاں ٹھہر گیا ہے اور دوسری بار میں اسی جگہ سے نکل کر بسبت قوت اور کثرت کے جو دونوں انوار کے مجتمع ہونے سے حاصل ہوئی ہے اس کے منھ سے باہر آکر اس کے سر کے اوپر تک پہنچ گیا ہے پس اس نور کو بلند تر بقدر ایک ہاتھ کے تصور کرے اور اسی ذکر کو حضورِ دل سے تکرار کرتا رہے۔ اور حضورِ دل کے لئے اتنا قدر بھی کافی ہے کہ (جانے) یہ اسم مبارک اس ذاتِ پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ہمراہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ اس نامِ پاک کا اپنے مسمّا سے پاک و منزہ سے غائب ہونا ممکن نہیں۔ اس کریم مطلق کے فضلِ کامل سے پختہ امید یہ ہے کہ ذاکر کو بہت جلد نور معلوم ہونے لگ جائیگا پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور چھاتے (سائبان) کی طرح اس کے سر پر ہو جائے۔ پھر بسبب کثرت اور تہ برتہ ہونے کے اس کے تمام بدن پر پہنچ کر اس کے بدن کو اندر، باہر سے گھیر لے اور اس کا بدن اس نور میں گم ہو جائے۔

دوسرا افادہ۔ جب یہ معنیٰ بخوبی حاصل ہو جائے اور اس کی مشق اور ملکہ اس طرح میسّر ہو جائے کہ ہر وقت بلا تکلف اسی طرح کرے اور ذاکر کے قابو میں آجائے تب دوسرا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر لفظ اِلَّا اللّٰہ ہے۔ اس میں بھی شدت اور جہر اسی طور پر مطلوب ہے جس طرح پہلے میں مذکور ہوا لیکن فرق اتنا ہے کہ اس کلمہ کو نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوؤں کے درمیان ضرب کرے اور نور کو جس قدر ذکرِ اول میں اوپر کی جانب خیال کرتا تھا اس میں اتنا ہی نیچے کی جانب خیال کرے اور اس نور کو نیچے سے اوپر لاتا جائے تاکہ نورِ فوقانی اور نورِ تحتانی آپس میں مل کر ایک نورانی ستون کی طرح ثابت ہو جائے، گویا اس کا بدن اس کے اندر گم ہو گیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ پھر ملائمیت اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع

www.abulhasanalinadwi.org

کرے اور اس ذکر میں پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کہے بدون ضرب اور شدت اور جہر مصرت کے اور اس لفظ مبارک کو اپنے خیال میں اس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جا بجا بھی وہی ہوگیا ہے جاروب یا مصقلہ کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اس میں رہ گئی ہو اس کو مصفّا اور مصقول کرے اور تمام وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن و براق ہو جائے۔

چوتھا افادہ۔ جب یہ نور اس طرح صاف ہو جائے کہ اس کا شعاع ہر طرف سے دور دور جا پڑے اور اس کا تصفیہ اور تصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آجائے اس وقت چوتھا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہے۔ پس "لا" کو اپنے خیال میں کھینچ کر زمین و آسمان کا محیط کر دے۔ اور تمام دورہ کو گھیر کر "اِلٰہ" کو اپنے اندر تمام کرے۔ اور "لا" کے کھینچنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے منھ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرشِ مجید تک جا پہنچے پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں جنبش کھا کر دائرہ کی طرح ہو کر پھر اپنے مقام میں پہنچ گیا ہے۔ اور لفظ "اِلَّا اللّٰہ" کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اوپر ضرب کرے۔ اور لفظ "لَا اِلٰہ" میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظِ درست اور تصورِ چست کے ساتھ مستقر اور مستحکم کرے اور ضرب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں ذات بحث کی طرف اشارہ کرے جو کلام مجید کا منطوق[1] ہے۔ یعنی[2] اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات بحث کا نور عرش کے

---

[1] یعنی، معنی۔ [2] یعنی رحمٰن تبارک و تعالیٰ عرشِ مجید پر جا براجا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اوپر سے دریائے موجزن کی طرح اس کثرت اور وسعت سے آئیگا کہ تمام عالم کو محیط ہوجائیگا بلکہ تمام عالم اس میں گم ہوجائیگا جس طرح پہلے ذکر میں فقط ذاکر کا جسم محو وگم ہوگیا تھا۔ اس طریق سے ذکرِ نفی واثبات طالبِ صادق کے لئے حصولِ کمالات مقصودہ میں کافی ہے، فہم درست چاہیئے۔ اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے کرے اور انشاءاللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات کے لئے کسی دوسرے شغل کا محتاج نہ ہوگا۔

پانچواں افادہ۔ اس ذکر سے منزلِ مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے کہ اس نور کے استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائز ہوکر تمام عالم کو محیط ہوگیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑدے۔ اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی اور تمام عالم کی نفی جو نورِ مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کرکے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اوّلاً بدون لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہوجائے اگرچہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیئے کہ نفی کو مقصود لذاتہٖ بناکر شغلِ نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحیدِ صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا۔

دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے۔ پس جس طریق پر فصلِ اول میں مذکور ہوا ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے آخری حجاب سے جو نسبتِ بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں لیکن فی الحقیقت بے رنگ ہے، ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی بے رنگ معلوم ہوجاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گذرتا اور جب اس حجابِ اخیر سے بھی تجاوز واقع ہوجائیگا تو ذاتِ بحث کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہوجائیگا۔

دوسری ہدایت۔ فوائدِ متفرقہ کے بیان میں

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے ۔

پہلا افادہ ۔ آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقاتِ ارواح اور ملائکہ اور بہشت و دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کے دریافت اور لوحِ محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لئے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ یَا حَیُّ کو ذکرِ خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اس کے نیچے پیوستہ کردے اور پھر لفظ یَا قَیُّوْمُ کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ سے متصل واقع ہوتا ہے اس لئے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے ۔ پس لفظِ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظِ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہوجائے اور روح دونوں اسموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچ کر توقف کرکے دَور و سیر کرے اور سیر و دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے ۔ یا زمینی بقاع میں جیسے کعبہ معظمہ یا اور اماکنِ متبرکہ ۔ اور پھر عرصہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور خبرداری چاہیے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے ، یَا حَیُّ کے ذکرِ خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یَا قَیُّوْمُ کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے ۔

دوسرا افادہ ۔ کشفِ قبور کے لئے ذکر سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوْحِ مقرر ہے ۔ اس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُّوْحٌ کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفۂ اخفیٰ کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قُدُّوْسٌ کے ساتھ وہاں سے عرشِ مجید کے اوپر ، اور تیسرے اسم کے ساتھ اس

www.abulhasanalinadwi.org

جگہ سے انتقال کر کے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازۂ فوقانی سے داخل ہو کر دروازۂ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو، اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضلِ الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشفِ مطلوب حاصل ہو جائیگا اور اس کشفِ قبور کو ناواقف لوگ قربِ الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔

تیسری فصل اشغال طریقۂ نقشبندیہ کے بیان میں۔

اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے۔

تمہید۔ لطائفِ ششگانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا چاہئے۔ لطیفۂ قلب بائیں پستان کے نیچے اور لطیفۂ روح داہنے پستان کے نیچے اور لطیفۂ سر دونوں کے درمیان وسط سینہ میں اور مقام لطیفۂ نفس عین ناف ہے۔ اور لطیفۂ خفی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی سے شروع ہوتی ہے اور سجدہ کے سبب سے اسی جگہ نشان پڑتا ہے اور لطیفۂ اخفیٰ تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

پہلی ہدایت اقسامِ ذکر کے بیان میں، اور اس ذکر کے بیان میں جو طریقۂ نقشبندیہ میں رائج ہے۔

اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ۔ چھیوں لطیفوں کو اسی ترتیب پر، جو تمہید میں مذکور ہوئی ہے بخوبی ذاکر بنانا چاہیے، اس حیثیت سے کہ خود ان کے ذکر پر آگاہ اور مطلع ہو اور تلقین کرنے والا جس نے اپنے لطیفہ میں ذکر کو جاری کیا ہوا ہے پوری ہمت

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اس ذکر کو القاء کرے اور دعا اور التجا کے وسیلہ سے محض فضلِ الٰہی سے مدد چاہے اور قوت ہمت کے ساتھ توجہ کرے۔ اور توجہ کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جنبش ظاہر ہو جائے از قبیلِ جنبش فیض نہ اس معنی کر کے ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس معنی کر کہ صرف التفات کرنے سے معلوم ہو جائے بلکہ ترقی کر کے اور کاموں کے اشغال کے وقت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ایسا نہ چھوڑے کہ اس سے بالکل غفلت کرے۔ پس اس حرکت کو نامِ پاک الٰہی کے مقارن اور ہمراہ جانے اور اس طرح سمجھے کہ اس حرکت کے ساتھ اللہُ اللہُ کہتا ہے اور اس نامِ مقدس کے مُسمّا کے ساتھ حضور اور انس پیدا کرے۔ پس ان لطائف کے اذکار کی جدا جدا مزاولت اور مشق کر کے یکبارگی سب سے ذکر کرے یہاں تک کہ ان سب کا ذکر آنِ واحد میں معلوم ہوا کرے اور اس ذکرِ لطائف کو اچھی طرح پختہ کرے۔ اور رسوخ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس وقت چاہے اس شغل میں مشغول ہو سکے۔ مرشد تلقین کرنے والا اگر اس کا اور زیادہ کرنا فرمائے تو اس کے حکم کی تعمیل کرے اور لطائف ششگانہ میں سے ہر ایک کے لئے ایک جداگانہ نور ہے جو ان بزرگواروں کی کتابوں اور رسالوں میں مذکور ہے۔ اور لطائف کا ذکر کثرت سے کر کے ہر لطیفہ کو اپنے نور سے منوّر کرے۔ اور اگرچہ یہ نورانی کرنا لطائف کا بہتر اور خوب تر ہے لیکن راہِ سلوک میں طولِ مسافت پیدا کرتا ہے اور اس راستہ کا طول چنداں ضروری نہیں۔

جب انسان حجبِ نورانیت میں پہنچتا ہے تو خود بخود انوارِ لطائف کا معائنہ کر لیتا ہے۔ اور مزاولت اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنے نور سے بلکہ جس نور سے چاہے رنگین کر سکتا ہے اور اذکارِ لطائف کے وقت صرف یہی مطلب بڑی کوشش اور محنت سے بمشکل سرانجام پذیر ہو سکتا ہے۔ اور بعد ازاں حجب نورانیت

www.abulhasanalinadwi.org

کے مقام میں بغیر کوشش اور محنت کے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ابتدا میں لطائف کے اپنے انوار کے الوان سے رنگین کرنے میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے سکندر نامہ کے مضامین کی تقریریں کریما خواں کو تعلیم کرنا۔ پس مناسب اس طرح ہے کہ ادنیٰ مراتب کو بقدر ضرورت استعمال کریں اور وقت کو تیغ براں سمجھ کر بہت جلدی ان مراتب سے گذر جائیں۔ اور بلند مقامات میں مطابق استعداد اور روح کے توقف کریں۔

دوسرا افادہ۔ بعد ازاں حبس نفس کے ساتھ نفی و اثبات کرے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ دو زانو مؤدب ہوکر روبقبلہ بیٹھے اور اپنا دم بند کرکے زبان تالو سے لگا کر "لا" کو لطیفۂ نفس سے کھینچے، اور لطیفۂ سر پر قدرے توقف کرے۔ پھر لطیفۂ خفی پر بھی تھوڑا سا وقفہ کرتا ہوا لطیفۂ اخفیٰ تک پہنچے۔ غرض کہ ایک خیالی حرکت نفس سے اخفیٰ تک کرے اور اس حرکت کی امتداد کے درمیان مقام لطیفۂ سر اور اخفیٰ میں لحاظ کو بالاستقلال متوجہ کرکے ان کے امتیاز کے لئے قرار کرے اور "الٰہ" کو لطیفۂ اخفیٰ سے کھینچکر لطیفۂ روح کی طرف متوجہ ہوکر "الا اللہ" کو لطیفۂ قلب میں ضرب کرے اور ان خیالی حرکتوں میں کوئی ظاہری جنبش اعضاء میں سے کسی عضو پر حتیٰ کہ سر اور منھ اور لب اور زبان پر بھی بالکل واقع نہ ہو۔ اور اس ذکر کو بلحاظ عدد طاق عمل میں لائے، ایک بار ذکر کرکے اپنے دم کو چھوڑ دے۔ پھر اطمینان اور دم کے ٹھیر جانے کے بعد دوسری بار کرے۔ اور جب حبس نفس کی برداشت میں زیادہ ہو جائے ذکر کے حدود میں بھی زیادتی کرتا جائے اور زیادت کا ادنیٰ مرتبہ اکیس تک رہے، جب اکیس بار تک پہنچ جائیگا اور اس کی خوب مزاولت اور مشق کرلیگا اور ایک ایک نشست میں سیکڑوں دفعہ تک نوبت پہنچا لیگا، اس وقت البتہ اس کے لطائف میں گرمی اور صفائی پیدا ہو جائے گی اور اس ذکر سے ایسا معلوم کریگا کہ گویا ایک گھومتا ہوا شعلہ ہے کہ اس کے تمام لطائف کو احاطہ کرکے

www.abulhasanalinadwi.org

خطِ آتشیں کی طرح ممتد ہوگیا ہے۔

تیسرا افادہ۔ نفی و اثبات کی خوب مشق کرنے کے بعد سلطان الذکر کو عمل میں لائے اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو جزو انسان کی ہے اس کے لئے ایک وحدت ثابت ہے اور ہر ایک تعین کی شناخت کے لئے اس کا جداگانہ نام مقرر ہے سوائے نام کل کے، پس وہ جزو بھی ایک وجہ سے تمام اجزاءِ انسانی پر مشتمل ہے بنا برآں اس کے لئے ایک زبان بھی مقرر ہے اور بموجب ارشادِ حضرت حق تبارک وتعالیٰ کے کہ[1] وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ وہ تمام اجزاء ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ ولیکن انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

پس حقیقت سلطان الذکر کی یہ ہے کہ اپنے تمام اجزاء کے ذکر کو ایک قسم کے ادراک سے دریافت کرے اور اس پر پوری آگاہی اور بخوبی اطلاع حاصل کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم والشمول لطائفِ ششگانہ کی طرح سمجھے اس لئے کہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر میں لطائف کے مقامات اور باقی بدن بالکل مساوی ہیں۔ جب لطائف کے مقامات سے ذکر کو پہچان لیا اور اسکی کیفیت پر اطلاع پائی اسی طرح اپنے تمام بدن کے ساتھ ذاکر ہو، اور تلقین کرنے والے کو چاہیئے کہ خود سلطان الذکر کرکے بطور مذکور طالب پر التفات کرے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو تمام بدن میں جنبش ظاہر ہوجاتی ہے یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء بغیر اس کے ارادہ کے اپنی جگہ سے منتقل ہوجاتے ہیں۔ اور کبھی رعشہ[2] کی طرح حرکت ظاہر ہوجاتی ہے، اور کبھی رونگٹے کھڑے ہوجانے کی سی

---

[1] یعنی اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہ کرتی ہے مع اس کی حمد وثنا کے ولیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ [2] ایک بیماری کا نام ہے کہ جس سے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء میں لرزہ اور کپکپی پڑجاتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حالت ہو جاتی ہے۔ یا چیونٹیاں سی اس کے بدن پر چلنے لگتی ہیں اور تمام بدن میں خنکی اور سُبکی معلوم ہوتی ہے۔ اور کبھی ذاکر کے بدن میں ایسی خنکی سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت اس کو سردی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہلکا ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا گیا ہے۔ جیسے کوئی شخص حمام میں کیسہ مالی سے غسل کرے اور ظاہری غسل میں یہ سُبکی صرف چمڑے پر ہی رہتی ہے۔ اور سلطان الذکر میں اندر صاف ہو جاتا ہے اور یہ بھی خارقِ عادت امور میں سے ہے کہ سخت اختلاج کی مانند اس کا تمام بدن قابو میں نہیں رہتا۔ اور یہ بھی ایک محض کرامت ہے کہ سلطان الذکر والا تمام بدن اور در و دیوار، خس و خار و سنگ و خاشاک سے بے شبہ اونچی آواز سے ذکر سنتا ہے اور ہم نشینوں کا سُن لینا کرامتِ مذکورہ میں زیادتی ہے۔ اور کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور بھی معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ۔ پیر و مرشد کو مریدمیں سلطان الذکر وغیرہ سے ذکر کے لطائف کے حصول کے دریافت کرنے کا یہ طریق ہے کہ پیر اپنے آپ کو خالی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو اس وقت جو کچھ اپنے آپ میں معلوم کرے جان لے کہ یہ مرید کے ذکر کا عکس ہے اور اس کے شغل کی کیفیت ہے۔

چوتھا افادہ۔ جب سلطان الذکر بقدر مذکور قابو میں آجائے اور ارادے کے وقت تکلیف کے سوا ہی ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے، اور شغلِ نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو جوڑ لے اس کے بعد نفی النفی کا شغل کمائے پس خواہ مخواہ سالک پر یا تو توحیدِ صفاتی کھل جائے گی یا حجبِ نورانیت ظاہر ہو جائیں گے اور دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے، پس سالک کو چاہئے کہ جس طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پردے سے نکل جائے، اور اس پردہ کو طے کرتے ہوئے مراقبہ صمدیت کا شغل کرے، تاکہ انجامِ کار اس پردے تک پہنچ جائے جس کا نام

www.abulhasanalinadwi.org

نسبتِ بے رنگی ہے، اگرچہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو خس وخاشاک اور ریگ وخاک کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے، لیکن گہری نظر کے بعد قابلِ تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی، اور نسبتِ بے رنگی کے بعد ذاتِ بحث کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور اس سیر کی اثناء میں بہت عمدہ حالتیں اور عجیب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کریگا وہی مرشد وہاں کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کر دیگا۔

فائدہ۔ اس طریقہ کے امام یعنی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے:

بیت

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہیٰ ست — آخرِ ما جیب تمنا تہی ست

سچے طالب کو چاہیئے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے "جیب تمنا تہی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور قصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اسی کتاب کی چوتھی فصل میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔

دوسری ہدایت متفرق فائدوں کے بیان میں۔

اور اس میں دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔

پہلا افادہ۔ کشفِ ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت دنار کی سیر۔ اور لوحِ محفوظ پر مطلع ہونے کے لئے دَورے کا شغل کرے۔ اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پس زمین وآسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کر کے وہاں کے رہنے والوں

www.abulhasanalinadwi.org

سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسّر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گذشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مشورت معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسرا افادہ۔ جاننا چاہیئے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لئے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضورِ قلب کے ساتھ کمالِ آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرکے اس کے بعد وہ ماثورہ دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لئے مقرر کی گئی ہیں بارگاہِ الٰہی میں پوری التجا کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور قلب و قالب کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کرکے صلوٰۃ التسبیح ادا کرے اور تمام زمین میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہٗ کی درگاہِ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے، پھر تہِ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اس کے تہِ دل میں گناہوں سے کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظنّ پیدا ہو جائے۔ پس اشغالِ طریقت میں جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے۔ اور اس سارے شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اس طرح التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل یا تہِ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائیگا۔ اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر ٹھیر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور وسوسہ ٹھیرتا نہیں اور اس کے آجانے کا کوئی مقرر طریق نہیں۔ چور اور کیسہ بُر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز

www.abulhasanalinadwi.org

دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے۔ اور اگر طریقِ مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیئے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بے خبر ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلوب معلوم کرلوں، اس کے بعد اپنے کانوں کو آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور فال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرلے۔ اگر اس طرح سے بھی انکشافِ مطلوب حاصل نہ ہوا، تو چاہیئے کہ اسی وقت یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشافِ واقعۂ مطلوبہ کی نیّت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ آیۃ الکرسی اور پندرہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے، بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصولِ کشف کی نیت پر ایک سو ایک بار کلمہ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ کہے پھر دعا کرکے سو رہے، انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحۃً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائیگا۔

فائدہ۔ اشغالِ مبتدعہ میں سے شغلِ برزخ بھی ہے جو کہ اکثر متأخرین میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے۔ اور شغلِ مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود نہایت ادب اور تعظیم سے اپنی ساری ہمّت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھتے ہیں اور دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ اور شغل کا حال تصویر کے حال

www.abulhasanalinadwi.org

سے معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ تصویر کا بنانا کبیرہ گناہ ہے، اور اس میں دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تصویروں کے سامنے عکوف منع ہے ادب اور تعظیم اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حضور کو لازم پکڑنا عکوف ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ظاہری صورت کے ساتھ یہ عمل کرے بیشک گنہ گار ہے، اور اس گنہگار اور راہِ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک کاغذ اس جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے۔ اور ثانی میں چمڑے کے رنگ اور بالوں اور خط و خال سمیت پوری تصویر صفحۂ خیال میں منقوش ہوتی ہے، اگرچہ ظاہر میں تو یہ بت پرستی نہیں لیکن باطن میں صاف بت پرستی ہے، کاغذی صورت تصویر کے دقائق کو خیالی صورت کی مانند بیان نہیں کرتی حالانکہ بے جان ہونے میں دونوں برابر ہیں، پس تصویری معنی میں کاغذی صورت سے خیالی صورت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ دونوں میں صرف اسی بات سے فرق کر سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں تو شریعت کے ظاہری انتظام میں خلل آتا ہے۔ اور دوسری صورت میں ظاہری انتظام کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا لیکن اس کام کے کرنے والے کے نفس میں اس کی تاثیر کے لحاظ سے جو خرابی موجود ہے وہ دوسری صورت میں پہلی صورت سے کہیں بڑھ کر ہے، پس اس وجہ سے چاہیئے کہ حرام ہو۔ اور اس سے قطعِ نظر شغلِ برزخ کا رواج ناقص لوگوں کو پہلی صورت تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر جو تعظیمی حرکتیں تصویر والوں کے سامنے کرتے ہیں ان تصویروں کے سامنے بجا لاتے ہیں اور صاف بُت پرستوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں، اور صریح حرام کام کی طرف

www.abulhasanalinadwi.org

شغل برزخ کے پہنچا دینے میں کچھ شک نہیں۔ پس چاہیے کہ یہ بھی حرام ہو اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بُت پرستی کی پیش بندی کے لئے مطلقاً تصویر سازی حرام ہوگئی ہے۔ اور دوسری شریعتوں میں شکل کا حال مردے یا زندے غائب کی خصلتیں معلوم کرنے کے مانند بعض صحیح اغراض کے لحاظ سے جائز تھی پس جب تصویر سازی میں شارع علیہ السلام نے اس قدر احتیاط فرمائی ہو تو آپؐ کی متابعت کرنے والوں کو بھی چاہیئے کہ اسی احتیاط کے طریقہ کو اختیار کر کے شغل برزخ کو حرام اور بُرا جانیں۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پورا واقف ہے وہ جان لیگا کہ اس مبارک زمانہ میں اس امر کا استفتاء ہوتا تو بیشک اس سے منع فرماتے اور اس کی حرکت ظاہر ہوتی۔

چوتھی فصل:۔

مجددی طریقہ کے اصطلاحات کے حل کرنے کے بیان میں — اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے۔

تمہید۔ جاننا چاہیئے کہ حضرت شیخ عبدالاحد اور انہی جیسے طریقۂ مجددیہ کے بزرگوں کے نزدیک لطائف کے مقامات اس طرح پر ہیں کہ: لطیفۂ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفۂ روح کا مقام لطیفۂ قلب کے مقابل داہنے پستان کے نیچے اور لطیفۂ سر کا مقام بقدر دو انگشت بائیں پستان سے اوپر سینہ کو مائل اور لطیفۂ خفی کا مقام اسی اندازے پر داہنے پستان کے اوپر سینہ کو مائل اور لطیفۂ اخفیٰ کا مقام سینے کے درمیان اور لطیفۂ نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں جہاں اوروں کے نزدیک لطیفۂ خفی کا مقام ہے۔ پہلے چاہیئے کہ لطائف مذکورہ کو ذکر سے جاری کرے اور ان کو ذاکر بنائے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب مؤدّب ہوکر نہایت خضوع اور خشوع اور التجا کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش ہوکر بیٹھ جائے اور دل کو جمع کرکے خیالات کو دور کرے اور زبان اور باقی سب اعضاء کو ہلنے سے بالکل روک رکھے اور اسم مبارک اَللّٰہُ کو دل سے کہے۔ اور مرشد کو چاہیئے کہ تمام خشوع کے ساتھ مرید کی تلقین کی طرف متوجہ ہوجائے اور اپنے لطائف میں ذکر کرکے درست ہمت کے ساتھ طالب کے لطائف میں ان کا القاء کرے۔ اور جب لطائفِ ششگانہ کا ذکر معلوم ہوجائے تو سلطان الذکر کے حاصل ہونے کے لئے لطیفۂ نفس پر بہت توجہ کرنے سے سلطان الذکر حاصل ہوجاتا ہے۔ اور لطائف کے ذاکر ہوجانے اور سلطان الذکر کے حاصل ہوجانے کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر جو کہ نفی اور اثبات ہے اس حد تک استعمال کرے کہ غفلت نہ آجائے اور اس ذکر سے اپنے بدن کی نفی مقصود ہے لیکن جب تمام عالم کی نفی اس سے زیادہ آسان ہے اور ۔ کی نفی میں اس کو بھی دخل ہے لہذا ناچار تمام عالم کی نفی کو اپنے دل میں ٹھیرالید ہیئے اور اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف وجہ ہونا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ لَا کو ناف سے کھینچکر دماغ تک پہونچائے۔ اور جن جن مقاموں سے لَا کا گذر ہو اپنی نفی سمجھنا چاہیئے، اور اِلٰہَ کو لطیفۂ روح تک پہنچائے۔ اِلَّا اللّٰہُ کو قلب میں ضرب کرے، اور لطیفۂ روح کے مقام اور بدن کی اس تمام جانب کو لفظ "اِلٰہَ" کے ساتھ نفی کردے اور "اِلَّا اللّٰہُ" کے لفظ کے ساتھ لطیفۂ قلب کے مقام اور باقی تمام بدن کو نفی کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا ملاحظہ کرے۔ اور اس ذکر اور نفی دونوں کو خیالی قوت سے کمائے اور زبان سے ہرگز تلفظ نہ کرے۔ اور اس ذکر کے تکرار اور شغل کے ہمراہ قوتِ خیالیہ میں نفی کے خیال سے انشاءاللہ تعالیٰ اس کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط اور پختہ ہوجائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوتِ خیالیہ میں ہمیشہ

www.abulhasanalinadwi.org

قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے درویشی کے معاملے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں خاص کر دوائر کا انکشاف کہ شغلِ نفی کے سوا کما حقہٗ ان کا انکشاف متصور نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہو گی اسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا۔ پس مراقباتِ دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیئے اور بدن کا مطلقاً معلوم نہ کرنا کمالِ نفی ہے۔ اور نفی کے کمال میں اس چیز کے سوا جو دوائر کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

اور اس کے بعد نفی النفی اور فناء الفناء پیش آئیگا اور وہ مدرک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہو جائے گی۔ اور مراقباتِ دوائر کے ساتھ مزید نفی میں کوشش کرتا رہے۔ جس وقت نفس محبت کے کمال اور انتہاء کو پہنچیگا نفی النفی اور فناء الفناء حاصل ہو جائے گی۔ اگرچہ نفی النفی کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائر کے انکشاف اور معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشغال کے ان بزرگوں کے تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ ان کی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہو جاتی تھی۔ پس صرف ان کی توجہ ان اشغال سے بے پرواہ کر دیا کرتی تھی، لیکن نفی کے حاصل ہونے کے سوا دائروں کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے سے حاصل ہو، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مقصد۔ اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں۔

مراقبۂ احدیت سے دوائر کا شغل معلوم ہوتا ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو قلب سے نکال کر اوپر کی طرف متوجہ کر کے عرشِ مجید سے بھی اوپر کو لے جائے

www.abulhasanalinadwi.org

یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اور اس کا اثر یہ ہے کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی اسطوانے کی مانند لمبا سا نور ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی اسطوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر لیتا ہے۔ پس اس نور کا جوہر وہی اسطوانہ ہے جس کی جڑ دل کے اوپر کی جانب میں ہے اور اس کا سر عرش مجید تک پہنچکر اس کا شعاع سارے جہان میں پھیل جاتا ہے۔ اور اس نور کا ظاہر ہونا دائرۂ امکان کا شروع، اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف دائرے کے حاصل ہونے کی علامت ہے۔ اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لمبے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا مبدأ اور منتہیٰ مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرے کی حقیقت ہے پس دائرہ اسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو۔ اور چونکہ یہ دائرہ عالم امکان کو گھیر لیتا ہے اسی واسطے اس کا نام دائرۂ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی کے دائرہ میں سے یہ پہلا دائرہ ہے۔ اور دوسرا دائرہ ولایتِ قلبی کا ہے جس کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں اور اس دائرے میں اقربیت کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے اور اس دائرے میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور تمام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتے ہیں اور جو انوار کے ہر جہت سے پیدا ہوتے ہیں دائرۂ اول کی مانند موجوداتِ ممکنہ سے تجاوز کر کے لامکان کی حد تک پہنچ کر غیر متناہی ہو جاتے ہیں، اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ بالکل نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدرِ انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے میں دو طرح کا فرق ہے۔ اول تو یہ ہے کہ پہلے

www.abulhasanalinadwi.org

دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب ہے اور اس دائرے میں تمام قلب انوار کا چشمہ بن جاتا ہے۔

دوم آنکہ پہلے دائرے میں پھیلا ہوا نور اسی کے دل کے اوپر والے ملبے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے کہ ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اسی ستون سے پیدا ہوا اور اس عش دائرے میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور ہے جو دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے، اور کبھی اس دائرے میں توحید کا بھید کھل جاتا ہے، یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات اسی کے ساتھ قائم ہیں اس طرح معلوم ہونے لگتا ہے کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے۔ اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز ہیں سب اس کی آنکھ میں نابود ہو جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت قلب بالکل فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے۔

تیسرا دائرہ ولایتِ کبریٰ کا دائرہ ہے۔ اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات پاک کی معیّت کا مراقبہ کرنے اور اس طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذاتِ پاک کو بیچونی اور بیچگونی اور مکان اور جہت سے نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو اس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اس کو شریک اور شامل سمجھے، اور معیّت کو اقربیّت لازم ہے، اور اقربیّت کو معیت لازم نہیں۔ اس لئے کہ معیت کے واسطے قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے، جب تک کوئی شخص دوسرے کا مددگار نہ ہو اس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو۔ اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ سیر اور سلوک میں اقربیّت معیت سے مقدم ہے اور

ع یعنی دائرہ ولایتِ قلبی۔

www.abulhasanalinadwi.org

جس شخص نے معیّت کو اقربیّت پر مقدم کیا ہے پس قرب اور معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے۔ لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیّت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہیئے۔ اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا اور اعانت اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی میں ہمراہی اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے۔ اور قرآن مجید میں یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، وَاِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ، وَاِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استمداد اور استعانت کے موقع پر مع کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہوگیا کہ معیت میں اعانت ضروری ہے اور اقربیت اعانت کے سوا متحقق ہوتی ہے۔ پس اقربیت کا مراقبہ معیت کے مراقبہ سے اول چاہیئے ہر حال میں اسی طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب علم کے ذہن میں پختہ ہو جائے۔

اور کمالِ رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ اسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضاء گناہ کی طرف ملنے سے خود بخود رُک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔

لہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کہ اور بیشک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، عنقریب مجھکو راستہ دکھا دیگا۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسی طرح اللہ جلّ شانہ کے قرب اور معیت کے لحاظ کا اثر اس میں ظاہر ہونا چاہیے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آئے اور اس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمال اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً بازاری ناآشنا آدمی پیش آوے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقتور عادلِ انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آوے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

پس اللہ تعالیٰ سے کس قدر شرم چاہیے جو وجوہِ عنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اس کی وصفوں سے ہرگز کچھ نسبت نہیں۔ اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اس[ع] کی عنایت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ کرنے سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ کرنے سے مانع ہوتی ہے پس سچے بادشاہ عادلِ مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس، اگر جنگل اور میدان ہو تو اپنے آپکو تنہا نہ جانے۔ اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انست و اُلفت ہی معلوم کرے اور وحشت اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے۔ جب یہ آثار مترتّب ہوں تو معیّت کے معنوں کے حصول کا شکر ادا کرے۔ اور یہ معیت اس وقت ولایتِ کبریٰ کی علامت ہوگی کہ اس دائرہ کا نور دونوں مذکورہ دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ اس کے ہمراہ ہو۔ اور اصلیت یہ ہے کہ مختلف رنگوں والے نور

ع یعنی اللہ تعالیٰ کی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ذاتِ پاک کا حجاب ہیں ان کا طے کرنا ضروری ہے۔ پس شغل کے کمال اور اس کی خوبی اور دائروں کی تفاوت اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں قرب اور عزت کے موافق یہ حجاب طے ہوتے ہیں۔ ایک دائرے میں کم اور دوسرے میں زیادہ، یہاں تک کہ ذاتِ بحث کے ادراک تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے دائروں میں محبت وغیرہ کے ساتھ اقربیت کے لحاظ کی مانند دائرے کے آثار کا ظاہر ہونا جس کے آثار پہلے بیان کے بموجب واضح ہوجاتے ہیں اس دائرے میں کمال نہیں گو ان آثار کا حاصل ہونا نہایت ہی عجیب اور مرغوب کمال ہے۔ لیکن اس ولایت کا معنی جو سلوک کا مقصود ہے انوار دوائر کے انکشاف کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور دائرے کی حقیقت اپنے کمال تک نہیں پہنچتی۔ پس دوائر کی تکمیل دونوں چیزوں سے ہے: اول انوار کا انکشاف، دوم قرب و معیت و محبت وغیرہ آثار کا حاصل ہونا۔ اور ہر دائرہ کا صاحب اپنی عزت اور سعی کے موافق کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن نچلے دائرے والا بلند دائرے والے کی طرح اپنے مطلوب پر فائق نہیں ہوسکتا مثلاً اگرچہ صاحبِ دائرۂ قلبی اپنے کسی مطلب کو پہنچتا ہے لیکن جس طرح دائرۂ محبت والا کامیاب ہوتا ہے دائرۂ قلبی والا نہ ہوگا۔

اس کے بعد یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ[1] یعنی ذات پاک کے ساتھ اپنی محبت اور اپنے ساتھ اس کی محبت کا مراقبہ ہے۔ اور اس موقع پر اڑھائی دائرے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے تین مرتبے ہیں، اول ابتدائی مرتبہ جو آدمیوں کے درمیان دوستی اور آشنائی کے جا بجا ہے۔ ابتدائی محبت میں محب اپنے فائدے اور محبوب کی رضا اور خوشنودی دونوں باتوں کا لحاظ کرتا ہے۔ اور اپنی اور

---

[1] وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

محبوب کی جانب کی پاسِ خاطر نہیں چھوڑتا۔ اور یہ پہلا دائرہ ہے۔ اور جب محبت نے ترقی کی اور محب کی جانب نیست اور فنا ہونے لگی یہ پہلا دائرہ ختم اور دوسرا دائرہ شروع ہوگیا، اور اس دائرے میں اپنے آپ بلکہ تمام مخلوقات پر جانبِ حق کی ترجیح پیدا ہوجائے گی۔ لیکن اس ترجیح سے وہ عقلی علمی ترجیح مراد نہیں کہ نفع و نقصان کا موازنہ کرکے سمجھ کو ترجیح دیگا۔ بلکہ وہ ترجیح مراد ہے کہ اس کے تہِ دل سے فوارے کی مانند جوش مارتی ہے۔

اور جب نیستی اور فناء اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئی اور محب کی جانب سے کوئی نشان نہ رہا تو دوسرا دائرہ ختم ہوا اور قوس شروع ہوئی۔ اور اس کا نام یہ قوس اس واسطے ہے کہ نصف ثانی یعنی محب کی جانب وہاں بالکل نہیں ہے۔ جب تک قوس کی ابتداء ہے جانب کا خیال نسیاً منسیا ہوجائیگا پھر قوسِ محبت پوری ہوجائے گی، اور اس میں فناء الفناء کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

بعد ازاں اسم اَلظَّاہِرُ کا مراقبہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظَاہِرُ اور بَاطِنُ اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں، اور نام کے بے شمار مظہر ہیں۔ اور ہر نام کا مصداق اس کی پاک ذات میں موجود ہے۔ جس قدر عرفان زیادہ دقیق ہوگا مظاہر کی شناخت زیادہ کمال کو پہنچے گی، اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا امتیاز بہتر اور زیادہ کامل ہوگا اور تمام جہاں اور اجسام اور وہ افعال اور احکام جو تکوین اور تشریع میں ظاہر ہوئے ہیں اسم ظَاہِرُ کے منظہر ہیں۔ اور جو کارخانے اس کی رازقیت سے متعلق ہیں اسی کے ظاہر میں سے ایک منظہر ہیں۔ اور اسی طرح کتاب کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے وغیرہ کے جو کارخانے ہدایت کی شان سے متعلق ہیں دوسرا منظہر ہیں۔ اور ایسا ہی ابلیس سے لیکر دوسرائی تک لوگوں کو گمراہ کرنے کے کارخانے۔ اور اسی طرح دوؔ اور منظہر یعنی ثواب اور

www.abulhasanalinadwi.org

عذاب، بہشت اور دوزخ وغیرہ کہ پہلے دونوں مظہروں پر مترتب ہوتے ہیں۔

بالجملہ اسم ظاہرؔ کے مظاہرہ کا ملاحظہ کرکے ان بے شمار عالم ظہور کی جہت سے اس مبارک اسم کے مسمّیٰ اس کی پاک ذات کا ملاحظہ کرے۔ اور یہ نہ جانے کہ یہ ملاحظہ ممکن نہیں۔ بلکہ اجمالی طور پر نہایت ہی سہل اور آسان ہے، اور جب بصیرت کی آنکھ زیادہ تیز ہوگی اس تیزی کے موافق تفصیلی ملاحظہ بھی زیادہ آسان ہوجائیگا۔ اور اسی دقیقہ کے باعث اس صیغہ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ زِنَۃَ عَرْشِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ کے ساتھ عارف کی تسبیح غیر عارف کے ہزارہا مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر بلکہ بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب صیغۂ مذکور کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف ہو اور اس کا لحاظ تمام خلق کو گھیر لے اپنے لحاظ کے مطابق ثواب کا مستحق ہوگا، غیر عارف کے برخلاف کہ اس کے لحاظ کو کچھ وسعت نہیں۔

بالجملہ جس طرح چاہے اس مراقبہ کا شغل کرے اور جب اس مراقبہ کے فیوض کے موارد کہ بالذّات تو لطیفۂ نفس ہے اور بالتبع باقی لطائف ہیں اس کے فیوض سے، کما ینبغی فیض حاصل کرلیں گے اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہوجائیں گے اور اور اس آثار کے ایک اثر فنائے نفس ہے۔ یعنی نفس اپنے آپ اور اپنے افعال سے بے خبر ہوجائیگا اور اس کے اخلاق سدھر جائیں گے، یعنی اس کی بدعادتیں نیک عادتوں سے تبدیل ہوجائیں گی۔ اور اس مراقبہ کے فیوض کے ورود نفس کے مستقل ہونے کی وجہ ہے کہ عقل اسم ظاہرؔ کے مظاہرہ کا ادراک کرسکتی ہے برخلاف اسم باطنؔ کے کہ اس کے مظاہر کے ادراک میں الہام اور کشف کے سوا اور کوئی راستہ نہیں اور چونکہ لطیفۂ نفس کا محل یعنی سر عقل اور

www.abulhasanalinadwi.org

ادراک کا محل ہے اسی واسطے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے لطیفے کے فیوض کے ساتھ زیادہ اختصاص حاصل ہو گیا ہے، اور ان آثار کی ترتیب کا یہ سبب ہے کہ اس مراقبہ کی وجہ سے تمام حرکات وسکنات اور اسباب اور مسببات کا صدور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے طرف ہے اس طرح اس کے دل میں منقش ہو گا کہ کسی ایک تاثیر سے بھی اس کو غفلت نہ ہو گی اور امیدوار خوف اور محبت صرف اسی پاک ذات سے متعلق ہو جائیں گے اور سالک کی نظر میں اس کے غیر کا کچھ اعتبار نہ رہے گا اور غیر کو اسی طرح آلہ سمجھے گا جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک آلہ ہے۔ پس عالی ہمت کریم الطبع کے لئے تو صرف اس پاک ذات کی محبت اور الفت کی وجہ سے جو کوئی اس قدر کمالات کے ظہور کا باعث ہے آثارِ مذکورہ پورے کے پورے مترتب ہو جائیں گے۔ اور جو شخص علوِّ ہمت اور کرامتِ طبع میں ادنیٰ مرتبہ پر ہو گا اس کو بعض آثارِ محبت کی وجہ سے اور بعض آثارِ خوف کی وجہ سے حاصل ہوں گے اور بمقتضائے وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ایک اپنے مقصود پر کامیاب ہو گا اور یہ دائرہ بھی اسی وقت پورا ہو گا جب کہ آثار کے ظاہر ہونے کے سوا انوار میں بھی کما ینبغی ترقیاں ظاہر ہوں، جیسے پہلے مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے۔

اور اگر یہ دائرہ محبت کے دوائر سے مقدم ہوتا تو بہت بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں میں بڑی امداد دیتا ہے۔ پس حُسنِ ترتیب اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم ہو۔

پھر اسم اَلْبَاطِنُ کی سیر کرنی چاہئے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ان ہی ظاہری چیزوں کا باطن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم "باطنٌ" سے فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور اس کی مثال بادشاہت کا انتظام ہے جو کہ نہایت ظاہر ہے۔ اور اس کا باطن بادشاہ کی عقل اور تدبیر ہے۔ پس چاہئے کہ اپنی سمجھ کے مطابق

www.abulhasanalinadwi.org

بطون کے مظاہر کو معلوم کر کے ان مظاہر میں اسم "باطن" کے اثر کے اعتبار سے اس کے مسمّٰی کا مراقبہ کرے۔ اور اس ولایت کو ولایتِ عُلیا کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ملأ اعلیٰ کی ولایت ہے، اور ملأ اعلیٰ سے وہ فرشتہ مراد ہیں جو امر کی تدبیر کرنے والے اور احکامِ الٰہیہ کے اخذ کرنے والے ہیں، جو حکم نافذ ہوتا ہے پہلے وہ اس کو اخذ کرتے ہیں پھر جہان میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہ تمام عوالمِ اجسام اور اُن ارواح کا باطن ہیں جو اجسام کے مدبّر ہیں اس واسطے ان کے کمال کو اسم اَلْبَاطِنُ سے تعلق ہے۔ اور جسمِ انسانی سے اس مراقبہ کے فیض کا مورد آگ اور پانی اور ہَوا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں عنصر انسانی جسم میں باطن ہیں اور مٹّی ظاہر ہے، اسی جہت سے یہ تینوں اسی کے فیض کا مورد ہیں اور صدورِ آثار میں ان عناصر کا بدل جانا اس کا اثر ہے۔ کیونکہ آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضیٰ پر رہتی ہے۔ پس اس کی طبیعت کا مقتضیٰ اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً آگ کا مقتضیٰ غلبہ اور عُلو ہے جو کہ انسان میں غرور اور تکبّر پیدا کرتی ہے اور کبھی دعوئ خدائی تک پہنچا دیتی ہے شیطان کے لئے آگ کا مقتضیٰ لعنت کا باعث بنا اور اس کو عمیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید کر دیا اور جب اس مراقبہ کے فیض سے مستفیض ہو گی احکامِ الٰہیہ کی فرمانبرداری میں بلند ارادے اور ان میں سبقت اور مسارعت کی سعی اس میں پیدا ہو جائے گی، اور انسانی اخلاق میں ہَوا کا مقتضیٰ حرص اور خواہشیں ہیں اور اس کا بدلنا اس طرح سے ہے کہ حرص اور خواہشیں مرضیاتِ الٰہیہ کی طرف مشغول ہو جائے اور دنیوی زینت سے منحرف ہو جائے، اور انسان میں پانی کا اثر سستی اور اُفتادگی اور تسفّل ہے۔ اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے سست ہو جائے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی درگاہ میں گر پڑے

www.abulhasanalinadwi.org

اور ربّ العزت کی عظمت کے سامنے پست ہوجائے۔ اور اس سیر میں اسم اَلْبَاطِنُ کی تجلّیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے باوجود تب ہی تب ہی تمام ہوگا کہ اسی سیر کے موافق نورانی حجابوں کو قطع کیا جائے۔

پھر تجلّی ذاتی دائمی کا سیر ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ تجلی جس کا منشاء محض ذات ہے۔ اور دائمی سے یہ غرض ہے کہ یہ تجلی آسمان وزمین کی مانند مستقر وثابت ہے۔ اگرچہ اس تجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے سوا کوئی اور امر مراد نہیں۔ اور انبیاء اور مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلّی میں سے ہے۔ پس اس سیر کے تین درجے ہیں: اوّل اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشاء ہے یعنی اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہوسکے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا وجود باوجود فیض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو خبر نہ ہو لوگوں کو ان کے منافع پہنچتے رہتے ہیں۔ پس ان کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ اس کی روشنی سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں گو چراغ کو خبر نہیں ہوتی پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں، اسی واسطے ان کے فیوض تجلئ ذاتی دائمی سے متعلق ہیں۔ فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجا لاتے ہیں پھر بے کار اور منتظر اور مستعد رہتے ہیں، اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشاء تجلئ ذاتی دائمی نہیں ہوتی۔ اور وہ انوارِ تجلیات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے ثمرات اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے فیض کا مورد دو وجہ سے خاک کا عنصر ہے۔ اول یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس لئے اس سیر کے مناسب ہے۔ دوؔم یہ کہ اس تجلی میں ظہور کے معنیٰ ہیں، کیوں کہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارا جہان تجلی ذاتی دائمی ہے اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہیئے۔

اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں تواضع اور فروتنی کا پیدا ہوجانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر ہے۔ اپنے مالک کے سامنے تواضع اور فروتنی کرنا اور اس کے حکم کو قبول کرنے سے سرکشی نہ کرنا اس سے مقصود ہے، اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجاآوری میں اس کے دشمن پر ایک قسم کی تعلّی پائی جائے، اور جو پستی پانی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیوں کہ تسفّل میں مطلقاً اپنی پستی ہوتی ہے، اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے بازو کو پست کرے، پس تواضع ہر وقت میں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے تسفّل کے برخلاف، کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا، اور جس طرح پہلے بیان ہوچکا ہے ان آثار کے ظہور کا امتیاز کرنا چاہیئے اس لئے کہ کبھی عقلمند انسان صفاتِ نفسانیہ میں سے کسی ایک صفت کے تصور کو اس کا حصول سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور جو گفتگو کہ ایک فلسفی حکیم اور کامل عارف کے درمیان جاری ہوئی ہے اس امر کے بیان کرنے کے لئے ایک پوری مثال ہے۔

منقول ہے کہ ایک فلسفی حکیم اور ایک کامل عارف کی آپس میں ملاقات ہوئی ملاقات کے بعد ایک شخص غائبانہ عارف سے حکیم کا حال پوچھا، عارف نے فرمایا کہ اس میں اخلاق نہیں، اور یہ بات کسی نے حکیم کو پہنچائی، حکیم نے اخلاق کی توضیح میں ایک سنہری اور عمدہ کتاب تالیف کرکے عارف کی خدمت میں بھیجدی۔ عارف نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں، یہ نہیں کہا کہ وہ اخلاق جانتا نہیں۔ پس اس نے جان لیا کہ اخلاق کا علم اور چیز ہے اور اس کا حاصل ہونا اور چیز۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور کبھی عبادت کی وجہ سے اور کبھی نفسانی دھوکے سے اور کبھی شیطانی مکر سے کمالات کا تصور ان کے حاصل ہونے سے مشتبہ ہوجاتا ہے اور انسان جہلِ مرکب کی لاعلاج بیماری میں رہتا ہے اور یہ بے نصیبی کی صریح علامت ہے اور حصول وہی معتبر ہے جو تہِ دل سے جوش مارتا ہے، وہ نہیں جو زور کے ساتھ اپنے اوپر باندھ لیا جائے۔ اور اس سیر کے پورا کرنے کے واسطے جس طرح کئی بار مذکور ہوچکا ہے انوار کا تبدل ضروری ہے۔

اور اس تجلّی کے سیر کا دوسرا درجہ منشا، کمالاتِ رسالت ہے، رسولوں کے خصائص کو سمجھ کر ان کے منشاء کی طرف انتقال کرے۔ اور منشاء ہونے کی وجہ سے حضرتِ ذات کا مراقبہ کرے، مخلوقات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وساطت اور ایلچی گری کے ظہور سے رسالت اور نبوت میں امتیاز ہو سکتا ہے، اور ناصح اور واعظ ہونا اور حجتوں اور دلیلوں کے بیان کرنے میں بہت کوشش کرنا اور معجزات کا قائم کرنا اور مناظرہ اور مخاصمہ اور مقابلہ کرنا انبیاء کے برخلاف رسولوں کو لازم ہے کیونکہ انبیاء کو مقابلہ کرنا لازم نہیں اور مرسل الیہ کے حق میں رسولوں کا قول معتبر ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ معتبر اور سچے ایلچی کو جب کسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں اس قوم کی فرمانبرداری کرنے یا نہ کرنے میں اس کی بات مقبول ہوتی ہے۔ اور کمالاتِ اولوالعزم کا منشاء ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنا اس تجلّی کی سیر کا تیسرا درجہ ہے کفّار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارہ میں قوی ہمت کی بجا آوری کے ساتھ باقی رسولوں سے اولوالعزم کا امتیاز ہوسکتا ہے، پس کفار کے ہلاک کرنے میں رسولوں میں سے اولوالعزم کی قوی ہمّت کو بڑا بھاری دخل ہے، رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفّار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے قہریہ ارادے کے لئے اعضاء انسانی کے جابجا نہیں ہوتے اور اولوالعزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اور عضو کے قائم مقام ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اول آنکہ فرشتے اور اولوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں۔ دوم آنکہ

www.abulhasanalinadwi.org

فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع۔ سوم اس کے برعکس، یعنی رسول مستقل ہوں اور فرشتے تابع۔ اور تیسری صورت ایک بڑا درجہ ہے جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہیے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں سے حاضرین بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے۔

بالجملہ انبیاء میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے اولوالعزم کا امتیاز اس سیر کے مراقبے اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا وہ خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے اوّل انوار کا بدلنا جو مکرّر سہ کرّر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے اور تازہ یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدّلِ صفات میں سے ہے۔ پس کمالاتِ نبوّت کا منشار ہونے کے لحاظ سے جو شخص ذاتِ پاک کا مراقبہ کریگا اس کو نبوت کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کردیں گے اس کا ادنیٰ درجہ نیک خوابیں ہیں، اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اس پر فائض ہوگا اور غافلوں اور جاہلوں اور سرکشوں کے سمجھانے اور پڑھانے اور مناظرے کا اس کو الہام کیا جائیگا۔ اور تیسرے درجہ سے نافرمانوں اور سرکشوں کے ہلاک کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام اور اکرام کے بارہ میں اس کو قوی ہمّت بخشیں گے۔ اور اس مدّعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہیئے کہ اسماءِ الٰہی میں سے جس اسم کا مراقبہ کریگا اسی سے کچھ پالے گا۔ جو شخص اس کی رزاقیت کا مراقبہ کریگا اور اس مراقبہ کو کمال تک پہنچا ئیگا رزاقیت کی کچھ شان اس میں جلوہ گر ہو جائے گی۔ اس کریم مطلق کی بے نہایت مہربانی اس کا باعث ہے۔ کرماءؑ کی عادت ہے کہ جو شخص مثلاً کھانا کھانے کے وقت ان کے

ع یعنی سخی اور فیاض لوگوں کی۔

www.abulhasanalinadwi.org

سامنے جائے اور طمع کی آنکھ اس پر لگائے البتہ اس کو ایک لقمہ دیں گے اور اسی مثال سے اس کلام کے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی جو شخص مثلاً اسم مُحییؔ کا مراقبہ کریگا گویا اس کی شانِ احیاء کے سامنے جا کھڑا ہوا ہے پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے کرم کا مقتضا یہ ہے کہ شانِ احیاء سے کچھ اثر اس شخص کو بخشے۔

سوم اللہ جلّ شانہٗ کی خاص عنایت، اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جب خاص بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو خوبی سے سرانجام دیتا ہے دو چیز کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ایک ثواب، دوسرا انعام۔ ثواب اگرچہ بے حساب ہو لیکن مزدوری کی جا بجا اور اس کام کا نتیجہ اور اس کے مناسب ہے، اور انعام خلعتِ فاخرہ کے قائم مقام ہے، رضائے مولا جس کا سبب ہے۔ جب انسان اس سے کامیاب ہوتا ہے کما حقّہٗ، دونوں کا امتیاز کرلیتا ہے مستجاب الدعوات ہونا اور ملاء اس میں عزت پانا انعام کی مثال ہے۔ اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کارآمد ہوتا ہے۔ بہشت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے۔ اور حور و قصور و غلمان اجرت اور مزدوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ، اور روایتِ صحیحہ کے بموجب زیادتی سے دیدارِ خداوندی مراد ہے، اور انسان کی ہیئتِ مجموعی ان اخیر کے درجوں کے فیض کا مورد ہے اس فیض کے ورود میں کسی عنصر اور لطیفہ کو خصوصیت نہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزم کے کمالات کا منتہیٰ ذاتِ پاک ہے، اور انسان کے تمام اجزاء کی اصلاح ان کمالات کے صاحبوں کا اصلی مقصود ہے، اسی لئے ان دونوں درجوں کے فیض کا محلِ ورود مجموعی ہیئت ہوتی ہے پھر حقیقتِ کعبہ کے ظہور کے اعتبار سے حضرتِ ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے، حضرتِ ذات کا تمام مخلوق کے واسطے مسجود ہونا کعبہ کی حقیقت سے ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اور حقانیت کی وجہ سے معظم ہونا اس مراقبہ کا اثر ہے۔ اہلِ حق اس سیر و آلے

www.abulhasanalinadwi.org

بہت تعظیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا باعث جانتے ہیں اسی واسطے بعض صحابہ رضؓ کے خیال میں گذرا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہیئے اور حضرت آدم صفی اللہ صلوات اللہ علیٰ نبیّنا وعلیہ تمام ملائکہ کے مسجود اور قبلہ بنے اور حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ان کے بزرگوں یعنی والدین اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا۔ پھر حضرت ذات سے حقیقتِ قرآنی کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کی بیچونی کی وسعت کا مبدأ اس کا منشاء ہے، پہلے وسعتِ بیچونی کا تصور کرنا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ظہورِ افعال کے اعتبار یا کسی طرز سے ذات پاک کی وسعت کو ذہن نشین کریں۔ لیکن ظہورِ افعال کے اعتبار سے اس طرح ملاحظہ کریں کہ ہر حرکت کے پیچھے جو جہانوں میں ہوتی ہے، حقیقت میں محرک وہی ہے، پس اگر چیونٹی کا پاؤں ہلتا ہے تو اس کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر فلک الافلاک گردش کرتا ہے تو اسی کے حرکت دینے سے کرتا ہے اور اگر ہم اس کی تحریک کا طریق اور سبیل دریافت کرنا چاہیں تو بیچون اور بیچگون کہنے اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے پڑھ دینے کے سوا کوئی امر معلوم نہیں ہوتا، پس جس طرح کہ اس کے افعال میں ایسی وسعت ہے کہ اس نے تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اسی طرح اس کی بیچونی اور بیچگونی کو بھی سمجھنا چاہیئے، اور یہ بیان اس کی بیچونی کی بہ نسبت بہت تھوڑا ہے۔ پھر کلام پر بیچون کی وسعت کو پہچاننا چاہیئے اس لحاظ سے کہ کلام ہر چیز کو بیان کرتی ہے اس میں اس قدر وسعت ہے کہ معدومات اور موجودات سب اس میں سما جاتے ہیں، اور اس وجہ سے کہ خواص محکی عنہ کا اثر اس میں پایا جاتا ہے اس کو بیچون کہہ سکتے ہیں۔ اور حقائقِ عالم پر مشتمل ہونے کے باعث قرآن شریف میں نہایت لمبی چوڑی وسعت ہے، انسانی علم کو اس کے منتہیٰ تک پہنچنا محال ہے اور چونکہ ازلی حقیقت کا ظہور اسی سے ہے اس لئے بیچون ہے اور اس کی بیچونی

www.abulhasanalinadwi.org

کی ایک بات یہ بھی ہے کہ عرب کے مستعملہ حروف اور کلمات سے اس کے مرکب ہونے ہونے کے باوجود اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے نہیں ہوسکتی اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کلام کی ترکیب میں بیچون ذات نے ایسا بیچون امر امانت رکھا ہے کہ ہزاروں فصیح و بلیغ اس کی گنہ کو پہنچ نہیں سکتے اور انسان جو کہ خاص صفتِ کلام کا مظہر ہے اور آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسی صفت کی وجہ سے تمام ملائکہ کے معزز ہوئے، جب غیر خدا اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہوگیا تو اس کے غیر سے اس کا سرانجام ہرگز نہ ہوسکے گا۔

پھر قرآن مجید کی مبدئیت کو معلوم کرنا چاہیئے اور اگرچہ قرآن مجید غایات اور نہایات پر مشتمل ہے لیکن قرآن مجید کے سوا معرفت کے شروع کی کوئی سبیل نہیں، مثلاً بخشی گری اور وزارت اور امارت اور ان کے سوا بادشاہی کے تمام عہدوں کا مبدأ نوکری ہے پس یہی نوکری وزارت ہوتی ہے اور یہی نوکری خدمتگاری ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید میں وسعتِ بیچوں کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی اسی واسطے مبدأ ہونے کے لائق ہے۔ جب تینوں باتیں ذہن نشین ہوگئیں تو وسعتِ بیچونی کے مبدأ کا معنیٰ جو کہ حقیقتِ قرآنی کا منشاء ہے سمجھ میں آگیا۔ پس وسعتِ بیچونی کے لحاظ سے جو کہ حقیقتِ قرآنی کا منشاء ہے مراقبۂ ذات کا شغل کرے اور اپنے آپ میں آثار کے ظاہر ہونے اور انوار کے بدلنے کو معلوم کرکے کمالِ وسعتِ بیچوں کا طالب ہونا چاہیئے اور اس سیر کے آثار میں سے وہ صفائی اور نزہت ہے جو اس سیر میں پہنچنے والا اپنے آپ میں پاتا ہے۔ اور وہ بیچون اور کمال وسعتِ بیچونی کے مناسب صفائی طرح طرح کی نیاز اور قسم قسم کی تعظیم کی حقیقت کا منشاء کہ نماز ان سب کو جمع کرنیوالی ہے کمالِ مذکور کی طرف اشارہ کرتی ہے حقیقتِ قرآنی کا منشاء ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنے کے بعد حقیقتِ صلوٰۃ کا منشاء ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرے اور

www.abulhasanalinadwi.org

مراقبہ کرنے والے کی نہایت صفائی اور پاکیزگی اس کا اثر ہے پس بول اور پاخانہ کی مانند ظاہری نجاستوں کے ساتھ عین آلودہ ہونے کے وقت اپنے آپ میں صفائی اور ستھرائی معلوم کرتا ہے۔ اس کے بعد ارکانِ نماز میں مسجودیت مقیّدہ سے قطعِ نظر محض معبودیت کا مراقبہ ہے اور اس کی تصویر یہ ہے کہ مثلاً اس لحاظ سے نماز کا ادا کرنا معبودیتِ مقیّدہ ہے کہ سچے منعم اور آپ کے حاکم نے ہم پر فرض کی ہے اور اس لحاظ سے کہ اس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے معبودیتِ محضہ ہے اور اپنی وہ عظمت اور بزرگی اس کا اثر ہے جو بے وجہ اور بے سبب اپنے آپ میں پائیگا، یہ عظمت اس عظمت کے برخلاف ہے جو حقیقتِ کعبہ کے مقام میں معلوم کی تھی۔

اور اس کے بعد حقیقتِ ابراہیمی کا منشاء ہونے کے لحاظ سے ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اور اس میں مجمل بات یہ ہے کہ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر کامل کو اپنے ساتھ اُنس ہوتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ صاحبِ کمال کو کبھی کبھی وحدت میں وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے بجز اس امر کے کہ عُجب پیدا ہو اپنے آپ میں ایک مونس اور رفیق گمان کرتا ہے اور اپنے ساتھ اس طرح مانوس ہوتا ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ کو اپنے ساتھ اُنست ہے اور کمالِ ابراہیمی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منشاء یعنی حضرتِ ذات کی اپنی ذات کے ساتھ اُنست کا ملاحظہ کر کے مراقبہ کریں۔ اور جب یہ مراقبہ اپنے کمال کو پہنچے گا اس مراقبہ والے میں دوستی کا اثر ہو جائیگا۔ اور جو دوسرے آثار کہ بیان کئے گئے ہیں ہر جگہ جاننے چاہئیں۔

اس کے بعد حقیقتِ موسویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہونے کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے اور وہ ذات کی محبّیت ہے اور محبّیت کو ہر کوئی جانتا ہے مراقبۂ محبیت ابتداء میں تو اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ سالک خدا تعالیٰ کا محِبّ بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سالک کا محب ہوتا ہے اور اس سیر میں ذات کے ساتھ ذات کی

www.abulhasanalinadwi.org

محبیت کا مراقبہ ہے اور حقیقتِ موسویّہ یہی ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ خُلّت سے وہ علاقہ مراد ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبیّت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن خُلّت سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس خلت اس آشنائی کے جا بجا ہے کہ دونوں آشناؤں میں سے ایک کو دوسرے پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزّت اور وجاہت دوسرے کے دل میں پختہ ہوتی ہے، اور بادشاہوں کی بہ نسبت وزیروں اور امیروں کی مانند یہ خلت عمدہ کاموں کے واسطے بننے کا موجب ہوتی ہے۔

اور محبیت کے تین مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ صرف محبیت ہو اور محبوبیت تک نہ پہنچے اور عزت اور وجاہت کے لحاظ سے یہ محبیت خلت کے مرتبہ سے کم ہے اور قرب اور حضور کی ہمیشگی کے لحاظ سے زیادہ ہے جس طرح جو خواص نہایت خیر خواہ اور خدمتگاری میں دل سوز ہوتا ہے امیر کبیر کی بہ نسبت اس کا قرب زیادہ ہوگا۔

دوسری وہ محبیت جو محبیت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچکر محبوبیت کی سرحد تک پہنچ جائے لیکن محبوبیت تک نہ پہنچے، اگر اس مقام سے جو محبیت کا منتہٰی ہے آگے بڑھکر محبوبیت تک پہنچ گیا تو یہ محبیت فی الجملہ خلت بھی ہے۔ تیسری وہ محبیت جو محبوبیت تک پہنچ جائے یہ بیشک خُلت سے بہت بلند ہے، اور جس طرح کہ ابھی آئے گا حقیقتِ محمّدیّہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا منشاء ہے۔ چونکہ اس جگہ مراتبِ ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار قرب اور دوامِ حضور پر ہے اور یہ بات محبیت میں خلت سے زیادہ ہے اگرچہ کاموں کے سر انجام اور بڑے بڑے کاموں کا واسطہ ہونے میں خلت زیادہ ہے اسی واسطے اس سلسلہ کے بزرگواروں نے محبیت کو خلت کے پیچھے رکھا ہے۔ اگر محبیت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو دراصل حقیقتِ ابراہیمی حقیقت موسویہ سے افضل ہے اس کے بعد اس ملی ہوئی محبیت اور محبوبیت کے لحاظ سے حضرتِ ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے، جو حقیقت محمدیّہ

www.abulhasanalinadwi.org

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا، اس کے بعد محبیت کی ملاوٹ کے سوا محض محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے جو حقیقتِ احمدیہ ہے اس کے بعد صرف حب کا مراقبہ ہے جس کو محب یا محبوب سے کچھ تعلق نہیں، اس کے بعد اس لحاظ سے لاتعین کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ سب تعبیریں اس سے نیچے ہیں کوئی تعبیر اور بیان اس کو نہیں پہنچتا، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

تکملہ راہِ ولایت کے سلوکِ ثانی کے بیان میں۔

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے۔

تمہید بے سمجھ طالب جب معرفتِ ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوکِ متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم بھی حضرتِ غوث الاعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت وطریقت حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے ہیں، اور یہ صریح غلطی اور نہایت ہی برا عقیدہ ہے اس لئے کہ اہلِ خذلان اور بطلان بھی اس مقام تک تو پہنچ جاتے ہیں اور جب اس مقام میں ان کی رسائی بھی ہوا کرتی ہے تو کس طرح سے اس مرتبہ کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگواروں اور اس کی عنایت کے ملکوں کے بادشاہوں کے کمال کا منتہیٰ سمجھ سکتے ہیں: شعر

وَسَوْفَ تَرَیٰ اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ[1] ۔۔۔ اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

---

[1] اور جس وقت غبار اٹھ گیا تو تجھے معلوم ہو جائیگا کہ گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر

www.abulhasanalinadwi.org

اگرچہ جس طرح سلوکِ متعارف اس کتاب میں لکھا گیا ہے اہلِ خذلان اور بطلان کو اس میں رسائی نہیں، اس لئے کہ اس کے اکثر اشغال آدابِ شرعیہ اور تعظیم شرع شریف سے ملائے گئے ہیں، لیکن اس جگہ آدابِ شرعیہ کے ملانے سے قطعِ نظر محض ان اشغال کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ پس اصلیت یہ ہے کہ بیشک معرفتِ ذات تک وصول حاصل ہو گیا لیکن رد اور قبول اس وصول کے سوا دوسری چیز ہے۔ مردودانِ درگاہِ الٰہی کو اس مقام تک پہنچا دینا اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے بادشاہی قلعہ میں پہنچ جائے اگر اپنے بُرے فعل سے توبہ نہ کی تو قریب ہے کہ بادشاہی غضب میں گرفتار ہو جائے اور سلطانی حکم کے مقابلہ میں جو بغاوت اور سرکشی اس نے کی ہے اس کے زائل ہونے کا اثر عدالتِ سلطانی کے محکمے میں ثابت نہ ہو، اس بے دین طالب کا یہی حال ہے جو معرفتِ ذات تک پہنچ گیا ہے۔ ہاں شریعت کے پابند طالب کے حق میں یہ ایک بڑی چیز ہے کہ در اصل ترقی اور کمال کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے اور یہ مرتبہ ابجد خوانی کے جا بجا ہے۔ اور جو مرتبے ابتداء سے یہاں ذکر کئے گئے ہیں مطلوب اور مقصود کمال میں گنے نہیں جا سکتے، اور اس امر کی حقیقت اس مثال کے ضمن میں جو آئندہ افادے کے ضمن میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے واضح ہو جائیگی۔ پس ضرور اللہ تعالیٰ کی مقبولیت کی بارگاہ کے بزرگوں کے لئے متعارف سلوک کے سوا اور ترقیاں اور مقام ہیں کہ جن کی وجہ سے مقبولانِ حق کے زمرے سے ہو گئے ہیں۔ بلکہ ان کے ممتاز ہونے کے باعث باقی مقبولوں سے انہوں نے امتیاز حاصل کیا ہے پس انہی ترقیوں کو ہم سلوکِ ثانی کہتے ہیں۔ اور صوفیہ کی زبان سے جو القاب ان مقامات کے واسطے مقرر ہیں ان کا منتہی قطب ارشاد ہے جو رحمتِ الٰہی کے افاضے کا واسطہ ہوتا ہے، جو کچھ پہنچتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے اور اکثر ناواقف جو سلوکِ اول و ثانی میں تمیز نہیں کرتے بلکہ سلوک ثانی سے بالکل بے خبر

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں جانتے ہیں کہ سلوکِ اول کے تمام ہوتے ہی کمال تمام ہوجاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ پہلے کی انتہا، اس دوسرے سلوک کی ابتداء ہے جو اصل مقصود ہے۔

اور کبھی بارگاہِ الٰہی کے بعض مقبول سلوکِ اول میں سیر کرنے کے بغیر ہی سلوکِ ثانی کے مدارج سے ممتاز اور سرفراز ہوجاتے ہیں۔ اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک صاحبِ عقل اور صاحبِ ہمت شخص کو جو بادشاہ کے حضور سے دور ہے بادشاہی احکام پہنچیں اور اس نے ان احکام کی بجاآوری میں اس طرح کوشش کی کہ تمام رعایا اور سپاہیوں میں نمک حلالی اور بارگاہِ سلطانی کی فدویت کے لقب سے مشہور ہوکر حضور کے مقربوں میں سے بہت سے لوگوں کا محسود بن گیا، ایسے شخص کو جس وقت حضور میسّر ہوگا ایسی عزت اور امتیاز سے کامیاب ہوگا کہ سلوکِ اول کے سالکوں کو اس کا حاصل ہونا مشکل ہے اور بعض اوقات سلوکِ اول میں ہی سلوکِ ثانی کے درجے حاصل ہوجاتے ہیں اور ایسا شخص صوفیوں کی اصطلاح میں سلوکِ اول کا سالک ہے، اور سلوکِ ثانی کے درجوں کے لحاظ سے اس کا حال اس صاحبِ عقل اور ہمّت کی مانند ہے کہ جس کا تھوڑا سا ماجرا اس سے پہلے بیان ہوچکا ہے اور شریعت کے بموجب نیت کے اخلاص اور طبیعت کی صفائی اس کا باعث ہے کہ سلوکِ اول کے اشغال کو محض عبادت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ جس قدر اس امر میں اس کی نیت زیادہ صاف ہوگی سلوکِ ثانی کے مدارج بہت جلدی حاصل ہوں گے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ اور اگرچہ سلوکِ ثانی میں شرع کا مقصود قرآن وحدیث کا بیان کیا ہوا ہے لیکن سلوکِ اول کی طرح ضبط کیا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا خلاصہ کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

بعونِ اللّٰہِ تعالیٰ وَحُسْنِ توفیقہٖ۔

مقصد ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت کے رستے میں دو سلوک مترتب ہیں، پہلا تو ضبط اور

www.abulhasanalinadwi.org

ربط کے ساتھ تدوین کیا ہوا ہے۔ اور منضبط نہیں باوجود آنکہ اسی سلوک کا منتہیٰ اصلی مقصود ہے۔ ہمیشہ اہلِ ولایت یہ سلوک کرتے رہے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں، اور سلوکِ ثانی کے عدمِ انضباط کی وجہ سے اکثر اوقات ناواقفوں پر دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز اور جدا نہیں جانتے۔ لہٰذا ہر ایک کی تفصیلی تمثیل سن لینی چاہیئے تاکہ آپس میں جدا ہو جائیں۔ اور واضح ہو جائے کہ مقصود اصلی سلوکِ ثانی پر موقوف ہے پس مقصود کی یہ مثال ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص ہے جس کا وطن دار الخلافہ سے دور ہے، بادشاہی مرتبوں کے شوق اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور اپنی کامیابی کے رستے کو بادشاہ کے حضور میں منحصر جان کر حضور بادشاہی میں پہنچنے کے واسطے کوشش کر رہا ہے اور اپنے اصلی مقصود کو اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھ کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے ہی کو اپنا اصلی مقصود بتلاتا ہے اور بادشاہی حضور میں پہنچنے سے پہلے اپنے اصلی مقصود کو چھپائے رکھتا ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ اس کے اظہار میں کئی فسادوں کے واقع ہونے کا اندیشہ ہے یا اس واسطے کہ فی الحال اس کے ظاہر کرنے کا کچھ فائدہ نہیں اس کے اظہار سے خاموش رہتا ہے پس منزلِ مقصود کی طرف پہنچنے کے لئے سفر کی تدبیر کریگا اور رفیقانِ راہ کے حال اور منزلوں کے نام کی تفتیش کر کے سیدھا رستہ مقرر کر کے اسبابِ سفر کو جمع کریگا، اور سامان جمع ہو جانے کے بعد اپنے خویش و اقرباء سے رخصت ہو کر وطن اور ملک کو چھوڑ کر ان کی محبت اپنے دل میں قطع کر کے اور ان سب کو پسِ پشت ڈال کر رستے کو قطع کرنا شروع کریگا، رستے کے اثناء میں دائیں بائیں شہر اور باغ اور نہریں اور وہ عجیب چیزیں جو کبھی نہ دیکھی تھیں ظاہر ہونگی، سیر و تماشا یا شہر کے باشندوں کا حال دریافت کرنے یا سفر کا تجربہ حاصل کرنے یا ان ہی جیسی کسی اور غرض کے واسطے سیدھے رستے سے پھر کر مسافت

www.abulhasanalinadwi.org

کے بڑھ جانے کو اپنے دل میں گوارا کرلیا۔ اور یہ بھی دور نہیں کہ اب سیر وتماشا میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اپنے مقصود کو بھلا ہی دیگا یا یادداشت کے باوجود بھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے اور اپنی تمام عمر اسی سیر وتماشے میں برباد کردے۔ اور اتنا تو معلوم ہے کہ بڑی تکلیف اور بڑی مدت کے گزرنے کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچے گا، اور اگر سیدھے رستے سے نہ پھرا اور منزل بہ منزل راہِ راست کو طے کرتا گیا تو البتہ دارالخلافہ کی علامتیں روز بروز ظاہر ہوکر قرب اور مقصود کے حاصل ہونے کی خوشخبری اس کے کانوں میں پہنچائیں گے، اور جس قدر نزدیک ہوتا گیا فیل خانے اور شتر خانے اور اصطبل اور انہی جیسے وہ نشان جو دارالخلافہ سے مختص ہیں ظاہر ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ دارالخلافہ میں پہنچ کر کسی وجہ سے اپنے مقصود کا وصول کرکے مطمئن ہوگیا اور سفر کی تکلیفوں سے آرام کی طرف متوجہ ہوا، اس کے بعد خاص دیوان میں پہنچ کر اس کو بادشاہی اقبال اور بزرگی کی شان وشوکت کے موافق دیکھ کر سلطنت کی حقیقت کا بیان کنندہ معلوم کیا اور من وجہٍ بادشاہ کے حضور سے کامیاب ہوگیا پھر بادشاہ کے حضور پہنچ کر اپنے ظاہری پہلے مقصود کو پہنچ کر اصلی دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کے طریق کی تجسس اور تلاش کرے گا پس پہلا مطلوب سلوکِ اول کی منتہیٰ ہے، اور دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کا طریق دوسرا سلوک ہے، اور ابتداء سے انتہاء تک سلوکِ اول کے ساتھ اس مثال کی تطبیق ظاہر ہے، اس واسطے کہ مرشد اور اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقوں میں سے ایک طریق کا تجسس کرنا اور کسی رہبر کے پاس پہنچ کر ایک طریقہ معین کرنا رفیقانِ راہ کے حال کے اور رستوں کے تلاش کرنے اور ان میں سے ایک کے مقرر کرنے کے قائم مقام ہے۔ اور اذکار جہری ہوں یا سری زبان سے ہوں یا لطائف سے یا سلطان الذکر ہو اسباب سفر کے جمع کرنے کے جا بجا ہے اور اپنے خویش

و اقارب اور وطن اور ملک کا چھوڑنا شغلِ نفی کے جا بجا ہے، اور دائیں بائیں پھر جانا توحیدِ صفاتی کے کشف میں مستغرق ہونے کے قائم مقام ہے۔ اور اکثر اوقات توحیدِ صفاتی کے واقعات میں اس طرح مستغرق ہوجاتا ہے کہ ذات بحث تک پہنچنے سے غافل ہوجاتا ہے، اور بہت دفعہ ایسا اتفاق پڑجاتا ہے کہ وصول کی یادآوری کے باوجود بھی ان ہی واقعات میں پھنستا رہتا ہے اور ان سے نکلتا نہیں اور اگر نکلا بھی تو دشواری اور دیر سے پہنچنا تو ضروری امر ہے، اور جو شخص اپنی ہمت کو توحیدِ صفاتی سے ہٹائے رکھتا ہے اور اِدھر اُدھر پھرنے کے سوا منزلِ مقصود کے سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے (وہ جلدی پہنچتا ہے) اور دار الخلافہ کی علامتیں اور نشانیاں ذاتِ محض کے نورانی حجابوں کی مانند ہیں۔ اور وہ حجاب ہزاروں ہیں جن میں سے آخری حجاب نسبتِ بے رنگی دیوانِ خاص کی مانند ہے۔ چونکہ اللہ جلّ شانہٗ کی ذات پاک بیچون اور بےچگون ہے اور حجاب کو اس پاک ذات کے ساتھ زیادہ اختصاص ہے اس واسطے وہ نہایت لطیف اور بےکیف ہے لہٰذا اس کا نام بے رنگی مقرر کیا گیا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ نورانی حجاب سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہر ایک کے لئے ایک معین حد ہے کہ اس حد تک اسی حجاب کے متعلق ہے، بادشاہی مکانات کے دروازوں کے پردوں سے اس کی مثال معلوم کرسکتے ہیں۔ مثلاً جو پردہ دیوانِ خاص کے رستے میں آئیگا دونوں طرفوں سے اس پردے کا علاقہ ایک معین حد ہوگا اور اس پردے کے خادم اور حاجب اسی حد کی نگہبانی کے ذمہ دار ہوں گے اور آنے والے کو اجازت یا ممانعت کے ساتھ اسی حد سے مطلع کردیں گے، اور آنیوالے کو دوسری حد تک اپنی اجازت کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوانِ خاص کے اندرونی مؤکل اس آنے والے کو اجنبی نہ سمجھیں اور اندر جانے میں

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے مزاحم نہ ہوں اور دیہات کے جنگل کی اِدھر اُدھر کی حدیں بھی اس کی مثال ہو سکتی ہیں۔ پس اس طرح نسبتِ بے رنگی کو دراز سمجھنا چاہیئے اور لکھی ہوئی مثال میں اس کی ابتداء دار الخلافہ سے سمجھنی چاہیئے، اس واسطے کہ بادشاہ کے ساتھ دار الخلافہ کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے۔ پس ذاتِ محض کا مشاہدہ اور وصول نسبتِ بے رنگی کی انتہاء ہے، سلوکِ اول پر ابتداء سے انتہاء تک کی مثال تطبیق یہ ہے۔ لیکن سلوکِ ثانی کی مثال پس وہی شخص جب بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد بادشاہی ملازموں میں شامل ہونے تک کوشش کرنی چاہیئے تو اس کو لازم ہے کہ ہرکارہ سے لیکر وزیر اعظم تک کے بادشاہی دربار کے سب حاضر باشوں کو اپنے آپ سے راضی کر لے تاکہ بادشاہ کے حضور میں حاجت کے وقت ان کی زبان سے خیر کا کلمہ صادر ہو اور ہر ایک اپنے مرتبے کے موافق کوشش اور سفارش کرے اور بادشاہ کی مرضیات میں بہت سر گرم اور چالاک رہے، دربار اور سیر اور شکار کی آمد و رفت اور حضارِ دربار کی ملاقات سے سستی نہ کرے ایسا نہ ہو اس دربار میں سستی کے داغ سے داغدار ہو کر نظرِ اعتبار سے گر کر حضورِ بادشاہ کے لائق نہ رہے اور یہ بات اس مقام سے اس کے نکالنے کا باعث بنے۔ اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیئے کہ راضی کرنا مرتبے کے موافق متفاوت ہوتا ہے۔ جب تک وہ اپنے وطن میں تھا تب تک تو اس کا راضی کرنا صرف یہ کچھ تھا کہ چوری اور ڈکیتی اور بغاوت اور انہی جیسے اور کاموں سے پرہیز کرے۔ اور مال گذار ہو تو ہمیشہ حیلہ اور تکرار کے سوا وہ مال ادا کر دیا کرے اور جب اس مقام (حضور) تک پہنچے تب اس کا راضی کرنا یہی ہے کہ شاہانہ حقوق اور آداب اور تعظیمات کی رعایت جس طرح کہ چاہیئے بجا لائے اور نذر اور تحفوں اور ہدیوں اور انہی جیسے اور کاموں میں اس مقام کے رہنے والوں کی رضا مندی کیلئے بے حساب مالوں کے خرچ کرنے کو خس و خاشاک کے برابر گنے اور ان کی رضا مندی کو جان

وماں سے بہتر جانے اور حاضر باشی کے بھی کئی مرتبے ہیں۔ مثلاً دارالخلافہ کے رہنے والے بن وجہ حاضر ہیں اور قلعہ کے حاضر باش ان سے زیادہ اور دیوانِ خاص کے ملازم ان سے اوپر اور جو لوگ کہ در و دیوار کے پیچھے خدمت کے واسطے مستعد کھڑے ہیں ان سے زیادہ اور جو لوگ رو برو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کے چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے اعلیٰ ہے۔ پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبے کو اختیار کر کے اس قدر ہمیشگی کرے کہ بادشاہ کے دل میں اس کی طرف کچھ اُلفت پیدا ہو اور بادشاہ کے دل میں اس کی قدر اور وقعت جاگیر ہو جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نہایت میرا محب اور مطیع ہے اور اس ذریعہ سے اس کو وہاں کا رہنا میسّر ہو گا اس لئے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی طرف لگائے رکھے اور سب اہلِ دربار کو اس کی طرف بادشاہ کی توجہ کا حال معلوم ہوگا تو خود اہلِ دربار اس سے راضی رہیں گے اور اس جگہ اس کے رہنے کو جائز سمجھیں گے، پھر اس جگہ کی اقامت سے اطمینان ہو جانے کے بعد اس کو لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح کہ لائق ہے غور اور تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا کریں ان کو سُن کر ہر خبرِ خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیّر کو غور سے معلوم کر کے اوضاع تغیّرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیّر کے بعد بادشاہ کے حضور سے جو حکم انعام یا سزا یا صلح و جنگ یا بندوبست کے بارہ میں صادر ہو اس کو بھی دریافت کر کے خوشخبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی کی خبر سے لیکر وزیرِ اعظم کی خبر تک اور بد خبریوں سے ایک چوپائے کی موت کی خبر سے لیکر وزیرِ اعظم کی خبر تک وعلیٰ ھذا القیاس کیسہ بُر کے گرفتار ہونے سے لیکر ملک اور لشکر والے زور آور دشمن کے گرفتار ہونے تک اور دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لوٹنے

www.abulhasanalinadwi.org

جانے سے لیکر خاص قلعہ پر دشمن کی چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ رکھے۔ بالجملہ ان سب کے احاطے کا قصد کرے، اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی سزا مترتب ہوتی ہے اس واسطے ان چیزوں میں بادشاہ کے چہرے کے تغیّر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا۔ پس یہ گمان نہ کرے کہ ہر خبر اور واقعہ میں کوئی علیحدہ تغیر ہوگا بلکہ اگر دو بار تغیر اور چہرہ یکساں پائے تو جان لے کہ دونوں خبریں برابر ہیں ان کی جزا اور سزا میں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر رہے تا کہ اس کی ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادّہ اس میں پیدا ہو جائے اور واقعات اور حادثات میں بادشاہ کی مراد پر مطلع ہو جائے اور یہ واقعیت اس حد تک چاہیئے کہ بادشاہ کے کلام کے اصلی لغوی معنی کے برخلاف اس کی مراد کو اس کے چہرے سے دریافت کرلے مثلاً کبھی بادشاہ فرماتا ہے کہ اس چور کی اچھی طرح خدمت کرنی چاہیئے تو اس کی غرض یہ ہے کہ اس کو پوری پوری سزا دینی چاہیئے۔ اور جب مرضی شناسی کا ملکہ حاصل کرنے کے بعد بادشاہ کے کسی کام کو سرانجام دیگا پہلے سے چند گنا زیادہ بادشاہ کی مہربانیاں اس کے حق میں جوش زن ہو جائیں گی اور اہلِ دربار کی کوشش اور سفارش مددگار ہو جائینگی خواہ مخواہ بادشاہ اس کو کسی عہدے اور منصب سے عزت بخشیگا اور اپنے جس مطلوب کے لئے اس نے اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی تھیں انشاء اللہ تعالیٰ اب اس پر کامیاب ہو جائیگا اور بعد ازیں اسی خدمت پر رہیگا یہاں تک کہ ترقیاں کرتے کرتے اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائیگا۔

سلوکِ دوم کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ سالک کو لازم ہے کہ مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچنے اور سلوکِ اول کے تمام ہونے کے بعد سلوکِ ثانی کی طرف توجہ کرے مامورات اور منہیات کے ہر باب میں عزائم شریعت کا اختیار کرنا اس سلوک کے لوازمات سے ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ شریعت کی متابعت ایمان کا لازمہ ہے سالک کے

www.abulhasanalinadwi.org

ذمے لازم ہے کہ ہمیشہ شریعت کا تابع رہے اور شریعت کی اتباع کے ساتھ سلوکِ اول کو ختم کرے اور سلوکِ ثانی میں عزائم شرعیہ کو جس طرح کہ چاہیئے مضبوط پکڑے اور یہ عزیمت کبھی دل سے ہوتی ہے کبھی اعضاء سے۔ مثلاً کلام اللہ شریف کا اتنا ادب کہ اس کو بے وضو ہاتھ نہ لگائیے شریعت کا لازم ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور سلوکِ ثانی کے سالک کے واسطے لازم ہے کہ اس سے زیادہ ادب کرے۔ مثلاً قرآن شریف کو پکڑنے کے وقت کسی اور کام کی طرف توجہ نہ ہو اور مؤدبانہ طور پر بیٹھے اور کلامِ الٰہی کی عظمت کو حاضر کر کے اس سے قرآن شریف کی عظمت کی طرف انتقال کر کے اپنی کمینگی اور گندگی کا خیال کر کے اس بڑی نعمت کی قدر جانے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسی بزرگ اور پاک چیز مجھ ایسے عاجز اور گندے کمینے کے ہاتھ آئی ہے ورنہ مجھ میں تو اس نعمت کی لیاقت نہ تھی اور ایسے خیال سے اس کا سینہ خوشی کے مارے مالامال ہوجائیگا۔ اور قرآن شریف کی نہایت بزرگی اس کے آنکھوں میں سامنے آکھڑی ہوگی، اور ایسی باتیں اگر خود بخود اس کے ذہن میں آئیں تو بہت بہتر اور اصل مدعا ہے ورنہ ان باتوں کو تکلف سے اپنے ذہن میں لائے وعلیٰ ہٰذا القیاس ہر سورہ کی عظمت کو سمجھے اور اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں ان کے شفیع ہونے کو یاد کرے، اور نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائرِ اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی اسی طرح کرے۔ اور مطلقاً شرع شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کی شرائط کے موافق تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کی رضا میں مال کا خرچ کرنا ایسی عزیمت ہے کہ سلوکِ ثانی کے سالک کو لازم ہے۔ اور تہجد وغیرہ کی مانند تمام نوافل کا اہتمام اسی باب سے ہے اور منہیات کے پرہیز کو بھی دوسرے رنگ سے اپنے ذمے لازم جانے تاکہ اربابِ عزیمت میں سے ہوجائے۔ مثلاً اگر زنا کا وسوسہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے دل میں گذرے تو اس سے اس طرح متنفر ہو کہ گویا کھانے کے واسطے نجاست اس کے سامنے رکھی گئی ہے۔ اور تمام منہیات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ نیز اس سلوک کے سالک کو چاہیئے کہ انبیاء اور اولیاء بلکہ تمام مؤمنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے کہ وہ سب اس کے واسطے کوشش اور سفارش کریں اور انبیاء اور اولیاء کی سعی اور سفارش تو نہایت ظاہر ہے، لیکن ہر مومن کی سعی دعاءِ خیر ہے، پس دعاءِ خیر کی امید پر جو وہاں کام آنے والی ہے ہر مسلمان کی خاطر داری کرے۔ اور شرعِ شریف کی عزیمتوں کی اتباع میں سب حقوق اور تعظیمیں ادا ہو جاتی ہیں جیسے قریب ہی گذر چکا ہے۔ اور قرآن اور سورتوں اور کعبہ اور نماز اور روزہ وغیرہا سب کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہے۔ پس ان سب کو اپنے آپ سے راضی کرے اور اس مقام کی رضاء کا مرتبہ پہلے بیان سے واضح ہو گیا ہے۔ اور اس سلوک کا اصل اور مدار وجہُ اللہ کا مراقبہ ہے اور وجہ اللہ کا لغوی معنی اللہ تعالیٰ کی توجّہ ہے یعنی بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا اور اس کو اس کے آثار سے دریافت کرنا کرنا چاہیئے۔ اور اس کے آثار اس آیۂ کریمہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے بموجب ہر جگہ موجود ہیں۔ مثلاً اگر بندہ اپنی آنکھ اور بینائی کے حال میں غور کرے تو یقیناً جان لیگا کہ یہ بڑی نعمت محض اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مجھے حاصل ہوئی ہے یعنی اللہ عزّ و جل اس کے حال پر متوجّہ ہوا ہے اور اس کی طرف منہ کیا ہے اسی لئے یہ نعمت اس کو حاصل ہوئی ہے ورنہ یہ عاجز بندہ کسی طرح بھی اس کا مستحق نہ تھا اور نہ ہی اس کی خواہش تھی اور نہ اسکا تقاضا اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اور نہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں اس بڑی نعمت کے بخشنے کے واسطے کوئی اس کا سفارشی بنا ہے اور نہ اس محض عاجز نے کسی چیز کا وسیلہ پکڑا ہے پس یہ نعمتِ عظمیٰ محض اس کے فضل اور رحمت کے باعث ہی حاصل ہوئی ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس ہزاروں

www.abulhasanalinadwi.org

نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا یہی حال ہے۔ بلکہ دراصل جو چیز کہ جہان میں موجود ہے اگر اچھی طرح اس میں غور کیا جائے تو وہ سب اس بندے کے حق میں جلیل القدر نعمتیں ہیں، پس آسمان اور فرشتوں سے لیکر خس و خاشاک تک ہر چیز اس کے واسطے نعمت ہے اور اس کو اس کے ساتھ خصوصیت ہے۔ باوجود آنکہ اس کی استعداد اور کوشش اور خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں، پس خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں خوض کرے اور علی الدوام اپنے پیش نظر نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا سبب اور بے وجہ اس مرتبہ پر کہ اس کا بیان کرنا دشوار ہے میرے حال پر متوجہ ہے اور تمام لوگ اسی رحمت سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور ایسا کوئی نہیں کہ اس میں بہت سی نعمتیں موجود نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو کثافت طبع کی وجہ سے ایسی نعمتوں کو اپنے آپ میں لحاظ نہ کرسکے تو اسے چاہئے کہ اپنے غیر میں دیکھے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں، پس پیدائش بلکہ علوق کے وقت سے آپکی آخر عمر تک آپ کے حالات کو یاد کرے کہ اس قسم کی بڑی بڑی ان گنت نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے کنار دریا سے بلا درخواست اور بلا استحقاق اور بلا استدعا کسی کی کوشش اور سفارش کے سوا ہی آنجناب پر کس طرح فائض ہوتی رہیں صرف آپکے پیدا ہونے سے ہی کتنی برکتیں اور عنایتیں آنجناب کے وجود کے ساتھ جوڑی گئیں کہ وہ برکتیں ایک بڑی جماعت کے شامل حال ہوا کرتیں اور آپ سے محبت اور اعتقاد کا بنتیں اور یہ نعمتیں جو چھٹپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فائض ہوا کرتیں دوسری نعمتوں کے ساتھ قیاس کرنے سے ایک سہل امر ہے ان کی اس قدر وقعت نہیں با آنکہ فی نفسہا یہ نعمتیں بھی جلیل القدر ہیں۔ حاصل کلام اس قسم کی بڑی بڑی نعمتوں کا تصور کرے کہ بلا سبب اور بے وجہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ ذاتیہ سے ہی ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح کے انعامات بلا استحقاق و بلا استدعا و دعا پہنچتے رہتے ہیں پس وجہ اللہ کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے

www.abulhasanalinadwi.org

شانوں میں سے وہ بھی ایک شان ہے جو بلا سبب اور بے وجہ اور پہلے استحقاق اور استدعا اور تقاضے اور دعا اور شفاعت اور وسیلے کے سوا ہی بڑے بڑے انعاموں کے بخشنے کا تقاضا کرتا ہے اسی شان کا ملاحظہ وجہُ اللہ کا مراقبہ ہے پردۂ عدم سے میدانِ ہستی کی طرف لانا ان سب انعامات کا اصل ہے، اور وجہ اللہ کا یہ معنی تمام موجودات کو شامل ہے لیکن بعض کے بعض پر فائق اور متفاوت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت وجہ اللہ کے معنی کے انعامات کی وجہیں علیحدہ ہوتی ہیں اور یہ گمان نہ کریں کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فعل میں عبث لازم آئیگا اور عبث نادانی ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کی ذات اس سے منزّہ اور پاک ہے اس واسطے کہ افعالِ الٰہیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں اور چیز ہیں اور جس شخص پر انعام ہوتا ہے اس کا استحقاق اور استدعا اور چیز ہے اگرچہ فی الواقع حکمتیں اور مصلحتیں منظور رہیں، پس اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں ایسی چیزیں جن کو اس شخص کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں مثلاً داناؤں اور عقلمندوں کے پیدا کرنے میں اس سچے حکیم کو کوئی مصلحت اور حکمت ہے اور اگر اس آدمی کے سوا کسی اور کو دانائی اور علم عطا فرما دیتا بلکہ یہ کمال حیوانات میں رکھ دیتا تو کوئی آدمی اور کوئی امر اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ نہ کر سکتا پس یہ محض اس کی رحمتیں اور عنایتیں ہیں کہ ہر کسی کو بہت سے انعامات سے عزّت بخشی ہے اور بہت سی نعمتوں کے ساتھ ہر ایک کی تخصیص فرمائی ہے اور جو شان کہ اس بے غرض رحمتِ کاملہ کا منبع ہے وجہُ اللہ کے نام زد سے نام زد کیا گیا ہے، اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جو غرض سے خالص ہو کر پہنچ رہی ہیں وجہُ اللہ کے آثار میں سے ہیں، اور انہی آثار سے وجہ اللہ پہچانا جاتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں وجہ العبد ہے یعنی بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر مؤمن بندہ خواہ پست ہمّت ہو یا عالی ہمت کسی چیز کے حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے اوامر بجا لاتا ہے، پست ہمت تو آگ کے ڈر اور بہشت کے طمع کے واسطے عبادت کرتا ہے اور عالی ہمت اللہ تعالیٰ ہاں عزت اور وجاہت کے حاصل ہونے اور برگزیدہ اور منتخب لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے اور اعتبار

www.abulhasanalinadwi.org

دانے خاص ملازموں کے رشتہ میں پروئے جانے کے واسطے عبادت کرتا ہے اگرچہ آگ سے نجات اور جنت کے درجوں پر کامیابی مذکورہ عزت کے حاصل ہونے پر یقیناً مترتب ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس کے آثار اور توابع سے ہے لیکن عالی ہمت لوگ ان امور کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے بلکہ ان کے مدعا کا منتہیٰ تو صرف اسی (خاصوں کی) لڑی میں پرودیا جاتا ہے۔ پس ضرور ہے ان دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ پیار اور محبت پیدا ہوجاتی ہے اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے بعض بندوں کے حق میں آرزو اور طمع اور خوف کے تمام مراتب محو ہوجاتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ کی محبت اس کے دل میں ایسی مضبوط ہوجاتی ہے کہ اوامر کو بجالاتا ہے اور مراتبِ قرب میں سے کسی مرتبہ اور جنت کے ثوابوں میں سے کسی ثواب کے حاصل ہونے کا خیال اس کے دل میں نہیں گذرتا اگرچہ اس پر عزت اور اعتبار کا حصول اسی طرح قطعی اور یقینی ہے، جس طرح کہ عزت اور اعتبار کے حاصل ہونے پر ثواب کا حاصل ہونا لیکن اوامر کے ادا کرنے میں عزت اور اعتبار اور ثواب کے حاصل ہونے کی آرزو بالکل نکل جاتی ہے اور ایسے ہی منہیات سے پرہیز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالےٰ کے منع کو ملحوظ رکھتا ہے اور اگرچہ ملأ اعلیٰ میں ذلت سے محفوظ رہنا اور مراتب اہلِ عزت و اعتبار سے نہ گرنا اور عذابِ نار سے بچنا اس پر مترتب ہوتا ہے لیکن اس بندہ کو اس کا ہرگز خیال نہیں ہوتا محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا اس کو مقصود ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر کی بجاآوری میں اس کی رضا ہے تو اس رضا کو اپنے حق میں قرب اور عزت اور ثوابِ جنت کے درجات میں ہزاروں ترقیوں سے بہتر جانتا ہے اور جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نارضامندی تصوّر کرتا ہے تو اس نارضامندی کو ہزاروں ذلتوں سے بدتر جانتا ہے یعنی اہلِ عزت اور اعتبار کے مرتبوں سے گرجانا اور ذلیلوں کے زمرے میں داخل ہوجانے بلکہ دوزخ کے ہزاروں عذابوں سے بدتر گمان کرتا ہے۔ پس جس طرح بلاغرض بندہ کی طرف رحمتِ الٰہیہ کا متوجہ ہونا وجہ اللہ ہے اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے

www.abulhasanalinadwi.org

واسطے عزت اور وجاہت اور اعتبار کے مرتبوں میں سے کسی مرتبے کی آرزو کے بدون اور جنت کے ثواب کے حاصل ہونے اور عذابِ دوزخ سے نجات مل جانے کی امید کے بغیر ہی بندہ کا اللہ عزّ و جلّ کی طرف متوجہ ہونا وجہ العبد ہے۔ اور بیشک ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ، وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۔ اِن تینوں آیتوں میں وجہ اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور آخر کی تین آیتوں میں وجہُ العبد کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب وجہُ اللہ کو اپنے آثار اور مقابل کے ساتھ پہچان لیا تو اس کے مراقبہ کا یہ طریق ہے کہ اپنی نظر کو اسی شان کی طرف متوجہ کرے جو سوائے کسی غرض کے رحمت کا منشاء ہے اور ہمیشہ اپنی نظر کو اس کی طرف لگا کر زبانِ حال اور قال سے التجا کرتا رہے کہ جب اس قدر بڑی بڑی نعمتیں مجھ کو یا میرے غیر کو بے استحقاق اور بلا استدعا تو نے مرحمت فرمائی ہیں پس فلاں نعمت اگرچہ وہ نہایت شاندار اور بزرگ ہے اور میں نہایت نالائق اور عاجز ہوں عطا فرما کیونکہ تیرا عام انعام کسی امر پر موقوف نہیں۔ اور یہ مراقبہ کبھی بلا جہت بھی ہوتا ہے اور کبھی مراقب کی باطنی توجہ کے موافق یا فوق و تحت کی جہت سے مقید ہو کر متصور ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے باعث اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خاص عنایت کی بھی ایک خاص صورت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے لیکن جب اللہ جل شانہ، کی خاص عنایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کرنے میں مصروف ہوئی تھی اس کی خاص صورت بھی ظاہر ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کے قول خَلَقْتُ بِیَدَیَّ میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کے ساتھ اسی طرح کا اختصاص ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بھی اسی طرح کا اختصاص ہے، اور انہی خاص عنایات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگ لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کو اس جگہ میں رہنے سے منع نہیں کرتے

www.abulhasanalinadwi.org

اور عزت اور وقار کے ساتھ اس کو جگہ دیتے ہیں پس اس مراقبہ میں شرع شریف کی عزیمتوں اور بارگاہِ الٰہی کے برگزیدوں کو راضی کرنے کا التزام اختیار کرے اور یہ اہلِ دربار کے راضی کرنے اور بادشاہ کے چہرے کے دیکھنے کے قائم مقام ہے لیکن بادشاہ کو اس جہالت کی وجہ سے جو بشریت کا لازمہ ہے کسی کے حال اور انجام کی خبر نہیں ہوتی اسی واسطے بدمعاشی اور خیانت اور خباثت کے باعث حاضر باشی اور بادشاہ کی طبیعت کی خوشنودی کے باوجود بھی حاضر باشی کی اجازت کے سوا اس شخص کو کوئی عہدہ نہیں ملتا یہاں تک کہ بہت سارا زمانہ گذرنے کے بعد اس کی جبلّی خوبی کا تجربہ ہوجائے اور اس سے امن حاصل ہو، عالم الغیب کے برخلاف کہ اس کا علم ہر لائق اور نالائق کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے اور آدمی کے باطن کی حقیقت اس جگہ ظاہر ہے، جونہی وجہ اللہ کا مراقبہ بندے سے اچھی طرح سرانجام پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول ہوگیا پس ایک مقدس نور جو ازل میں ہر ایک مؤمن بندے کے حصے میں مقدر ہوچکا ہے اس کو مرحمت ہوجائیگا وہ نور عشق کا بیج ہے اور عقل اس کا درخت اور ایمان اس کا پھل ہے۔ آیۃ کریمہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اسی نور کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ پس اس مراقبِ وجہ اللہ کو وہ نور دور سے چمکتے ستارے کی مانند نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ نزدیک آتا جاتا ہے حتیٰ کہ ماتھے میں سجدہ گاہ پر پہنچ کر سارے بدن میں سرایت کرجاتا ہے اور آنکھوں کے نور کی مانند جو کہ رنگوں اور روشنیوں کو جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا دریافت کرنا اس نور کا خاصہ ہے جس طرح کہ شجاعت جنگ کے فیصلے اور سخاوت لوگوں کی نفع رسانی کے واسطے پیدا کی گئی ہے یہ نور اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور رضاءِ الٰہی معلوم کرنیکا یہ طریق ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کریگا یا کسی امر کی طرف متوجہ ہوگا تو اس تجلی میں جو اس کے کمال کے مقابل ہے، ایک ظاہر تغیر پیدا ہوگا اور تغیر بھی اس قسم کا ہوگا کہ اس سے خوشنودی اور ناراضگی سمجھ سکتے ہیں، بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی معاملہ ان کے دل سے تجاوز نہیں کرتا

www.abulhasanalinadwi.org

کہ ان کو اسی راہ سے رضا یا نارضا پر مطلع کیا جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ کسی معین کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر رضا اس سے متعلق ہے تو ان کے دل میں خوشی اور انشراح اور اس کام کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کام سے نارضامندی کو تعلق ہے تو اس کام کے کرنے سے نفرت اور تنگی اور دل گیری ان کو لاحق ہو جاتی ہے اور جو لوگ کہ ان کا حال ان کے دل سے تجاوز کر گیا ہے اور مقاماتِ عالیہ پر پہنچ گئے ہیں پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا کو اپنے کمال کے مقابل تجلی میں تغیرات کے واقع ہونے سے دریافت کر لیتے ہیں۔ اور یہ تغیّر جو تجلّیات میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے منزّہ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو عام آثار کہ اس بیچون و بیچگون پاک ذات سے صادر ہوتے ہیں ان آثار میں کچھ تغیّر ہوتا چنانکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ اس کا وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف ہے کہ ازل سے ابد تک کبھی اس میں تغیر نہیں، لیکن امورِ خاصہ کے بہ نسبت اس میں تغیر ہوتا ہے اور اس تغیر اور عدم کی مثال آفتاب ہے، آفتاب ایک ہی وضع سے ایک ہی جگہ پر ہے اور اس کے عام آثار اشیاء کی استعداد کی بہ نسبت نہایت مختلف ہیں اور یہ اختلاف آفتاب کی ذات یا وضع اور مکان کے اختلاف کا باعث نہیں ہوتا اور قیامت کے دن اس سے خاص اثر مطلوب ہوگا۔ اسی واسطے اس کی وضع اور مکان بدل جائیگا اور اہلِ محشر کے سر کے قریب آپہنچیگا اور ایسا ہی آثارِ خاصّہ کے ظاہر ہونے کے لئے تغیّر اور تبدّل ہوتا ہے اور یہ تغیّر اس کی پاک ذات میں نہیں۔ تعالیٰ شانہٗ عن ذالك۔ بلکہ اس کے ظہور اور تجلّی کے واسطے ایک خاص صورت ہوتی ہے اس صورت میں تغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تغیر اس کی پاک ذات میں نہیں اور اس کی مثال انسان ہے اس واسطے کہ جس چیز کو لفظِ من (ضمیر واحد متکلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عنصری جسم نہیں۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد جسم موجود ہوتا ہے اور جو احکام کہ انسان پر

www.abulhasanalinadwi.org

مترتب ہوتے تھے سب بدل جاتے ہیں۔پس وہ حقیقتِ انسانی جس کی طرف لفظ مَن سے اشارہ کیا جاتا ہے اس عنصری جسم کے واسطے سے چھپ گئی ہے اور اس نے اس کے ساتھ ایسا اتحاد اور یگانگت پیدا کرلی ہے کہ معاملہ تو جسم سے ہوتا ہے اور اس حقیقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس دیر تک بیٹھا رہا اور اس کو ایسا ویسا کیا اور جونہی کہ انسان مرگیا جسم کے اپنے حال پر باقی رہنے کے باوجود احکام مذکورہ میں سے کوئی حکم اس جسم پر نہیں کرسکتے، اس وقت کوئی نہ کہیگا کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھا رہا، اس بیچون اور بیچگون کی پاک ذات بھی اسی طرح ایک صورت اور لباس میں چھپ کر ظاہر ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ حقیقت انسانی ایک ہی جسم میں مقید ہوتی پس دوسرے جسم کے واسطہ سے اپنے احکام کو ظاہر نہیں کرسکتی اور حق سبحانہ، کسی صورت میں مقید نہیں اپنے اطلاق پر باقی ہے جس صورت میں چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور اسی صورت میں تغیر ہوتا ہے اور اس جگہ سے واضح ہوگیا کہ بندہ کو اپنے خالق کے ساتھ خاص الخاص معاملات پیش آتے ہیں لیکن اس ذات سے بہت دور ہوتے ہیں۔پس ہر امر میں اس باکمال آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا معلوم ہوتی ہے، اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ شرعی احکام متفاوت اور متبدل ہوجائیں گے اس لئے کہ احکامِ شرعیہ اسی طور پر ہیں کہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہوئے ہیں۔اور یہ رضا اور نارضا مباح امور میں پیش آئے گی، مثلاً اس بندہ کو معلوم ہوجائیگا کہ اس وقت فلاں جگہ جانا اللہ عزوجلّ کی رضا مندی کا موجب ہے اور فلاں جگہ میں جانا اگرچہ مباح شرعی ہو اس کی نارضا مندی کا باعث بنیگا، وعلیٰ ہٰذا القیاس ہر امر میں اس کو عجیب قسم کی بصیرت حاصل ہوگی اور یہ دریافت کوشش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے جا بجا ہے۔اور جب سالک کو یہ کمال حاصل ہوجاتا ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہوتا ہے اور مِن وجہٍ کلیم اللہ ہوتا ہے اگرچہ حقیقی کلام درمیان میں نہ آئیگا اس لئے کہ اشارات اور اوضاع سے مقصود اور مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہی ہے اور کبھی کلامِ حقیقی بھی

www.abulhasanalinadwi.org

ہو جایا کرتا ہے اور کلام کے اصل مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کرلیتا ہے اور جب یہ کامل بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس رضا کے بموجب کسی کام کو سرانجام دیگا اور اس کی کارگذاری ظہور پذیر ہوگی اللہ تعالیٰ کی عنایت کثرت کے ساتھ اس کے حال پر جوشش زن ہوگی اور اس بارگاہ کے بزرگوار تو خود بخود اس کے سفارشی ہیں اور کارآمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت کے مخالف ہے ضرور اس کو کسی خدمت کے ساتھ عزت بخشیں گے اور وہ خدمت اس کے حال کے موافق ہوگی پھر اس کو اسی خدمت پر توقف اور استمرار رہیگا یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کرکے اس مرتبے پر پہنچیگا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہوگا اور اہلِ ولایت ان امور کے پہنچانے پر مامور نہ ہوں جو ان پر منکشف ہوتے ہیں تو ان کو اس مقام میں نبوّت کا پَرتَو حاصل ہوجاتا ہے۔ اور اگر ان کے پہنچا پر مامور ہوجائیں تو پَرتَوِ رسالت پر ترقی کرجاتے ہیں اور اگر اس کے باوجود مقابلے اور مخاصمے کا بھی حکم ہوجائے تو اولوالعزمی کے مرتبہ پر مقرر ہوجاتے ہیں اور بعض اس مقام میں خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں اور بعض خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے، خلیفۃ اللہ وہ ہے جسکو تمام مہمّوں کے فیصلے کے واسطے نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہ ہو پس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے ہاتھوں سے سرانجام پاتا ہے دوسرے ہاتھ سے بھی کرا لیتے ہیں۔ ہاں وہ شخص بلاشک صاحبِ خدمت ہوتا ہے۔ ظاہر میں اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لے لیتا ہے پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کے کام کو سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہوا اور یہ مقام راہِ ولایت کا نہایت ہے اس کے بعد راہِ ولایت کے لئے کوئی کمال نہیں۔ واللہ اعلم۔

چوتھا باب: سلوکِ راہِ نبوّت کے طریق کے بیان میں۔

اور یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے۔

پہلا افادہ ۔ طالبِ راہِ نبوّت پر بعدِ تہذیبِ اخلاق وملکاتِ قلبیہ اور

ادائے عبادات شرعیہ کے جس طریق پر کہ دوسرے باب میں معلوم ہو چکا، پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے، مقام توبہ میں قدم جمانا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اوّل اس طریق کے طالب کو چاہئے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ قبیل اعتقادیات سے ہوں خواہ افعال و اقوال خواہ قبیل خلاق و ملکات سے، خواہ عبادات میں افراط و تفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب و سنت سے تنقیح و تفتیش کرے اگر خود کتاب و سنت کا عالم ہے تب تو بات بنی بنائی ہے ورنہ علماء و محدثین سے استفسار کرے بعد ازاں حضرت حق کے انعام اور جوادِ مطلق کی تربیت جو اس ذرۂ بے مقدار کے بارہ میں ارزاں اور مبذول ہیں اس کو بار بار ملاحظہ، چست اور تصوراتِ درست کے ساتھ اپنے ذہن میں خوب مستحکم کرے اور اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف نہایت محتاجی کو اپنی بصر بصیرت کے سامنے بار بار پیش کرے بعد ازاں تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی کی ناخوشی اور ناراضی میرے جیسے عاجز بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک محض حاجت ہی حاجت ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے، اور اس معنی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی کے ناراضگی کا ایک امرِ عظیم اور خطرناک ہونا اس کے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اس کی ناخوشی کے واقع ہونے کا تصور کرے تو اس کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں پھر اپنے تہِ دل سے اس طرح اذعان اور اعتقاد کرے کہ سب منہیاتِ شرعیہ اسی امر کے موجب ہوتے ہیں جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اس امر کو اپنے ذہن میں ایسا مستحکم کرے کہ ان منہیات کی قباحت اس کے عقل اور دل کو گھیر لے اور اس کے باطن میں ان منہیات کی نسبت ایک خوفِ عظیم اور بڑی بھاری دہشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ اپنے آپ سے ان منہیات کے صادر ہونے کو تہِ دل سے ایسا سمجھے جیسا جان اور مال اور آبرو کی ہلاکت اور بربادی کی جگہ میں واقع ہو جانا، بعد ازاں قرآن مجید اور فرقانِ حمید کی عظمت کا تصور کرے اور صمیمِ قلب سے ملاحظہ کرے کہ یہ

www.abulhasanalinadwi.org

ایک صفت ہے صفاتِ ازلیہ ربانیہ سے جس کو عالمِ امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہ تھی (مگر) حضرتِ حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت (بے غایت) سے زبانِ عربی کے لباس میں اس اپنی وصفِ ازلی اور کمالِ ذاتی کو نازل فرماکر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے بمنزلہ اس بات کے کہ ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لیکر اسکا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اس کی دوسری جانب ایک ایسے فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دیدے جو التفاتِ بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلاکر اسی ذریعہ سے مجھے اپنی حاجت جتلا دینا کہ فوراً ہم تیری طرف متوجہ ہوکر تیرے حالِ زار پر اپنی عنایت کو مصروف کرینگے۔ پس اگر اس فقیر کے حال میں اچھی طرح تامل کیا جائے اور کسی قدر قانونِ ادب سے دوری اختیار کی جائے اور واشگاف بات کہی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ظاہر میں اس فقیر کے ہاتھ میں دستار کا ایک کنارہ ہے لیکن حقیقت میں اس کے ہاتھ میں خود بادشاہ اور اس کی سلطنت آ گئی ہے۔ غرض کہ اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں اس حد تک مستحکم ہوجائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اس کی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہوجائے اور اس کا سینہ اس کلام پاک کی عظمت سے پاش پاش ہوجائے۔ پھر اگر یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ وہ کلام پاک مصحف کے واسطے سے میرے قابو میں ہے جس وقت اس کی طرف توجہ کروں بے تکلف زبان پر لاسکتا ہوں اور جس وقت چاہوں جانچ پڑتال کئے بغیر اس کو ہاتھ لگا سکتا ہوں اور اپنے سینہ پر رکھ سکتا ہوں۔ البتہ اسکو اس ملاحظہ کے سبب سے اپنے حال پر نہایت تعجب اور بڑی حیرت آتی ہے، جیسے ایک بڑا قیمتی یاقوت ایک بے حیثیت مفلس کے ہاتھ لگ جاتا ہے پس اگر اس کو دیکھتا ہے تو اس یاقوت کی درخشانی کی وجہ سے اس کی نظر خیرہ ہوتی ہے اور اگر اپنی مفلسی اور کم مائیگی کا خیال کرکے اس امر کا تصور کرتا ہے کہ میں اس کا مالک ہوگیا ہوں تو حیرانی اور تعجب کے جنگل میں سرگرداں ہوجاتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے۔ اور جب اس کلام پاک کی عظمت جیسی چاہیے اس کے ذہن میں قرار پذیر ہوگئی اور اسی کلامِ پاک کے سبب سے اس صمدِ بے نیاز کی بارگاہِ عالی جناب میں اپنا ارتباط اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب چاہیے کہ توبہ کا عزمِ مصمّم کرے۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ ایامِ متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کرکے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لیکر ایک خالی مکان میں داخل ہوجائے اور بارگاہِ رب العالمین میں بے نیاز بے انداز اور الحاحِ بے قیاس بجالاکے کہے کہ اے بارِ خدایا میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے "توبہ" جو راہِ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما اور اس عطا میں اپنی عنایاتِ بے غایات کو ملاحظہ فرمانا میری بے لیاقتی اور بے استعدادی سے کہ استعداد اور لیاقت بھی تیرے ہاتھ میں ہے۔

شعر

تو چوں ساقی شوی دردِ تنک ظرفی نمی ماند | بقدرِ بحر باشد وسعت آغوشِ ساحلہا

بعد ازاں نمازِ تسبیح گناہوں کے کفارہ ہونے اور حصولِ حقیقتِ توبہ کی نیّت سے کمالِ خضوع اور توجہ دل سے گذارے اور نماز کے اکثر ارکان میں اپنے دل کو طلبِ تکفیرِ سیئات اور حصولِ حقیقتِ توبہ کی طرف متوجہ رکھے۔ بعد ازاں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے وہی انعامات اور اس کے ناخوشی کی نہایت قباحت اور منہیاتِ شرعیہ سے کمالِ تنفّر ملاحظہ کرے پس اگر حالتِ مرقومۃ الصدر اس کے باطن میں ظاہر ہوجائے اور اس کے ظاہر و باطن کو لے لے اور اس کا تمام خیال اور دل اور وہم اسی حالت میں مستغرق ہوجائے تو بہتر ورنہ اس امر کو دوسرے دن پر حوالہ کرکے واپس آجائے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے تاکہ وہی حالت ظاہر ہوجائے بعد ازاں اسی حالت کے اثناء میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے رب العزّت کے درمیان اس کے محکم رابطہ ہونے کو ملاحظہ کرے اور جس وقت اس کلام پاک کی عظمت اور رب تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کے واسطہ ہونے کی عظمت اس کے سینے کو مالامال کردے اور اس کلام پاک کی ملابست کی خوشی اور ابتہاج اس کے دماغ کو لبریز کردے پس اسوقت ایک نظر جو کمالِ تعظیمِ دلی کے ساتھ ملی ہوئی ہو قرآنِ مجید پر ڈالے اور کہے الٰہی میں نے

اس کلام پاک کو تیرے حضور شفیع بنایا اور اسے اپنا وسیلہ گردانا اور اس تیرے حبلِ مبین کیساتھ اپنے آپ کو محکم باندھا۔ بعد ازاں عزائمِ شرعیہ کی پیروی کرنے اور منہیاتِ شرعیہ سے" یعنی جو اس قسم کے طالب کے حق میں منہیات سے ہیں کیونکہ ایسے شخص کے حق میں بلا ضرورت رخصتِ شرعیہ پر عمل کرنا بھی منجملہ منہیات ہے"، پرہیز کرنے کو مجملاً ملاحظہ کر کے عقدِ توبہ کرے، اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کام کے واقع کرنے یا کسی چیز سے اجتناب کرنے کو اپنے ذمہ لازم کرلیتا ہے اور اس التزام کی پختگی کے لئے اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ تر محبوب ہے۔ مثلاً اگر مومن پاک ہے تو حق تبارک و تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ محبوب اپنا فرزند یا مال یا آبرو یا جان ہے تو اسی چیز کی قسم یاد کرتا ہے (جو اس کے نزدیک احب الاشیاء ہے) اور اگر عاشق ہے تو اپنے معشوق کی قسم کھاتا ہے تو البتہ ضرور ایسی مغلظ قسم کھانے کے بعد اس کام کے کرنے یا اس چیز سے اجتناب کرنیکا پختہ ارادہ فولادی میخ کی طرح اس کے تہِ دل سے اٹھتا ہے اور اس کے کلام سے مختلط ہوتا ہے ۔ اس کو عقدِ یمین کہتے ہیں اسی طرح کی قوی ہمت اپنے تہِ دل سے اٹھا کر اور قرآن مجید سے توسّل کے اپنی زبان سے کہے کہ بارِ خدایا میں نے تیری عنایات پر توکل کر کے اتباعِ شریعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور جانبِ شریعت کو اپنے اور اپنے نفس اور مال اور جان اور آبرو اور فرزند و عیال اور استاد اور پیر اور آقا اور تمام مخلوقات کی جانب پر میں نے ترجیح دی ہے۔ اے بارِ خدایا میں عاجزِ محض ہوں اور تیری عنایت پر بھروسہ کر کے اس امرِ عظیم کا التزام اپنے ذمہ کرلیا ہے پس محض اپنے کرم سے اس عقد کو پورا کرائیو۔ بعد ازاں ہمیشہ اس شخص کو لازم ہے کہ عقدِ توبہ کی مراعات کرتا رہے اور اس امر کی طرف ہمیشہ التفات رکھے کہ میں نے ملک الاملاک کے حضور میں جو قادر علی الاطلاق اور عالم السّرّ والخفیات ہے اور شدید العقاب اور سریعُ انتقام ہے اس عقد کو منعقد کیا ہے ایسا نہ ہو کہ ایک سرِ مو اس سے تجاوز کر جاؤں اور نقضِ عہد کا داغ ہمیشہ کے لئے میری پیشانی پر باقی رہ جائے مانند اس شخص کے جس نے ایک

www.abulhasanalinadwi.org

بادشاہِ عالی جاہ صاحبِ قدرت وانتقام کے محکمہ میں مچلکہ لکھدیا ہو کہ فلاں چیز کروں گا اور فلاں چیز نہ کروں گا تو البتہ اس شخص کو ہر حرکت وسکون اور ہر قول وفعل میں اس مچلکہ کا لحاظ رہیگا یعنی جب کسی فعل یا قول یا کسی حرکت یا سکون کا قصد اس کے دل میں گذریگا تو پہلے پہل اس کو عقل کی ترازو میں تولیگا کہ یہ امر اس نوشتہ کے موافق ہے یا مخالف اس تأمل کے بعد اس فعل کو وقوع میں لائیگا اور نیز اس طالب کو لازم ہے کہ ایک مناسبتِ قوی اور خصوصیتِ زائد بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبتِ طالب کے اپنے شیخ سے۔ مثلاً جو شخص کہ طریقۂ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اس کو حضرتِ غوث الاعظم کی جناب میں ایک اعتقادِ عظیم حاصل ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندانِ عالی شان میں واقع ہو جاتی ہے تو اعتقادِ سابق کی نسبت ایک مناسبتِ زائدہ اسے حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو آنجناب کے غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور اس عالیجناب کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں اپنے آپ کو داخل کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان پر ایمان کی طرح واجب ہے لیکن اس طالب کو اس کلام پاک سے ایک اور ہی مناسبت ہو جاتی ہے بعد ازاں اسی توبہ کو کسی عزیز کے ہاتھ پر جو اتباعِ کتاب وسنّت اور اجتناب بدعت میں اس زمانہ میں اپنے امثال واقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو تو اپنا شیخِ حقیقی جانے اور اس عزیز کو شیخِ ظاہری۔ پس ضرور ہے کہ اتباعِ قرآن کو اصل جانیگا اور اس عزیز کے اتباع کو اس کی فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب اصل وفرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اس وقت فرع درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ ہے تصویر مقام توبہ کی اس وجہ پر جو اس طریق سے مناسب ہے۔ اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائدِ عظیمہ اور منافعِ جلیلہ ہیں۔ اور عمدہ منافع سے توبہ میں استقامت حاصل ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تجربۂ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب کوئی طالب کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو عنایتِ خداوندی اس بزرگ کی وجاہت کے سبب سے اس طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی

www.abulhasanalinadwi.org

ہے اور گناہ کے ارتکاب کے مواقع اور منہیات کی ملابست کے مکان سے طرح طرح کے لطائفِ غیبیہ اور حیل قدسیہ سے اس کو باز رکھتی ہے۔ اور یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود وجاہت عند اللہ کے کامل النفس قوی التاثیر اور صاحب کشفِ صحیح ہوتا ہے پس حق جل وعلا اسی بزرگ کو اس طالب کے مظان منہیات کے واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہے اور گناہوں سے اس کے بچانے کا حکم فرماتا ہے پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور قبائح کے حائل ہو جاتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حق جل وعلا اس سبب سے کہ اس بزرگ پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجوہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کے لئے پردۂ غیب سے ظاہر ہوا ہے۔ جیسے منقول ہے: حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اس عاشقۂ تباہ حال نے حصولِ وصال میں طمع کیا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دانتوں میں انگلی لئے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درہم برہم ہوجانیکا سبب بن گئی۔ حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے (بحکم خداوندی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑ تاڑ دیا۔

جب یہ دونوں وجہیں ذہن نشین ہو گئیں پس جاننا چاہئے کہ یہ دونوں وجہیں قرآن مجید میں اس طرح متحقق اور ثابت ہیں کہ کسی ممکن میں متصور نہیں کیونکہ حقیقتِ قرآنی ایک امر ہے امورِ قدسیہ سے کہ حقائقِ امکانیہ میں سے کسی کے ساتھ اس کو مشابہت نہیں اس لئے کہ وہ ممکن اور واجب کے درمیان ایک برزخ ہے اور اس کی وجاہت اللہ تعالیٰ

www.abulhasanalinadwi.org

کے نزدیک اس حد تک ہے کہ کسی کو اس کا ادراک بھی ممکن نہیں اس وجاہت کے حاصل ہونیکا تو کیا ذکر ہے کیونکہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور کمالات ذاتیہ حضرت حق سبحانہ کی ہے اور جو علاقہ صفات اور ذات کے درمیان ہے اس کا تصور ممکن پس ضرور ہے کہ حضرت حق کی عنایت اس طالب کی حفاظت کی طرف بہ اکمل وجوہ متوجہ ہوگی خواہ پہلے طریق سے خواہ دوسرے طریق سے یعنی اس طالب کی حفاظت یا تو اس طریق سے ہوگی کہ اسی حقیقتِ قرآنیہ کی طرف سے جو کہ نورِ مقدس ہے اس طالب اور امورِ منکرہ کے درمیان بوجہٍ من الوجوہ خواب میں یا بیداری میں حیلولت واقع ہو جائیگی یا اس طریق سے کہ حق جل وعلا بذاتِ خود یہ واسطہ ملائکہ یا ارواح مقدسہ کے بہ سبب برکتِ توسّل قرآن کے اس طالب کی حفاظت کریگا

دوسرا افادہ۔ جبکہ طالبِ راہ نبوّت نے مقام توبہ میں رسوخ حاصل کرلیا تو اسے لازم ہے کہ ذکرِ ایمانی اور مراقبۂ صمدیت میں قدمِ ہمت راسخ کرے اور ذکر ایمانی کا طریق یہ ہے کہ اول قرآن مجید اور اذکارِ منقولہ اور ادعیۂ ماثورہ کے معانیِ لغویہ کی تحقیق کرے۔ اگر خود فنون عربیت کا عالم ہے تو بہتر ورنہ اس امر کو اس فن کے محققین سے جو صاحبانِ اعتبار اور اُولوالایدی والابصار ہوں انکو دریافت کرے اور معانیِ لغویہ کے حاصل کرنے میں عرب اول کی لغت کے سوا اور کسی کی طرف التفات نہ کرے اور فنون ادب کے متعمقین کی موشگافیوں پر "جنہوں نے فضیلت نمائی کیلئے اپنے آپکو محققینِ عربیت سے قرار دیا ہے اور اکثر اہلِ اسلام پر مقصود کا راستہ گم کردیا ہے" فریفتہ نہ ہو کہ وہ بدعتِ محض اور لہو و لعب میں عمر کا ضائع کرنا ہے۔

بیت

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی — کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

بعد ازاں خلاصہ ان معانی کا اور تفصیل ان مضامین کی جس طرح پہلے باب میں مذکور ہوئی ہے ملاحظہ کرے اور اس کو تہِ دل میں مستحکم کرے اور اس ملاحظہ کیساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار اور ادعیۂ ماثورہ کا زبان سے مابین الجہر والاخفاء[1] اکثر اوقات میں پڑھنا شروع کرے لیکن جہر مفرط اور اخفائے

---

[1] یعنی نہ بہت پکار کر پڑھے اور نہ بہت آہستہ بلکہ بین بین۔

www.abulhasanalinadwi.org

مفرط پس وہ بعض بعض اوقات میں مفید ہوتا ہے اور اس کی عادت کرلینا چنداں مفید نہیں۔ اور جہر مفرط کی حد مثل اذان اور تلبیہ سے سمجھنی چاہئے۔ اور اخفائے مفرط کی حد کان[1] سے تصور کرنی چاہئے اور وسط کی حد کو اس کلام پر قیاس کرنا چاہئے جو لوگوں کی آپس میں اہلِ ادب کی محفلوں اور اربابِ تمیز کی مجلسوں میں واقع ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود صرف کثرت ذکر کی یا مجاہدہ نفس کا یا صرف ضبطِ اوقات نہیں بلکہ مقصود اس سے اسی حالت کا پیدا کرنا ہے لیکن بدونِ تحقیق اس حالت کے اس ذکر کو منجملہ ریاضایاتِ نفسانیہ کے شمار کرنا چاہیے۔ الغرض ذکرِ ایمانی میں اتنی کثرت نہ کرنی چاہئے کہ ذاکر کی طبیعت اُکتا کر ملول اور بند ہو جائے بلکہ تدریجاً نفس کو اس کا عادی کرنا چاہئے۔ لیکن مراقبۂ صمدیت پس جاننا چاہئے کہ اس مراقبہ کی اصل مبادی جس طرح کہ پہلے اور تیسرے باب میں مذکور ہوئے ہیں وہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات اور اس قادر مطلق کے عجائباتِ قدرت کا ملاحظہ ہے لیکن خوشی اور فرحت کا ہیجان اور اپنے قصور اور احتیاج کا ظہور اور حضرتِ حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان جو مراقبۂ صمدیت کا اصل ٹھکانا ہے وہ ابتدائے احوال میں نعم مشترکہ اور تاثیراتِ عادیہ کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً مینھ برسانا اور کھیتوں کا اُگانا اگرچہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے لیکن چونکہ اس نعمت میں تمام افرادِ انسانی شرکت رکھتے ہیں لہٰذا اس امر کے ملاحظہ سے ایک عامی شخص کو حالتِ مرقومۃ الصدر نہیں پیدا ہوتی اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور اجرامِ نیّرہ فلکیہ کا موجود کرنا اگرچہ قدرتِ ظاہرہ کے اعظم آیات اور حکمتِ باہرہ کے آثار اور عظمتِ قاہرہ کے علامات سے ہے لیکن چونکہ یہ امور مذکورہ اکثر اوقات انسان کے سامنے رہتے ہیں اس وجہ سے ان امور کے ملاحظہ سے اس کے ذہن کو کمالاتِ حضرتِ حق کی طرف انتقال واقع نہیں ہوتا اسی لئے طالب پر لازم ہے کہ ان خاص نعمتوں کا ملاحظہ کرے جو اس کے اپنے نفس یا اس کے امثال کے شامل حال ہیں اور ان عجائبات قدرت کا ملاحظہ کرے جو برخلاف عادت ظہور میں آئے ہیں اور جو قصص ایسے مضامین پر شامل ہوں انکو مکرّر سہ کرّر

---

[1] یعنی جو کان سے نہ سنائی دے وہ اخفائے مفرط میں داخل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

گوشِ ہوش سے سُنے اور ان کو بار بار اپنی بصیرت کے منھ کے سامنے حاضر کرے اور دم بدم اپنے آپکو اس عظیم الاستحقاق کی عظمت کے سمندر میں غرق اور منعم علی الاطلاق کے انعامات کے بادیہ میں متحیر کرے تاکہ مراقبۂ صمدیت کا سررشتہ ہاتھ میں آئے۔ اور جب مراقبۂ صمدیت اس طریق پر کہ بابِ اول اور بابِ ثالث میں مذکور ہوا ہے اس کے ذہن نشین ہو جائے تو اسے ذکرِ ایمانی سے مخلوط اور ممزوج کرے اگر ممکن ہو تو ذکر ایمانی کے اثنا میں مراقبۂ صمدیت کرے ورنہ بعض اوقات ذکر اور بعض اوقات فکر میں صرف کرے۔ اور ابتدائے حال میں فکر کو ذکر سے اہم جانے اور ذکرِ ایمانی اور مراقبۂ صمدیت میں سے ہر ایک کیلئے بعض امور تائید کرتے ہیں ان مؤیدات کے سبب سے ذکر و فکر کو رونق ہوتی ہے اور اس کے آثار قوت اور جلدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بزرگ ترین مؤیدات سے خدمتِ خلق ہے خصوصاً یتیموں اور مسکینوں اور مفلسوں کی خدمت اور اہلِ حوائج کی حاجات کا پورا کرنا اور مریضوں اور بیماروں کی خبر گیری کرنا غرض ان لوگوں کے حق میں سعی کرنا جو اپنی حاجتوں کے حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوں اور حصولِ مطالب کے دروازے ان کے منھ پر بند ہو گئے ہوں (اعلیٰ درجہ کا مؤید ہے) آخر کلام یہ ہے کہ جب ذکر اور فکر پر مداومت اور مواضبط کریگا تو سعادتِ دارین یعنی حبّ ایمانی کے خزانوں کی کنجی اس کے سپرد ہو جائیگی اور اسی حب کا پیدا ہونا ذکر اور فکر کے کامل کرنے کی علامت ہے یعنی اس حب کے پیدا ہونے کے سبب سے معلوم ہو جائیگا کہ ذکر اور فکر اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔

تیسرا افادہ:۔ جب حبِ ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اس وقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر جس کا نام فنائے ارادت ہے "پہنچ جائیگا"۔ چنانچہ باب اول میں اس کا ذکر ہو چکا ہے، اور اسی کمال کا حاصل ہو جانا حبِّ ایمانی کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔ واضح ہو کہ نفس کا ارادہ سے خالی ہو جانا راہِ نبوّت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے راہِ ولایت میں کہ یہ دونوں شغل ان دونوں طریقوں کے اصل الاصول ہیں بیان اس کا اس طرح ہے کہ سلوکِ راہِ نبوّت کا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کا کمال درجہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے اور علاقۂ عبودیت نہایت مستحکم اور مضبوط ہو جائے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو

www.abulhasanalinadwi.org

پتھر اور لکڑی کی طرح اپنے مولیٰ کے ہاتھ میں تصوّر کرنا اور اپنے نفس کی لوح کو ارادوں اور عزیمتوں کے نقش سے پاک صاف کر دینا پرلے سرے کا انعقاد اور استحکام علاقۂ عبودیت کا قوی تر مرتبہ ہے ہاں بعض اوقات بعض فرمانبردار بندے اپنے عقل اور تدبیر کی مخالفت کے سبب اپنے مولیٰ کے دربار میں وجاہت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس وجاہت کا حاصل کرنا اسی صورت میں متصوّر ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ سے بڑھ کر عقلمند ہو پس مولیٰ کسی چیز کا امر فرماتا ہے اور یہ خیر خواہ بندہ اپنی ہوشیاری کے سبب جانتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں مولیٰ کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہو جائیگا پس اگر یہ غلام اس وقت بھی تعمیلِ فرمائش پر اکتفاء کرے اور اپنی عقل اور سمجھ کو دخل نہ دے تو بیشک ملامت اور عتاب سے وہ بالکل بری اور معذور رہے۔ اور اگر اپنے عقل اور فہم کے مطابق کسی قدر مداخلت کرے اور اس مداخلت کے سبب سے کوئی معاملہ معاملاتِ مولیٰ سے خراب ہو پس اگرچہ شرعاً عتاب اور ملامت کا محل ہوگا لیکن اصلاحِ معاملاتِ مولیٰ میں کوشش کرنے کے سبب جو خیر خواہی کی علامت ہے اپنے مولیٰ کے حضور میں ایک قسم کی وجاہت حاصل کریگا اور جب یہ معاملہ عبودیت کا جاہل اور نادان غلام مولائے حکیم علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات کے درمیان ہو پس اس جگہ سوائے فرمانبرداری اور تعمیلِ حکم کے کسی اور راستہ میں چلنا اپنے آپکو ہلاکت اور گنہگاری کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے اور وہ ارادہ سے خالی ہونے کے اقسام کا بیان ہے پس جاننا چاہئے کہ ارادہ سے خالی ہونا تین قسم پر ہے: اول وہ سالکینِ راہِ ولایت کی مقصود ہوتی ہے وہ عبادت ہے خواہش اور ارادہ کے بطلان سے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ انسان کو مقامِ فناء میں رسوخ حاصل ہونے کے سبب سے ہر شئی کی خواہش اور رغبت باطل ہو جاتی ہے اور توحیدِ افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم اور ارادہ کی بیخ کاٹی جاتی ہے اور اپنے آپکو تقدیر کے ہاتھ میں بس اس طرح سمجھتے ہیں جیسے لکڑی یا پتھر اور جمادِ بے جان کی طرح اپنے آپ سے گئے گذرے ہوتے ہیں اور گویا اپنے آپکو فراموش کر دیتے ہیں۔ دوسری قسم اور وہ راہِ نبوّت کے ابتدائی سالکوں کے نصیب ہوتی ہے اور وہ اپنے ارادہ کو حق جل وعلا کے ارادہ کا تابع کر دینا ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ لوگ خواہش اور رغبت اور ارادہ اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور انکی عزم و ارادت بالکل باطل

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں ہوتی امورِ مرغوبہ کی طرف رغبت اور مکروہ چیزوں کے پیش آنے سے نفرت ان کے دل سے جوش مارتی ہے لیکن اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کیلئے اس خواہش اور رغبت اور کراہت اور نفرت کو بدون اجازتِ مولیٰ کے جاری نہیں کرتے اور اپنے ارادہ کو موافقِ اقتضائے طبیعت ہرگز استعمال نہیں کرتے اور یہ سب کچھ اپنے مولیٰ کی رضا چاہنے کیلئے اپنے اوپر پسند کرتے ہیں تیسری قسم اور وہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو راہ نبوت کے عالی منصبوں پر پہنچے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف سے امر کے صادر ہونے کے انتظار میں اپنے ارادہ کو معطل اور بیکار رکھنا ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ چونکہ اس راہ کے بلند منصب والوں پر رحمت ربانی اور حکمتِ حقانی منکشف ہو جاتی ہے یعنی اپنے تہِ دل سے اس امر کو جان لیتے ہیں کہ جو کچھ انسب و اولیٰ ہے حکمتِ الٰہی اس کا تقاضا کرتی ہے اور کسی اولیٰ اور انسب کو حکمتِ خداوندی فرو گذاشت نہیں کرتی اور ہم جیسے فرمانبردار بندوں کو رحمت الٰہی ہرگز مہمل اور معطل نہ چھوڑے گی بلکہ ہم بندوں کے حق میں جو کچھ اولیٰ اور انسب ہے اسی کام میں ہم کو لگا دیگی اور اسی کام کا ہمیں حکم دیگی اس لئے اپنے عقلوں اور ارادوں کو کارخانجاتِ الٰہیہ میں دخل دینا محض لغو اور بے فائدہ کام ہے پس جو شخص اس مولائے حکیم و رحیم و علیم کے بندوں کے زمرہ میں منسلک ہو اس کا کام یہی ہے کہ اپنے عقل و ارادہ کو اس کے کارخانہ میں مطلق دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر کو اپنے مولیٰ کے چہرہ کے برابر سی کر اسکے حکم کا منتظر ہو اور اپنے مولیٰ کی خدمتوں میں سے کسی خدمتِ معیّنہ کو اپنی رائے سے اپنے اوپر لازم نہ کرلے اور وہ خاص خدمت اپنا شعار نہ بنالے بلکہ خدمتِ حاضر باشی اور دوام ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے مولیٰ کی اوضاع و اطوار سے اس کی مرضی کو پہچان کر ہمیشہ اس کی نظر کے روبرو اپنے آپکو حاضر رکھے اور ہر وقت اس کے حکم کے صادر ہونیکا منتظر رہے تاکہ جو حکم اس کے مولیٰ کی طرف سے صادر ہو اسی کام میں اپنے آپکو کمالِ چستی اور چالاکی سے لگائے۔ **چوتھا افادہ** ۔ جب فناءِ ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کی علامت یہ ہے کہ طالب محدثین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہو جائے اس وقت مراقبۂ عظمت شروع کرے۔ بیان اس کا اس طرح سے ہے کہ جس طرح سالکانِ راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اس کے کہ یادداشت کا ملکہ ان کے نفس کی صلب میں راسخ ہو جاتا ہے اس وقت اس کو بعض صفات کے ساتھ مزوج کرتے ہیں جیسے ذاتِ منبع البرکات کا تمام

www.abulhasanalinadwi.org

کائنات پر احاطہ کرنا یا مظاہرِ متعدّدہ میں ظاہر ہونا یا کثرتِ کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیّتِ وجودیہ اسی طرح اس طالب یعنی طالبِ راہ نبوت کو چاہیئے کہ بعد حصول ملکۂ یادداشت کے صفتِ سلطنت اور حکومت کو ضم کرے، اور مضمون آیت لَهٗ[1] مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ وَلَهٗ[2] مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ[3] وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ کو ملاحظہ کرے اور معیت اور قربِ علمی کو اپنے پیشِ نظر رکھے اور اس کی سلطنت اور حکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور خشکی اور سمندر اور آبادی اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اس سے یا اس کے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اس کے تہِ دل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اسکو حق تبارک و تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اپنے آپکو خلوات[4] اور جلوات بلکہ تمام حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اس کا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہے کہ اس کے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اس کو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوّت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی، اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبیت اور محبوبیت کا بھی اور یہ سالک صرف قربِ وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین اور آفرین کرتا ہے اور آخرت میں ثوابِ جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اس پر عطا فرماتا ہے اور اس کو اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہگار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اس پر لعنت اور نفرین بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں دوری اور خواری اس کے نصیب ہوتی ہے اور اس کو کافرِ نعمتوں کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو سہل سی طاعتوں کے سبب جو کمالِ اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا

---

[1] یعنی اس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ [2] اور اسی کا ہے جو لبتا ہے رات میں اور دن میں۔ [3] اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو۔

[4] خلوات جمع خلوت بمعنی تنہائی۔ جلوات جمع جلوت بمعنی ظہور۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہے اور بڑی بڑی بندگیا چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثتِ نفس اور مخالفتِ حق سے ملے ہوئے
ہیں حبط اور برباد کر دیتا ہے۔ غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اس کی شان ہے یہ مت سمجھنا کہ مقصود
اس کلام سے یہ ہے کہ طالبِ راہِ نبوّت کو لازم ہے کہ اس مضمون کو تفصیل وار اپنے ذہن میں تصوّر کرے
حاشا و کلا تصوراتِ عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال
میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جائے جو ایسے شخص کا ملازم ہو جس کے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور
اسی طرح حضرتِ حق سبحانہٗ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود
نہیں کہ اس کو اپنے ذہن میں تصور کر کے فقط اذعانِ عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب
ریگستان کے ذرّات میں سے ہر ذرّہ میں اور بحرِ زخّار کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے
والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موجزن ہے اسی طرح فیضِ رحمان کی تدبیرِ
واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہان کے ذرّات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر ہو اور تمام علویات
اور سفلیات میں بلحاظِ مجموعی و فرادی نمایاں ہو جاوے مثلاً زمین کے جس قطعہ پر اور آسمان کے
جس حصہ کے نیچے کھڑا ہو اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جس کا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص نے
دریائے زخّار کے محاذات میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہو پس اگر وہ دریا کو دیکھتا
ہے تو اس کو اس قابل نہیں دیکھتا کہ اس کا بوجھ اٹھا سکے اور اگر ہوا کو دیکھتا ہے تو اس کو بھی ایسا
ہی جانتا ہے اور اگر آسمان کو دیکھتا ہے تو وہاں تک اپنا پہنچنا محال سمجھتا ہے پس اپنے ثابت
رہنے کا سبب اس شخص کے سوا کوئی دوسری چیز اس کے ذہن میں نہیں آتی۔ پس اپنے پختہ یقین سے
جانتا ہے کہ جب تک اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے کسی چیز کی مضرت مجھے نہیں پہنچ سکتی
خواہ بحرِ زخّار کی موجیں ہوں یا ہوا کے جھونکے یا آندھیاں اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دیگا
تو تمام جہاں میرے لئے ہلاکت گاہ ہے کیونکہ دریا کی جس موج پر گروں گا وہیں ڈوب جاؤں گا
اور اس امر میں (یعنی میرے غرق کرنے میں) امواجِ دریا میں سے کسی موج کی خصوصیت نہیں
اور یہ ملاحظہ اس کے ذہن میں اس قدر مستحکم ہو کر بیٹھ جائے کہ اگر شیر درندہ یا مست ہاتھی اس

www.abulhasanalinadwi.org

پر حملہ کرے یا اس کا دشمن ننگی تلوار اس کے گلے پر رکھدے اس حالت کے اثناء میں وہ طالب یقیناً جانتا ہے کہ جب تک حضرتِ حق سبحانہٗ نے قدرت کا ہاتھ میری محافظت سے نہیں اٹھایا تب تک ان امور سے کچھ ضرر مجھے نہیں پہنچیگا اگرچہ ظاہر حال قطعی الوصول ہوں۔ اور جس وقت اس حافظِ مطلق نے محافظت کا ہاتھ میرے سر پرسے اٹھالیا اس وقت ہر چیونٹی پائمال اور ہر مگس بیکس میرے ہلاک کرنے میں کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ سے کامیاب ہوئے ہیں جیسے انبیاءِ کرام اور ان کے وارثانِ عظام بڑے بڑے زبردست بادشاہوں کے ساتھ باوجود قلتِ انصار و اعوان کے بے پرواہ مقابلے کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اس طالب پر بسبب قُرب اسباب ہلاکت کے خوف اور انکے بُعد کے سبب سے اطمینان ہرگز نہیں طاری ہوتا کیونکہ یہ امر تو لوازم بشریت سے خالی ہونے کے حکم میں ہے اور لوازم بشریت سے خالی ہونا اور دنیا میں خصوصًا راہِ نبوّت کے طالبوں کے حق میں جس کا خلاصہ تکمیل فطرتِ انسانی ہے ممکن نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسبابِ مُہلکہ کے قرب و بُعد کے سبب سے خوف اور اطمینان جو تہِ دل سے صادر ہوا اور عقل و ہوش کو پراگندہ کرے اس طالب پر طاری نہیں ہوتا بلا خوف اور اطمینانِ طبعی کے۔ اور اس امرِ غامض کی توضیح یعنی خوفِ قلبی اور طبعی کے درمیان امتیاز کرنا ایک مثیل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف متوجہ کرے اور کہے کہ میں یہ لکڑی تیری آنکھ میں ہرگز نہ مارونگا میرا مقصود صرف تیرا امتحان لینا ہے پس جب تک وہ لکڑی اس کی آنکھ سے دور ہے کچھ تغیر اس لڑکے کے حال میں راہ نہیں پاتا اور جب وہ لکڑی آنکھ سے قریب ہو جاتی ہے ایک قسم کا تغیر اس کے شاملِ حال ہوتا ہے اسی لئے بے اختیار اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں حالانکہ اس کے دلی یقین میں اس لکڑی کے نزدیک اور دور ہونے میں کچھ فرق نہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس لکڑی کا ضرر مجھے ہرگز نہیں پہنچے گا خواہ قریب ہو خواہ بعید اسی لئے اس کے دل میں پریشانی اور بیقراری راستہ نہیں پاتی اور اندھا ہونے کا خوف اس کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ پس اسی طرح یہ طالبِ صادق تمام کائنات کو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے

www.abulhasanalinadwi.org

ہاتھ میں لکڑی اور پتھر کی طرح جانتا ہے اور تمام موجودات کو اس کی عظمت کا مقہور سمجھتا ہے اگرچہ خوف و اطمینانِ طبعی امورِ ضارّہ اور نافعہ کے قرب و بُعد کے سبب اس پر طاری ہو جاتا ہے، کیا تو نے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں نہیں سنا کہ آنجناب نے باوجود اپنی کلاں سالی اور اپنی بی بی کے بانجھ ہونے کے جناب واہب العطیات جل جلالہٗ سے سعادتمند بیٹے کی درخواست اور التماس و طلب میں آپکو باوجود موانع کے بیٹے کے پیدا ہونے سے کچھ کسی قسم کا استبعاد عارض نہ ہوا۔ ورنہ ایسی دعا جو تہ دل سے صادر ہوتی ہے آپ سے متصور نہ ہوتی اور جب غیب سے فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت ملی اس وقت حصولِ ولد کے استبعاد کا کلمہ آپکی زبانِ ہدایت نشان سے صادر ہوا کہ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا۔ یعنی اے میرے رب میرے کیونکر بیٹا ہو گا حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے نہایت کلاں سالی کو پہنچ گیا۔

پانچواں افادہ ۔ جب مراقبۂ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے "اور اس کے کمال کی علامت یہ ہے کہ توکل کی روح جو کہ باب اول میں مذکور ہوئی ہے اس کے ساتھ لگ جائے اور بعض اربابِ کمال اس مقام میں زمرۂ اہلِ خدمات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں" اس وقت مراقبۂ اُلوہیت شروع کرے اسکی تصویر یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کے شیون بے شمار ہیں منجملہ ان کے شانِ حلم کی ہے کہ باوجود مخالفین کے سخت مخالفت کرنے کے ان کے مؤاخذہ اور بادافش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ ان کے شانِ عفو ہے کہ ہر چند گنہگار لوگ فاحش ترین اور قبائح ترین معاصی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اس کی دہلیز پر آ رگڑتے ہیں اور اخلاصِ دل سے توبہ کرتے ہیں تو البتہ وہ رحیم مطلق ان کے گناہوں سے درگذر کر کے اس تائب کو اپنی کنفِ رحمت میں کمالِ عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس ناشائستہ گناہ کو نسیاً منسیاً کر دیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے۔ اور منجملہ ان کے شانِ فیضِ عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اُگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محب اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اسمیں شرکت رکھتے ہیں اور اس کے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیۃ

www.abulhasanalinadwi.org

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اس عموم رحمت کے بیان سے ایک حرف ہے۔ اور منجملہ شیونِ الٰہی کے شان وسعت ہے کہ نفسِ کاملہ انسانیہ میں وسعتِ حوصلہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جس طرح بعض نفوسِ کاملہ بشریہ وسعتِ صدر میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ معاملات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اس کے ساتھ سزاوار ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہوجائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کردیں یا ایک کارخانے والوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح ان کے ہاتھ میں مقہور ہوکر اصل مالکِ کارخانہ کو فراموش کردیں، نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہوجائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل وخوار ہوکر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں۔ اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ ان کے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کا پیالہ پُر ہوجاتا ہے اور اس کے ذہن میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ جو خصوصیت مجھے ان کے ساتھ حاصل ہوگئی ہے کسی دوسرے کو اگرچہ خدمت اور مرتبہ میں مجھ سے اعلیٰ اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی۔ الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کرکے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہیئے بعد ازاں سمجھنا چاہئے کہ جس قدر کارخانۂ خدائی اور ان نفوسِ کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعتِ الٰہیہ اور ان بزرگوں کے وسعتِ حوصلہ میں فرق ہے اور جس کسی نے وسعتِ الٰہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگارنگ کارخانوں اور گوناگوں معاملات پر اطلاع پائیگا اسی قدر انبساطِ وسعتِ الٰہیہ اس کے ذہن میں قرار پکڑیگی۔ اور منجملہ شیونِ الٰہیہ کے دشمنوں کے دشمنی کی پرواہ نہ کرنا ہے کیوں کہ حضرتِ حق کے دشمن اور اس جوادِ مطلق کے کافرِ نعمت اس منعمِ حقیقی کی مخالفت اور اس مالکِ حقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اس کے احکام

ؔ اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

شرعیہ کے مقابلہ اور انبیاء علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی ولایت اور کرامات کی حفاظت ان سے نہیں اٹھاتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے ان پر مؤاخذہ کرتا بھی ہے تو [illegible] پر فیضان کرتا ہے خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا میں اس کا مؤاخذہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے جیسے مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے کو ادب سکھلاتا ہے کہ اگرچہ وہ بظاہر [illegible] بمقتضائے حکمت جو حرکت عاق بیٹے کی سزا پر اقدام کرتا ہے لیکن عین اسی تادیب اور سزا میں باطن کی خیر خواہی اور شفقت پدری مستور ہے اور بالکل اس کو برباد کرنا نہیں چاہتا [illegible] ہے لیکن مقصود اس مقام میں یہ ہے کہ [illegible] ہو جائے بلکہ ہر مؤاخذہ اور ہر ملامت میں اس کی خلاصی کا دروازہ بھی کھلا رکھتا ہے کہ اگر [illegible] خلاصی کا راستہ [illegible] اس مؤاخذہ سے ڈھونڈے اور [illegible] ہلاکت سے نجات کا راستہ اس پر ظاہر ہو جائے اور ان تمام [illegible] نفوس کاملہ پر پڑ جاتا ہے اور علو ہمت کے نام سے نامزد ہوتا ہے چونکہ یہ شخص [illegible] اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہوا اور وہ ان امور خسیسہ دنیاوی کی اتنی قدر و قیمت نہیں سمجھتا کہ ان امور کے [illegible] کے سبب اس کے دل میں [illegible] اسی لئے کمینوں کے کام [illegible] کے دل میں غصہ اور کینہ [illegible] پیدا نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ بزرگ [illegible] کے لائق نہیں سمجھتے غرض [illegible] عالم امکانی میں [illegible] ان کے آثار کے ظہور [illegible] نام رکھتے ہیں پس الوہیت کو ایک درخت کی مثل تصور کر لینا چاہئے اور [illegible] اس درخت کا [illegible] چاہئے اور [illegible] سمجھنا چاہئے اور عالم امکان [illegible] کے آثار کے ظہور [illegible] کے

www.abulhasanalinadwi.org

لازم ہے کہ مراقبۂ الوہیت کا شغل اختیار کرے اور مراقبۂ الوہیت سے صرف یہ مقصود نہیں کہ الوہیت کے معنی کا تصور کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کمال کو تصور کرکے اپنے نفس کے آئینہ میں اس کے انعکاس کی خواہش کرے کہ تخلقوا بأخلاق الله اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جب معاملاتِ مذکورہ میں سے کوئی معاملہ اس کو پیش آئے مثلاً کسی قوم کی ریاست اس کے سپرد ہو یا مختلف قسم کے معاملات اس پر ہجوم کریں یا کوئی مخالف اس کی مخالفت میں زور لگائے تو اس معنیٔ الوہیت کو سوچ کر بمقتضائے اسی شانِ الٰہی کے محض تشبہاً باللہ معاملہ کرے، غرض کہ اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جیسے محبوب کی وضع نشست و برخاست اور زیّ ولباس وغیرہ ہر معاملہ میں اس کے عقل وخیال کو مالا مال کرکے اس کے تمام بدن میں سرایت کر جائے مثلاً جب کسی سے کلام کرتا ہے تو وہی محبوب کا سا لہجہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو وہی محبوب کی سی رفتار اس سے صادر ہوتی ہے اسی طرح اخلاقِ الٰہیہ صاحب اس مراقبہ کی صلب نفس سے صادر ہوتی ہے اور اس کی تمام قوتوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔

فائدہ ۔ مخفی نہ رہے کہ مراقبوں کے آثار تین طریق پر ظاہر ہوتے ہیں: اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالبِ حق کرتا ہے اسی چیز کے لوازم اس کے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی شخصِ کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی آنکھ اس غذا پر لگائی ہو اور نہایت طمع کے ساتھ اسے تاک رہا ہو تو ضرور ہے کہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دیگا اسی طرح جب طالبِ حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب کے ساتھ شیونِ الٰہیہ میں سے کسی شان پر جیسے عظمت یا الوہیت یا معاملات ربانیہ میں کسی معاملہ پر اس کریم مطلق اور اس کے خاص بندوں کے درمیان گذرتے ہیں جیسے خلت اور محبوبیت لگائے رہتا ہے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے انداز پر اس کے نفس کے آئینہ میں جو نامرضیاتِ حق کے زنگ سے مصفّا ہے منعکس ہوتا مثلاً اگر مراقبۂ عظمت کیا ہو تو اسے ملأ اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض

www.abulhasanalinadwi.org

کائنات پر ایک قسم کی سلطنت اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس نے مراقبۂ الوہیت کیا ہے تو اس کو وسعتِ حوصلہ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ اور عفو اور حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے اور اگر مراقبہ خلت کا کیا ہے تو اس پر بعض معاملہ خلت کا جیسے مکالمہ اور مسامرہ ظاہر ہو جاتا ہے اور دوسرا طریق اس طالب کو مقبولیتِ عامہ کا حاصل ہو جاتا ہے اور ملأ اعلیٰ اور ملأ سافل اور ارواحِ مقدسہ اور قلوب صلحاء بنی آدم میں اس کا ہر دلعزیز ہو جانا اور یہ امر باب اول میں ثمراتِ حبِ ایمانی کے ذکر میں مفصل لکھا جا چکا ہے، تیسرا طریق " نوافل عطایا" ہے جس طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ طعاموں اور مزیدار میووں اور عمدہ پوشاکوں کی طرف آنکھ لگائی ہوئی ہو اور ان چیزوں میں سے کسی قدر کے حاصل ہونیکا امیدوار ہو پس ان چیزوں کا مالک قدرے ان چیزوں میں سے بھی اسے بخشدے اور کوئی اور چیز بھی جو اس مفلس کے مناسب حال ہو اگرچہ اشیاء مذکورہ کی جنس سے نہ ہو اسکو عطا کرے مثلاً مفلس نے طمع کی آنکھ غذا پر لگائی ہوئی تھی اور اس میں سے کسی قدر حاصل ہونیکا امیدوار تھا تو اس طعام کے مالک نے غذا میں سے بھی ایک لقمہ اس کو بخشدیا اور کچھ نقد بھی اسے دیدیا تاکہ اپنے حوائجِ ضروریہ اس نقد کی بدولت پوری کرے۔ اور بعض اوقات میں اس طرح اتفاق پڑتا ہے کہ وہ مفلس اس شئی کی لیاقت نہیں رکھتا جس پر اس نے طمع کی آنکھ لگائی ہوئی تھی مثلاً وہ بیمار ہے اور لذیذ میووں کے حاصل ہونے کی طمع رکھتا ہے پس ان میوہ جات کا مالک بحکم ضرورت اس مفلس کو کوئی ایسی چیز جو جنسِ فواکہ سے نہ ہو جیسے ٹوپی یا قبا دیکر اسکی تسلی کر دیگا اور ان بخششوں کو جن کے حاصل ہونے کی امید نہ تھی "نوافل عطایا" کہتے ہیں۔ اسی طرح طالبِ حق جب شیونِ الٰہی میں سے کسی شان، یا معاملاتِ ربانیہ میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرتے تو کبھی تو نوافل عطایا سے کامیاب ہوتا ہے باوجود حصولِ ثمرات اس مراقبہ کے یا بدونِ حصول ان ثمرات کے۔ اور یہ نوافل عطایا کسی قاعدہ اور قانون میں جسکو عقولِ بشریہ ادراک کر سکیں ضبط نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عطیۂ نافلہ کی تعیین اس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے مثلاً کوئی شخص ابتدائے آفرینش میں ذکی العقل نہایت تیز ذہن پیدا ہوا ہے اور طلبِ راہِ نبوت کے وقت میں اس نے مراقبۂ عظمت کی مشق کی پس اس کے آثار مرتب

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اعلیٰ درجہ کی ذکاوتِ ذہن اور علومِ مرضیۂ حق میں نہایت تیز فہمی اسکو نصیب ہوجائیگی۔ اور اسی طرح جو شخص طہارتِ فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اسکو عباداتِ حقہ کی توفیق اور پرہیزگاری کا ملکہ حاصل ہوجائیگا۔ اگرچہ یہ امور مذکورہ مراقبۂ عظمت کے آثار سے بالکل کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ یہی سبب ہے کہ اکثر طالبینِ راہِ حق اس طریق کے اشغال اور اعمال کی مزاولت کرتے ہیں اور جب ان کے آثار کما حقہٗ اپنے آپ میں نہیں پاتے تو محرومی کی صدا اور یاس اور ناامیدی کے کلمے ان کی زبان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ انہی اشغال واعمال کی برکت سے کوئی اور امر ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں انکو حاصل ہوگیا ہو اگرچہ ان اشغال واعمال کے آثار کی جنس سے نہ ہوں اور ان اشغال واعمال ان امور کے درمیان مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے انکی عقل حقیقتِ حال پر واقف نہ ہوئی ہو اور اسی طرح اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہلِ کمال کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں شغل اور عمل کے سبب فلاں کمال حاصل ہوا تھا۔ پھر خود وہ شغل اور اعمال بجالاتے ہیں اور اس کمال کا کچھ اثر اپنے آپ میں نہیں پاتے تو تعجب اور حیرانی کے ویرانہ میں سرگشتہ ہوجاتے ہیں۔ پس کبھی تو ان قصوں کو جھٹلانے لگتے ہیں اور کبھی اس عمل کے شروط وارکان میں شک کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ عمل اس عمل کا غیر ہو جو اس بزرگ سے صادر ہوا تھا۔ حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کمال جنسِ نوافل سے عطایا تھا نہ اس عمل کے آثار کے قبیل سے۔ واللہ اعلم بالصواب وھو الہادی الی طریق الرشاد۔

چھٹا افادہ۔ جب مراقبۂ الوہیت اپنے کمال کو پہنچا اور اس کے آثار بیش از بیش ظاہر ہوئے اور کمال وتکمیل کا مقام اس کے سپرد ہوگیا، اور خلافت عن اللہ کا مرتبہ اس کو نصیب ہوا بعدہٗ ازاں بعض کاملوں کو ایک ایسا مقام ظاہر ہوتا ہے کہ تحریر اور تقریر کی خلعت اسکی تصویر کے قد پر کوتاہ اور نازیبا ہے۔ اور یہ مقام مقامِ انکشاف وجہ اللہ کا ہے۔ اور آیۃ وَاصْبِرْ[1] نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ اسی معنی کی طرف

---

[1] اور روک اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ارادہ کرتے ہیں اس کی رضا مندی کا۔

www.abulhasanalinadwi.org

باریک سی رمز ہے۔ ہر چند واضح کرنا اس مقام کا تقریر اور کلام سے متصور نہیں۔ مصرع

لذت می نشناسی بخدا تا نہ چشی ۔ لیکن اس کا خیال میں لانا اگرچہ تخیل ناقص ہی ہو ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔ بیان ان کا اس طرح ہے کہ ہر امر کا ادراک خواہ وہ امور محسوسہ سے ہو یا امور مغیبہ سے اس کی مثل کے واسطہ سے ہو سکتا ہے مثلاً احساس انوارِ شہادیہ کا نور بصر سے ہوتا ہے اسی طرح تمام عوارضِ جسمانیہ محسوسہ کا ادراک آلاتِ جسمانیہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے جن کا نام حواس رکھتے ہیں۔ اسی طرح ادراک عالم مثال کا قوتِ خیال کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عالم کا نمونہ انسان کے بدن میں رکھا ہوا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان امور کا ادراک جو بین التجرد و التعلیق ہیں۔ یعنی نہ تو بالکل مادّہ سے مجرد ہیں اور نہ پوری طرح سے مادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قوتِ واہمہ کے ساتھ ہوتا ہے جو بین العقل والحواس ہے اور اسی طرح کلیہ عقلیہ اور جزئیاتِ مجردہ کا ادراک قوتِ عاقلہ سے ہوتا ہے جو تجرد اور بساطت میں ان امور کے مشابہ اور مماثل ہے، اور اسی قیاس پر ہیں تمام لطائف انسانیہ مثلاً تجلیٔ اعظم اور حقائق ملأ اعلیٰ کا ادراک لطیفۂ سر کے ساتھ ہوتا ہے اور وجود منبسط کا ادراک لطیفۂ خفی سے جو کہ حقیقتِ جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے اور اس کا نام قلب رکھتے ہیں پس یہیں سے سمجھنا چاہیئے کہ دریافت کرنا اس ذاتِ بے کیف و بیچون و بیچگون و بے شبہ و بے نمون کا جو کہ تمام تجلیات سے برتر ہے حتیٰ کہ وجودِ منبسط بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور وہ ذات والاصفات جو تمام تنزّلات سے معرّیٰ ہے حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سے شامل تر ہے اور وہ ذات پاک جو تمام موجودات کی مماثلت سے کسی صفت میں صفات منزّہ ہے۔ یعنی ذات کے اس مرتبہ کا دریافت کرنا جس کو مجہول مطلق اور ممتنع التصور قرار دیتے ہیں سوائے نورِ قدسی الٰہی کے کسی اور چیز سے ممکن ہے چنانچہ اس حدیث شریف میں کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِی ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْہِمْ مِنْ نُوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاہُ ضَلَّ۔ اسی معنیٰ کی

لہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو ایک ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ نور ڈالا تو جس شخص کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس کو وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

طرف اشارہ ہے پس اسی نور قدسی کو ابتدائے آفرینش سے سعادتمندوں کی عقل میں ودیعت رکھا ہے پس وہ نورِ حق کا ایک قطرہ نورِ بصری کے قائم مقام ہے جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے، اور چنانچہ ابصار دیکھنے کا سبب فی الحقیقت وہی نور ہے اور آنکھ کے تمام پردے بلکہ خود آنکھ کا جرم اس نور کے قالب ہیں اور تمام ظاہری نور جیسے چراغ کا نور اور شمع کا نور اور آفتاب اور ماہتاب کا نور اس کے مؤیدات سے ہیں کیونکہ اگر وہ نورِ بصری مجمع النور میں ودیعت رکھا ہوا نہ ہوتا تو البتہ وہ شخص اندھوں کے گروہ میں شمار کیا ہوا ہوتا۔ اور اندھے آدمی کو آنکھ کے جسم اور ظاہری نوروں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا پس عوام الناس اگرچہ ظاہر حال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ کی بدولت یا آفتاب کی روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں لیکن اگر حقیقتِ امر میں تأمل کریں تو البتہ سمجھ لیں کہ ابصار کا آلہ فی الحقیقت وہی نورِ بصری ہے، لیکن چونکہ وہ نور آنکھ کے راستے سے باہر آتا ہے اسلئے سببیت کو آنکھ کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور چونکہ انوارِ ظاہرہ اسی نورِ بصری کے مؤید ہیں اس سبب سے ان انوار کو بھی ابصار کہہ سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خود ان کا ادراک اسی نور کے طفیل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ دوسرے امور کا ادراک اسی طرح آلۂ ادراک ذاتِ بحث اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرۂ نورِ قدسی کا ہے۔ جو ابتدائے ظہورِ ارواح کے اہلِ سعادت کو نصیب ہوا تھا، اور ابدان کی پیدائش کے بعد لطیفۂ عقل کی تہ میں پوشیدہ کیا گیا۔ اور اسکے شعاع لطائفِ باطنہ انسانیہ میں طرح طرح کے اقسام اور گوناگوں رنگوں کیساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسے آفتاب کا شعاع بسیط مختلف رنگوں اور طرح طرح کی شکل والے شیشوں میں۔ اور وہ نور قدسی انوارِ قاہرہ غیبیہ کے ساتھ جیسے آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور انبیاء کرام اور علماء ذوی الاحترام اور اولیاء عظام کا وجود انبساط اور انشراح پاتا ہے یہ معنیٰ نہیں کہ یہ انوارِ غیبیہ انسان کے نفس میں اس نورِ قدسی کے پیدا ہونے کے سبب ہو جاتے ہیں بلکہ وہ نورِ قدسی تو ازل الآزال سے نفوس کے اندر ودیعت رکھا ہوا ہے۔ اور یہ انوارِ غیبیہ اسکے انبساط اور انشراح کا سبب ہو گئے ہیں پس اگرچہ سالکانِ راہِ ولایت اور طالبانِ راہِ نبوت ابتدائے احوال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفۂ قلب یا لطیفۂ سر یا لطیفۂ خفی یا ان کے امثال سے ہمکو حاصل ہوا ہے یا بہ سبب نزولِ کتب

www.abulhasanalinadwi.org

سماویہ کے اور وجود انبیاء اور اولیاء کے ہمیں توجہ الی اللہ نصیب ہوئی ہے لیکن اگر حقیقتِ کار کا کھوج لگائیں تو البتہ جان لیں کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے جو ازل الآزال میں انکو نصیب ہوا ہے اور تمام لطائف باطنہ کو اسی نور نے رونق بخشی ہے اور کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کی حقیقت بھی اسی نور کے سبب ان کے ذہن میں قرار پکڑ گئی ہے اسی لئے جو شخص ازل الآزال میں اس نور سے محروم رہا جیسے ابوجہل اور ابولہب اس کے حق میں یہ انوارِ قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور مادر زاد اندھے کی طرح روزِ روشن میں ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے جاتے ہیں۔ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اسی نورِ قدسی کا شعاع لطائفِ انسانیہ کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور اختلاف لطائف کے اندازے پر اسمیں اختلافِ عظیم راہ پاتا ہے اور ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی ایک قسم اور تجلیات ربانیہ میں سے ایک قسم کی تجلی کا انکشاف اور معارف حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے آثار میں سے ایک قسم کے آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لطیفہ میں ان امور مذکورہ کی ایک اور نوع ظاہر فرماتا ہے اور اس لطیفۂ نورانیہ کو ہم حجر بحث کے نام سے ملقب کرتے ہیں پس حجر بحث کو عقل کے جگر میں اس چراغ کی طرح تصور کرنا چاہئے جو مختلف رنگ والے شیشوں کے پردہ میں روشن کیا ہوا ہو۔جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا پس جاننا چاہئے کہ جس طرح اجرامِ علوی جو رات کے وقت نمودار ہوتے ہیں اگرچہ ان کا نور وہی آفتاب کا نور ہے جو اُن ستاروں کے حیقلیہ اجرام میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گوناگوں لباسوں میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کی نظر میں جلوہ گر ہو گیا لیکن جب آفتاب افق سے طلوع ہوتا ہے تو تمام مختلف انوار آفتاب کے نورِ بسیط میں محو ہو جاتے ہیں اور ایک نورانی چادر یک رنگ تمام علویات اور سفلیات کے بساط پر تانی جاتی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ مراتب انعکاسیہ آفتاب کے اسی نور آفتاب کے اصلی مرتبہ میں محو و منطمس ہو جاتے ہیں اور سب فرع اور اصل یک رنگ ہو جاتے ہیں اسی طرح جب نفس کا کام حجر بحث کے مرتبہ میں بے پردہ جا پڑتا ہے اور اپنے لطائف باطنہ کے تمام لباس اتار دیتا ہے تو حجر بحث سے ایک مقدس شعاع ظاہر ہوتی ہے اور لطائف کو اپنا ہمرنگ بنا لیتی ہے۔اور تمام باطن اس سالک کا سر سے پاؤں تک حجر بحت ہو جاتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی مثال ہے جس کے تمام بدن میں تمام نور بصری سرایت کر جائے اور

www.abulhasanalinadwi.org

یہ حالت [illegible] بدن نیز گویا کہ طرح آنکھ ہی آنکھ ہو جائے۔ اور یہ حال اس حال کا غیر ہے جو سالکِ راہِ ولایت
کو ابتدائے سلوک میں طاری ہوتا ہے کہ انکا دل وسعت پکڑ جاتا ہے اور تمام بدن انکا اسمیں گم ہو جاتا ہے پس
انکا تمام وجود گویا قلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حال حجر بحث کے انبساط کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا
جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ نہایت اس حال کی یہ ہے کہ تمام وجود سالک کا تجلی
قلبی کے ادراک کا آلہ ہو جاتا ہے اور اس کا مآل یہ ہے کہ اس صاحبِ کمال کا تمام باطن ذاتِ بحت کے
ادراک کا واسطہ ہو جاتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ قصۂ کوتاہ یہ کہ جس شخص کا تمام
وجود قلب ہو گیا وہ اس شخص کے سامنے جس کا تمام بدن حجر بحث ہو گیا کیا رتبہ رکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخصِ
کامل اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو جو امور دوسرے لوگوں کے لئے باعثِ کدورت اور موجب قبض ہوتے تھے
اس شخص کے باطن میں مطلق کوئی اثر نہیں کرتے۔ مثال اسکی ایسی ہے کہ کوئی شخص علومِ دقیقہ کی مشقت
و مزاولت کرتا ہے اور اس کا تمام کاروبار قوتِ عاقلہ سے تعلق رکھتا ہے تو جو امور حواس ظاہرہ کی
کدورت کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ جانا یا کان کے سوراخ میں روئی دے دینا وہ اس
کے کام میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے وہ مضمون جو اس مقام کی تصویر میں احاطۂ تحریر اور
حیطۂ تقریر میں گنجائش رکھتا ہے۔ ولیکن کُنہ اس مقام کی سو وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہئے کہ طالبینِ راہِ نبوت کے دلوں کی لوحیں حبِ ایمانی کے غلبے اور فناءِ ارواح کے
رسوخ کے سبب خواہشوں اور آرزوؤں کے نقشوں سے صاف اور معرّا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ بجز طلب
رضائے حق کسی امر کی طلب اور دو جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی رغبت ان کے تہ دل میں قرار پکڑتی اور
دنیاوی مزوں اور اخروی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف التفات ان کے صمیم قلب سے ظاہر نہیں ہوتی یہاں
تک کہ ایک بار اللہ جلّ شانہ کا مبارک نام جو ان کی زبان پر جاری ہوا اگر اس کے مقابلہ میں دونوں جہان
کی نعمتیں انکو بخش دیں اور تھوڑی سی اطاعت کو دو جہان کی نعمتوں سے مبادلہ کرنے کی ترغیب دیں تو البتہ ان
کے حق میں سب و شتم کی جا بجا ہوگا۔ الغرض اس حال کا صاحب تمام اعمال صرف حضرت ذو الجلال کی رضا
مندی کیلئے بجا لاتا ہے اور بس۔ اور آیۃ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

[1] یعنی پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اس کا منہ چاہ کر۔

www.abulhasanalinadwi.org

انہی لوگوں کی شان کا بیان ہے۔ اور جب اس طریق والے سکر محبت کے مقام سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بلند درجوں پر ترقی کر جاتے ہیں اور بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچتے ہیں تب ان کے دل میں امور ملائمہ طبیعت کی طرف از جنس مرغوبات کونین رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت کو ناپسند چیزوں سے از قسم مکروہات دارین نفرت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ اپنی طاعات کے مقابلہ میں کسی مرغوب چیز کی درخواست یا کسی مکروہ چیز کے دور ہونے کی خواہش کرتے ہیں حاشا و کلا کیونکہ یہ بزرگوار لوگ اپنے اعمال کو اپنی چیز نہیں سمجھتے تا کہ ان کے مقابلہ میں کسی جزا کے امیدوار ہوں بلکہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ عالی جاہ کی رعایا میں سے کسی شخص نے بادشاہ کی رضاجوئی کی خاطر بڑی مدت حیران و سرگردان رہ کر اور خدمت سلطانی کے مناصب میں جیسے سپہ گری اور جمعداری وغیرہ انتقال اور تبدیلیاں کر کے آخر الامر قبولیت اور رضامندئ سلطانی کے مقام میں پہنچکر کفالت و وکالتِ شاہی کا عالی منصب حاصل کیا۔ اور اسکا لقب چیلۂ خاص رکھا گیا پس اس حالت میں اس کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ جو عمدہ چیزیں اس کے مولیٰ کے زیر حکومت اور اسکی سلطنت کے اندر موجود ہیں انکی خواہش کرے اور جو نفیس چیز بادشاہی خزانوں میں موجود ہے اسکی درخواست کر سکتا ہے اس وجہ سے اس چیز کو اپنے علاقۂ چیلگی کا بدل جانتا ہے یا اپنی ادائے خدمات کی جزا سمجھتا ہے کیونکہ اس قسم کی طلب اس کے حق میں ایک قبیح عیب ہے کہ اپنے آپکو بلند مرتبے سے نیچے گرا کر مردودوں کے شمار میں داخل کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس علاقہ کا مقتضا ہی یہی ہے کہ اپنی تمام حاجات کو جن کے منجملہ طلب مرغوبات اور مکروہات سے پناہ مانگنا ہے اپنے مولیٰ ہی سے طلب کرے اور بس۔ اسی طرح یہ اربابِ کمال جب مرتبۂ اصطفاء اور اجتباء اور قبولیت اور محبوبیت پر کامیاب ہوتے ہیں اور تمام مقعدِ صدق میں رسوخِ قدم انکو نصیب ہو جاتا ہے اور درجۂ شمول رفیقِ اعلیٰ سے فائز ہو جاتے ہیں اور بندۂ خاص اور عبد با اختصاص انکا لقب ہو جاتا ہے اس وقت البتہ ان کے دل میں امورِ مرغوبۂ دارین کی طرف میلان ہو جاتا ہے اس لئے وہ امور اپنے مولیٰ کے خزانوں میں موجود ہیں اور بسبب اس بات کے کہ مقام قبولیت میں راسخ القدم ہو چکے ہیں ان کو کسی چیز کی طلب سے اگرچہ نہایت رفیع اور بدیع ہو رکاوٹ نہیں۔ اس لئے ان چیزوں کو طلب نہیں کرتے کہ ان امور کو اپنے اعمال کی جزا سمجھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ علاقۂ عبودیت کو زیادہ قر

www.abulhasanalinadwi.org

رونق ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حظوظِ نفسانیہ کا طلب کرنا ان کے حق میں زیادہ قرب کا موجب ہوتا ہے

موسیٰ اندر درخت آتش دید سبز تر شد آں درخت از نار
شہوت و حرصِ مردِ صاحب دل ایں چنیں داں وایں چنیں انگار

القصہ جب اس کمال کے صاحب اس مقام وحال میں پہنچتے ہیں تو بسبب اختلاف استعدادِ جبلی کے تین فریق ہو جاتے ہیں: ایک قوم تو اپنے منصب میں کمالِ علو اور مقام قبولیت میں نہایت راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دونوں جہان کے مرغوبات اور مکروہات کو اور دارین کے مصائب ومشکلات کو نہایت ادنیٰ اور خسیس امور سے سمجھ کر طلبِ مرغوب کی طرف اور مکروہ سے بھاگنے اور ازالۂ مصائب اور استحلالِ مشکلات کی طرف جو کچھ ذرۂ التفات ان کے دل سے صادر نہیں ہوتا نہ بسبب ہجوم سکرِ محبت کے اور مکروہ اور مرغوب میں تمیز اور فرق نہ کرنے کے سبب سے بلکہ ان کے منصب کے کمالِ اعلیٰ ہونے اور ان امور مذکورہ کے نہایت ادنیٰ ہونے کے سبب سے الحق کہ انکا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ ایسے امور کی طرف ان کے دلوں میں التفات اور میل پیدا ہو اور انکا اپنے مناصب اور مراتب کے ساتھ خوش وخرم ہونا اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی اور خوشی طلب کریں اگرچہ اس حد تک ان کو عرضِ حاجات کا رتبہ حاصل ہو گیا ہے، کہ نظرِ عنایتِ ربانی اور کفالتِ رحمانی کے سبب ان کی دعا واجب الاجابت اور ان کا تعوذ واجب القبول ہو گیا ہے۔ اور دوسری قوم عرضِ حاجات اور دعائے حلِ مشکلات اور طلبِ مرغوبات اور دعائے دفع مکروہات اور شفاعات میں سعی کرنے میں بناء بر استحکامِ علاقۂ عبودیت اور اظہارِ حاجت کے جو بندہ ہونے کا شعار ہے اور اہلِ اضطرار اور ارباب حاجات پر رحمت اور شفقت کرنے کیلئے چست وچالاک اور سرگرم ہوتے ہیں۔ اور تیسری قوم بھی فریقِ ثانی کے ہم مشرب تو ہیں کہ ان کے دل میں طلبِ مرغوبات اور استحلالِ مشکلات اور شفاعت ذوی الحاجات کی خواہش پیدا ہوتی ہے لیکن بسبب کمالِ ادب کے اور کفالتِ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ پر اعتماد کرکے باوجود کمال اس اعتقاد کے کہ علم ازلی تمام اشیاء کے اسرار اور ان کے باطن کو محیط ہے، زبانِ حال پر اکتفاء کرکے اکثر اوقات زبانِ قال کو کام میں نہیں لگاتے کہ مقولہ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ اس قسم کے بزرگوں کی شان کا بیان ہے۔

لے یعنی مجھ کو میرے سوال سے میرے ...

www.abulhasanalinadwi.org

اور حق جلّ وعلا البتہ انکی دعا و حالی قبول فرماتا ہے۔ اور انکی دلی حاجات روا فرماتا ہے، بایں طور کہ ان کے مقتضائے دلی کو خود بخود بلا تعریف ظاہر کر دیتا ہے۔ اور انکو بلکہ تمام بزرگان محفل قرب کو اس امر پر مطلع فرماتا ہے کہ اس امر کا ایجاد محض انکی رضامندی اور انکی دلی خواہش کے پورا کرنے کیلئے ہوا ہے۔ اور یہ امر انکے زیادتِ اعتبار اور کمال افتخار کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ کے سبب سے اپنے اقران و امثال میں ان کو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ **فائدہ**:۔ اگرچہ ان تین فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر من جمیع الوجوہ فضیلت دینا غلط محض اور خطائے صریح ہے ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔ لیکن ملاء اعلیٰ میں زیادتِ اعتبار اور وجاہت پر نظر کر کے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو اہلِ فطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بایں لحاظ کہ قوم ثانی کیلئے علاوہ عبودیت کے مقتضیات کا ظاہر ہونا اور انکی سعی و سفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے ہیں، رب اور خلقت کے درمیان انکو وسیلہ ہونے کا مقام حاصل ہے قوم ثانی کو اول پر فضیلت حاصل ہے جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔ والعلم عند اللہ۔

خاتمہ:۔ بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت "سید احمد" صاحب قدس سرہٗ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت کے اثنائے سلوک میں پیش آئے ہیں۔ اگرچہ خود یہ کمالات بدایات آیات کہ یہ کتاب مستطاب ان پر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں نہ حال کو قال سے، یعنی ان کے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بسبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے جو اس کلام کے قائل کی نسبت تقلیداً انکو حاصل ہو حالانکہ عقلمندوں کو متکلم کا اعتقاد کلام کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسے کلام کرنے کی ضرورت پڑی جو اس کے ماخذِ مضامین کا حال بیان کرے تاکہ ان مضامین کے ناظرین کو یہ سبب اطلاع پانے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے ان مضامین کو کہاں سے حاصل کیا، اور کس شخص سے انکا استفادہ کیا، اطمینان حاصل ہو جائے۔ پس جاننا چاہئے کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمالِ طریقِ نبوت پر اجمالاً مجبول تھی۔ اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نماز میں اور شریعت شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمالِ رغبت، اور بدعت کے ساتھ آلودہ

ہونے سے کمالِ نفرت، اور طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے جبلی کراہت سنِ خردسالی میں آپ پر ظاہر باہر تھی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپکی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے، اور سعادتِ ازلیہ کے انوار آپکی جبینِ مبارک میں روشن تھے، تاآنکہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جسکی مدد سے ہر دو فریق یعنی طریقِ نبوت اور طریقِ ولایت کے بند دروازے کھل جائیں، آپکے ہاتھ آگئی۔ اور وہ کنجی کیا تھی۔ یعنی ملازمتِ جناب ہدایت مآب قدوۂ اربابِ صدق وصفا زبدۂ اصحابِ فنا وبقا، سید العلماء سندِ الاولیاء حجۃ اللہ علی العٰلمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر ذلیل وعزیز مولانا ومرشدنا الشیخ عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہ داعزنا وسائر المسلمین بمجدہ وعلائہ کی، اور آپکو آنجناب کے ساتھ طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت حاصل ہوئی۔ اور حصولِ بیعت کے یُمن اور آنجناب کی توجہات کی برکت سے آپکو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقائعِ عجیبہ کے سبب طریقِ نبوت کے کمالات جو ابتدائے فطرت میں مجملاً مندرج تھے۔ انکی اب تفصیل اور شرح کی نوبت پہنچی اور مقاماتِ طریقِ ولایت بھی اسی وجہ پر جلوہ گر ہوئے۔ ان سب معاملات سے اوّل اور بہتر یہ ہے کہ آپ نے جناب رسالتمآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپکو کھلائے اس طرح سے کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لیکر حضرت سید صاحب کے مُنہ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے اس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے نفس میں پاتے تھے۔ اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نسبت حاصل ہوگیا۔ بعد ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا پس جناب علی مرتضیٰؓ نے آپکو اپنے مبارک ہاتھ سے غسل دیا اور آپکے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست وشو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست وشو کرتے ہیں۔ اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے آپکو پہنایا پس اس واقعہ کے سبب سے کمالاتِ طریقِ نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے۔ اور اجتبائے ازلی جو کہ ازل الآزال میں پوشیدہ تھی منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوئی۔ اور عنایاتِ رحمانی اور تربیتِ ربانی بلا واسطہ آپکے حال کی متکفل ہوئی۔ اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات وقوع میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلا نے آپکا داہنا ہاتھ

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے دستِ قدرت میں پکڑ لیا۔ اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی آپکے سامنے کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے۔ اور، اور چیزیں بھی عطا کریں گے تا آنکہ ایک شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم بیعت نہیں لیا کرتے تھے اس لئے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ جب اس شخص نے نہایت الحاح اور اصرار کیا تو آپنے اس سے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہئے۔ بعد ازاں جو کچھ مناسب وقت ہوگا اس پر عمل کیا جائیگا۔ پھر آپ اجازت اور استفسار کیلئے جنابِ حق میں متوجہ ہوئے۔ اور عرض کیا کہ بندگانِ درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ اور آپنے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے، اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرتِ حق کے اوصاف کو اخلاقِ مخلوقات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے۔ اس طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کریگا۔ اگرچہ وہ لکھوکھا ہی کیوں نہ ہو ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ القصہ اس قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سیکڑوں پیش آئے تا آنکہ کمالاتِ طریقِ نبوت اپنی نہایت بلندی کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علومِ حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے۔ یہ ہے طریقِ استفادۂ کمالاتِ راہِ نبوت۔ لیکن کمالاتِ راہِ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے طریق میں سے ہر طریق میں مجاہدات اور ریاضات اور اشغال و اذکار اور مراقبات معین کئے ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر پیدا کرتا ہے اور ثمراتِ اشغال کے توارد کے سبب سے ایک امرِ مستقر[1] طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس امر کے سبب سے طالب کا عالمِ قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے۔ اور وہی امر حضرتِ حق جل و علا کیساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہوتا ہے۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ جوہرِ نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرفِ قوم (صوفیہ) میں نسبت کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے۔ یا دوسرے صنائع میں جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ مدت کے بعد ایک امرِ مستقر حادث ہو جائیگا کہ اس کو ملکۂ صناعت کہتے ہیں اور وہ

[1] یعنی ایسا امر جو طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے اور اسکو ظاہر کرتا ہے تو اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردہ میں مخفی رہتے ہیں۔ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہئیے کہ اگرچہ عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین کتب عربیہ اور فنونِ ادبیہ کی تحصیل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں لیکن بعض نفوسِ کاملہ کو بطریقِ خرقِ عادت پہلے پہل ان مضامینِ لطیفہ پر اطلاع بخشتے ہیں اور اس کو اصطلاحِ قوم میں علمِ لدنی کہتے ہیں۔ اور فنونِ ادبیہ بعد اس کے ثانیاً انکو میسر ہوتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مبادی کے حاصل کرنے میں دوسرے مبتدیوں کی طرح اس فن کے استاذوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مبادی سے عاری ہی رہ جاتے ہیں۔

القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی لیکن نسبتِ قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی سعتِ برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی روحِ مقدس آپکے متوجہِ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روحِ مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا کیونکہ ہر ایک ان دو عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپکو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گذرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفسِ نفیس پر توجہِ قوی اور پُر زور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپکو نصیب ہوئی۔ ولیکن نسبتِ چشتیہ پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ حضرتِ خواجۂ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقدِ منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقدِ مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اس اثناء میں ان کی روحِ پُر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی۔ اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر

www.abulhasanalinadwi.org

نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتداءِ حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہوگیا۔ پھر اس واقعہ سے ایک مدت کے گذرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی حرسہا اللہ تعالیٰ عن آفات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ کاتب الحروف بھی اس محفلِ ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرینِ مجلس مراقبہ کی گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے اس مجلس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جلّ وعلا نے محض اپنی عنایت سے بلا واسطہ کسی کے نسبتِ چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے۔ بعد ازاں طریقۂ چشتیہ کی تعلیم اور تلقین میں بازوئے ہمت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے۔ یہ ہے طریقۂ استفادہ تینوں نسبتوں کا۔ لیکن باقی نسبتوں کا افادہ جیسے نسبتِ مجددیہ اور نسبتِ شاذلیہ وغیرہ پس جاننا چاہیئے کہ کمالاتِ راہِ نبوت اربابِ کمال کی بصیرتوں کو کحلِ قدسی سے سرمہ ناک کر دیتے ہیں اور کحل قدسی سبب انکی بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرتِ قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہٗ دریافت کر لیتے ہیں۔ پس گویا راہِ ولایت کی تمام نسبتیں سالکِ راہ نبوت کے کمال میں مجملاً مندرج ہوتی ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف ادنیٰ سی توجہ متحقق ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح و بسط کے ساتھ ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اس کلام سے ائمہ طرقِ ولایت پر سالکِ راہِ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے۔ بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالکِ راہِ نبوت کے نفس میں ایک نورِ قدسی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحبِ نسبت کی نسبت کو اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہو ادراک کر سکتا ہے۔ جس طرح مجمع النور میں قوتِ باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ اسی قوت کے سبب سے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر ادراک کر سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اگرچہ اسکے جسم کا اشراق نورِ بصری سے اعلیٰ اور اقویٰ ہو۔ واللہ اعلم۔

ولیکن مبادا کہ اخذ کرنا پس جاننا چاہیے کہ اشغال اوراد کا راور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریع کا ظل ہے اور جو صاحب قربِ فرائض کے مقام میں قائم ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ بزرگ از قسم انبیاء علیہم السلام ہوں گے تو ضرور ہے کہ شریعتِ مجددہ کے صاحب ہوں گے نہیں تو طرق موصلہ الی اللہ کے اوضاع کا معین کرنا فوارہ کی طرح ان کی طبیعت سے جوش مارتا ہے اس میں تعلیم اور تعلّم کو گنجائش نہیں۔

فائدہ۔ ان چند کلمات میں جو حضرت سید صاحب کے معاملات اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں بڑے بڑے فائدے ہیں اور بڑی بڑی منفعتیں ہیں۔ منجملہ ان فوائد کے ایک فائدہ تو وہ ہے جو شروع میں مرقوم ہو چکا اور منجملہ ان کی ہی تحدیث بنعمۃ اللہ یعنی نعمتِ الٰہی کا اظہار کہ امر وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل اس میں متصور ہو سکتی ہے۔ اور منجملہ ان فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا کہ جو شخص حق جلّ وعلا کا طالب ہو اور حضرت حق کی طلب صادق اس کے دل سے پیدا ہوئی ہو اس کو اپنی مطلب یابی کے مقام کی طرف ہدایت ہو جاتی ہے۔ اور منجملہ ان کے زمانہ کے جاہلوں کی تنبیہ کرنا ہے کہ انہوں نے ولایتِ ربانی کو ممتنعاتِ عقلیہ سے شمار کر کے اوائل امت پر اسے منحصر سمجھ کر انقطاعِ نبوت کی طرح ولایت کے انقطاع کے قائل ہو گئے ہیں۔ فقط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

تمت

کتابت: ابوالحسنات سادر القاسمی دیوبند ۶۹۸

www.abulhasanalinadwi.org